جنوری سنہ ۱۹۱۸ء

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر۔ ایم اے قاری (علیگ) خلفِ اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر
محمد عباس حسین قاری
قیمت سالانہ ۶ روپے

نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

پرنٹر
نواب علی
نمونہ کے پرچے کی قیمت ۸ آنے

مقام اشاعت نیا گاؤں۔ لکھنؤ

ناول اور افسانے

طلسم: والٹر اسکاٹ کے ناول طلسمات کا ترجمہ صفحہ ۱۷۶ قیمت ۶ر

مونگے کا جزیرہ: انگریزی جہازرانوں کے عجیب و غریب سفر و حضر کے صفحہ ۲۹۶ قیمت ۸ر

دہن شیر: رومی بادشاہوں کا جور و ظلم کا ناول صفحہ ۲۳۲ قیمت ۸ر

زرین ملک کے عجائبات: چند نوجوانوں کے انگلستان سے جنوبی امریکہ تک سفر ناول کے پیرایہ میں قیمت ۸ر

مدینۃ الکبریٰ کی آتش زدگی: قیصر روم کے عہد کا تاریخی ناول مجلد ۱۰ر

جان ہیلفکس جنٹلمین: ایک نوجوان لڑکے کے حالات۔ کسطرح ادنیٰ حالت سے اپنی جوانمردی سے ترقی کر کے دولتمند ہوگیا صفحہ ۶۴۰ قیمت ... ۱۲ر

سرگذشت رابنسن کروزو: (صفحہ ۲۹۲) انگلستان کے ایک مشہور جہازراں اور سیاح کے زندگانی کے حالات بہت دلچسپ کتاب ہے قیمت ۱۲ر

افسون: بالکل سچی سرگذشت اور تاریخی فسانہ غدر ۵۷ء کے واقعہ کی دردناک تصویر قیمت ... عہ

ہاجرہ: ایک دلچسپ اور اعلےٰ درجہ کے ترکی ناول کا ترجمہ قیمت ۱۲ر

اوٹوپیا: ایک خیالی قوم کی طرز معاشرت وغیرہ کے پیرایہ میں ایک فلاسفر نے اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں مع تصویر ۹۶ - قیمت ۱۴ر

بزم اکبری: اسمیں شہنشاہ اکبر اور اسکے جلیل القدر پنجہزاری منصب دار حبیب خاں کے دلچسپ حالات حاکم مالوہ باز بہادر کی شاہزادی روپ متی کے حسن و عشق کی پُردرد داستان خاقان اکبر کی فوج کشی سلطان احمدنگر کی تباہی اور دیگر تاریخی واقعات نرالے ڈھنگ سے قلمبند کیے گئے ہیں صفحات ۳۷۴ قیمت ۱۲ر

علمی ادبی اور اخلاقی کتابیں

چمنستان عرب عرف حج: قرآن شریف احادیث اور تاریخ سے حج مکہ معظمہ کعبہ مقدسہ مدینہ منورہ اور عرب کے تاریخی جغرافیائی حالات اس کتاب میں نہایت تفصیل سے درج کیے گئے ہیں ادعیہ حج بھی کتاب میں درج ہیں قیمت .... عہ

اتالیق بی بی: جسمیں عورتوں شوہروں کی بے معنی نکتہ چینی اور بیجا شکایت کا بہت سچا خاکہ دکھایا گیا ہے قیمت ۸ر

رموز فطرت: علم طبیعات۔ علم طبقات الارض جغرافیہ طبیعی اور ثوابت و سیارہ کے ابتدائی اور بنیادی اصول کی تشریح ۱۲ر

سیر یورپ: ہر ہائنس تاجدار رفیعہ سلطان نواب بیگم ریاست بھوپال کے سفر یورپ کا روزنامچہ جسمیں تمام واقعات خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا ہے ۴۷ عکسی تصاویر شامل ہیں کاغذ چھپائی نہایت اعلےٰ صفحات ۶۰۰ قسم اول ۲ے قسم دوم ۱۲ر

انقلاب ٹرکی: سلطنت عثمانیہ کے گذشتہ انقلاب کے پارلیمنٹری دور کے آغاز کی ایک مفصل اور جامع تاریخ مولفہ منشی عبدالرؤف خاں صاحب ہاتف ... ۱۲ر

نیشنل ڈراما: ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ حالت پر انکو شرم دلانے کا نیا طریقہ اور تعلیم کی ضرورت کے اظہار کا جدید طرز قیمت ۸ر

السنۂ مشرقیہ: عربی سنسکرت اور فارسی زبان کی دلچسپ تاریخ ہر زبان کی ترقی و تغیر اور تبدیلی کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لیے گئے ہیں قیمت ۶ر

خیابان عجم: شعرائے عجم کی سوانحعمریاں اور انکے کلام کا انتخاب مع ترجمہ انگریزی قیمت ... ۱۰ر

زندگانی بےنظیر: جسمیں نظیر اکبرآبادی کے حالات و خیالات سے انگریزی اصول تذکرہ نویسی پر مفصل بحث کی گئی ہے مولفہ سید عبدالغفور صاحب شہباز قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ "تمدن" نیا گاؤں۔ لکھنؤ

علمی ادبی اور اخلاقی کتب کا ذخیرہ

اخلاق محمدی:- اس کتاب میں طرز معاشرت ادب مجالس اخلاق کسب معاش ہمت و استقلال ہمدردی حقوق باہمی وغیرہ تمام صفات حسنہ کے متعلق آیات و حدیث جمع کرکے مع اصل و ترجمہ کے طبع کی گئی ہیں علم اخلاق میں اس طرز کی کتاب آجتک طبع نہیں ہوئی مسلمانوں کے لیے اسکا مطالعہ مفید ہے قیمت ہر دو حصہ عہ

المدنیۃ والاسلام:- یہ کتاب ایک زبردست مصری فاضل محمد فرید وجدی کی تصنیف ہے۔ مغربی تعلیم اور مغربی علوم و فنون کی بدولت جو شکوک اور شبہات مذہب کیطرف سے پیدا ہو رہے ہیں اور الحاد و دہریت کا جو سیلاب مغرب کیطرف سے چلا آرہا ہے۔ اسکے استیصال کے لیے یہ کتاب آب حیات سے کم نہیں ہے قیمت عمر

حکمت عملی:- فلسفہ عملی پر مبسوط اور جامع کتاب ہے اسمیں افراد انسانی کی روحانی ارتقا کی تدابیر کے ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کیے ہیں عورتوں کی تعلیم اور حقوق کی نگہداشت کا ذکر بھی موقع بموقع کیا ہے عبارت نہایت دلچسپ ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی قیمت .... عہ

جذبات بھاشا:- بھاشا کے کلام میں قدرتی مناظر کی تصویر کھینچنا اسکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے خودداری حیا غرور عشق و محبت و جذبات ... بغیر بھاشا کی شاعری کا [illegible] ادھورا ہے سارے زمانے تشبیہات دو تین پہیلیاں سے [illegible] ہے جذبات بھاشا میں ملک کے قابل انشا پرداز حضرت نیاز فتحپوری نے ان دوہوں کے معنے بیان کیے ہیں ۱۲ر

حیات النذیر:- شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی دہلوی کی زندگی کے مفصل حالات قیمت ہے مجلد ... عہ

حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

میلاد نامہ

اگر آپ نے اسے اب تک نہ دیکھا ہو تو جلد طلب فرمائیے حقیقت میں اسکے مطالعہ کا یہ سب سے بہتر زمانہ ہے۔ رسول اللہ کا ذکر میلاد نامے میں جس شان سے لکھا گیا ہے ویسا اور کہیں نہ ملے گا۔ آنحضرت کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبائش سے قلم بند کرکے بچپن جوانی کے کل واقعات قلم بند کیے ہیں پھر تتمہ میں رسالت سے لیکر وفات تک کی کیفیت ہے آخر میں حضور کے اخلاق۔ عادات لباس و طعام کا حال ہے حجم دس جزو قیمت عہ علاوہ محصول۔

انسان:- انسان کی تشریح علمی رنگ میں ۸ر

آثار خیر:- اسلامی عہد حکومت کے محکمہ پبلک ورکس مدرسوں سڑکوں نہروں وغیرہ کے حالات ... عہ

خیالات ممتاز:- جسمیں اہل ہنود کا مذہب اور اسکی حقیقت بودھ مذہب کے بانی کا حال مسیحی اور یہودیوں اور آتش پرستوں کے اصول اور انکی اشاعت تثلیث کا ذکر دہریوں کے خیالات توحید اور رسالت و فطرت کے مقابلہ کا بیان اور پاک اسلام اور اسکے بانی کا تذکرہ اور دنیا میں کس قدر مذہب شائع ہیں اسلام کس غرض کے موقع [illegible] اور کس کا خلاف ہے مذہب کیا چیز ہے اور دنیا کو اس سے کیا فائدہ [illegible] قیمت ۸ر

تاریخ مذاہب:- اس کتاب میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور تیرہ بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی و اسوریہ مصر و چین اور دیگر اقوام و ممالک کے مذہب کی تاریخ درج ہے قیمت [illegible] مجلد - [illegible]

ملنے کا پتہ:- منیجر تمدن بک ایجنسی نیا گاؤں لکھنؤ

چناں میان من و یار راہ مسدود است
کہ رسم نامہ و پیغام بر طرف شد و رفت

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا میں کتنی مدت سے تحریر و ترقیم کی بنیاد پڑی اور پہلے پہل کیونکر اس کی تحریک ہوئی اگرچہ شروع میں غالباً اشارات اور کنایوں پر ہی کاربراری ہوتی تھی مگر رفتہ رفتہ بجائے اُن اشاروں کے یہ ابجدی یا حروفی اور تفرقاتی اشارے رکھ لیے گئے۔

شروع شروع ان ابجدی اشاروں کی اشاعت اور عمل سے اکثر انسان تعجب کرتے ہوں گے کیونکہ انسان کی یہ عادت میں داخل ہے کہ وہ شروع شروع میں ہر ایک نئی شئے کے دیکھنے سے تعجب کرنے لگتا ہے اگرچہ وہ خود اُس کی خود ساختہ ہی ہوتی ہے۔ تحریر اور ترسیم کی بدولت انسانی کاروبار میں اگر ایک طرف سہولتیں پیدا ہوگئیں

تو دوسری طرف کچھ دقتیں بھی پیدا ہوئیں۔ دنیا کی ہر چیز دونوں پہلو رکھتی ہے کبھی فطرتاً کوئی شے مفید ہوتی ہے اور استعمالاً مضر اور کبھی استعمالاً مفید اور طبعاً مضر دنیا کی رونق کا یہی ذریعہ ہے اور اسی پر یہ سلسلہ چل رہا ہے تحریر دیکھو کیسی مفید ہے مگر اس کی بدولت بھی دنیا بھر میں جو جو جھگڑے اور تنازعات اس وقت برپا ہیں اُن کا کون شمار کر سکتا ہے اگر تحریر نہ ہوتی تو دنیا کے بہت سے تنازعات ہی نہ ہوتے جب تک اشارات اور زبان پر کاروبار چلتے تھے تب تک تو سہولت اور امن رہا اور جب نوبت بہ تحریر آئی تو وہ بات باقی نہ رہی۔

دلے در سینۂ من بود لیکن ؎
نمے دانم چہ شد خوں گشت سریافت

لوگ تہذیب تہذیب کی دُہائی دیتے ہیں جب سلسلۂ تحریر نکلا ہوگا تو اُس وقت بھی چاروں طرف اسی کا شور و غلغلہ ہوگا کون جانتا تھا کہ اس کی بدولت فائدہ کے علاوہ خرابی ہوگی اور حروف و نقاط کے گھیروں میں بھی اس قدر پیچیدگیاں ہوں گی زبان بے اعتبار ہو جاوے گی قول صداقت سے دور جا پڑیں گے قلم اور کاغذ یا چند حروف و الفاظ یا فقرات پر اعتبار کیا جائے گا۔ زبانی باتیں آئی گئی ہوا کی ہستی رکھیں گی۔

دوسری طرف

تحریر کی بدولت بیسیوں علوم و فنون کی بنیاد بھی رکھی گئی اگر تحریر نہ ہوتی تو حافظہ کس قدر کام دے سکتا یہ تحریر ہی کا صدقہ ہے کہ آج صدیوں کی باتیں جوں کی توں ثابت اور زندہ ہیں تاریخ تحریر ہی کی بدولت رونق بازار واقعات ہے اور تذکرات ترقیم ہی کی وجہ سے موجب ثبات عالم و عالمیاں ہیں مذاہب باوجود تحریر میں آنے کے بھی اسقدر اختلاف رکھتے ہیں فلسفۂ ترقیمی کا پہلو بھی کسی کل نہیں بیٹھتا

اگر یہ سب سلسلہ زبانی ہی ہوتا تو کچھ اور ہی سماں ہوتا لیکن ذرا دوسرا رخ بھی دیکھو اگر تحریر کا ایک رخ اس قدر مفید ہے تو دوسری طرف مضر بھی ثابت ہو رہا ہے یہ تاریخ ہی ہے جس کی بدولت اس تہذیب کے زمانہ میں بھی قوموں میں چھری کٹاری ہو رہی ہیں یادر فتگاں کے جوش اور دولے میں دلی بدلے دی ہو رہی ہے اگر آج یہ تاریخی فسانے مٹ جائیں تو دنیا کا رنگ ہی کچھ اور ہو جائے یہ تاریخ اور تحریر ہی کا صدقہ یا اثر ہے کہ آج لوگ آپس میں باوجود زندہ انسان ہونے کے مردوں پر لڑ رہے ہیں ذرا وحشی لوگوں میں جا کر دیکھیو جہاں زبان ہی زبان ہے تحریر کا نام نہیں حروف و الفاظ کا نشان نہیں جو بات منھ اور زبان سے کی وہی پتھر کی لکیر ہو گئی نہ سیاہی نہ دوات نہ کاغذ وہی الفاظ اور وہی فقرات جو منھ اور زبان سے نکل کر ہوا میں اڑ گئے اخیر تک ثابت اور قائم رہتے ہیں نہ کہ تحریر کی طرح کہ باوجود ایک قسم کی پابندی کے بھی موجب کلفت ثابت ہوتے ہیں تو تو تاویلیں کی جاتی ہیں الفاظ اوّل تو لکھتے ہی سوچ سمجھ کر ہیں بعد میں مفہوم قرار دیتے ہیں تو تو تاویلیں اور تعبیریں ہوتی ہیں ابتدائی عدالتوں میں بحث ہو کر ان کا کوئی نہ کوئی مفہوم قرار دیا جاتا ہے اور عدالتہائے اپیل میں وہی لفظ کچھ اور معانی پیدا کر لیتے ہیں قطع نظران کہانیوں کے دیکھنا چاہیے کہ تحریر کیا ہے۔

ایک یادداشت غم و غصہ خوشی و فرحت کی۔
ایک پیشین گوئی مختلف حالات کی۔
ایک خوش خوئی یا ایک بدخوئی۔
ایک تفریح یا ایک تنغص
ایک کامرانی یا ایک ناکامی۔

آؤ ہم ذرا اڈاکیہ کے تھیلے کا تماشا دکھائیں صبح ہی صبح ہرڈاکیہ گلی بہ گلی

کوچہ بکوچہ منزل بہ منزل کوٹھی بہ کوٹھی کمرہ بہ کمرہ اور بازار بہ بازار بیگ میں لوگوں کی قسمتیں بند کر کے لیے پھرتا ہے گو خود اُسے اُن قسمتوں کی کیفیت کا علم نہیں ہوتا مگر ہزاروں کی قسمتیں اُس کی بغل میں ہوتی ہیں ہزاروں خوش خبریاں دیتا ہے اور ہزاروں ہی غم و اندوہ بھی روز تقسیم کرتا ہے ایک چھوٹے سے بیگ میں اسقدر درو مختلف قسمتوں کا بند ہوتا ہے کہ سوچنے والوں کے واسطے ایک عجیب قسم کا تماشا رکھتا ہے۔کون جانتا ہے کہ ڈاکیہ کس کس کی قسمتیں اُٹھائے پھرتا ہے اور بیگ میں کس کس کا نصیبہ بند ہے اور اُس کے نکلنے سے گلی کوچوں میں کیا کچھ ہجوم مسرت اور ہجوم غموم ہوگا۔

آں شوخ ز دلہا چہ خبر داشتہ باشد
طفل است ز دنیا چہ خبر داشتہ باشد

اے بیگ یہ تیرا ہی حوصلہ اور تیرا ہی ہاضمہ ہے کہ اسقدر لوگوں کی قسمتیں اور فرحت و غم اُٹھائے پھرتا ہے۔ڈاکیہ کی بغل پھٹ کیوں نہیں جاتی ڈاکیہ کے دل پر کیوں کوئی اثر نہیں ہوتا ڈاکیہ کس حوصلہ سے یہ بار اختیار اُٹھائے پھرتا ہے۔وہ دیکھو ڈاکیہ بیگ کھول کر ایک گھر والے کو خط دے رہا ہے ابھی وہ چند قدم بھی نہ گیا ہوگا کہ گھر میں ایک کہرام مچ گیا لوگ رفتہ رفتہ جمع ہوتے جاتے ہیں کوٹھوں پر عورتیں آرہی ہیں۔کوئی ڈاکیہ سے پوچھے جاتے جاتے یہ کیا آگ لگا چلے ہو پُرزہ کاغذ کیا دیا ایک آفت برپا کر دی ڈاکیہ چونکہ روز ایسے ہی تماشے دیکھتا ہے اس واسطے مڑ کر دیکھتا بھی نہیں نہ پوچھتا تو جدا رہا کہ خط میں کیا بار و دبھری تھی جو یہ کہرام مچ گیا پڑھتے یا پڑھاتے ہی بارود اُڑ گئی۔

چار قدم پر ہی جا کر کسی دوسرے کو ایک اور خط نکال کر تھیلے سے دیتا ہے پڑھنے والے کی پڑھتے ہی باچھیں کھل جاتی ہیں چہرہ لال ہو جاتا ہے اور آنکھیں روشن

زور سے آواز دیتا ہے لو خدا کے فضل سے لڑکا باتعریف پاس ہو گیا مراد بر آئی یہ سن کر ڈاکیہ بھی انعام کی خاطر لوٹ آتا ہے اور مبارکباد دیتا ہے ۲ر ۳ر لے کر چلتا ہوتا ہے۔ ڈاکیہ بھی خوشی کا سماں دیکھ کر مڑا آیا سچ ہے غم کا کوئی شریک نہیں۔

نالہ ام آں سنگ دل ہرگز نخواہد کرد گوش
دردا کہ صدرہ می دہد تفسیر آواز مرا

سامنے ایک بڑے پیٹ پاجڑی توندوالا کوئی مارواڑی دوکاندار کھڑا ہے چہرہ کہہ رہا ہے کہ کسی تار یا کسی خط کے انتظار میں ہے ڈاکیہ دیکھتے ہی لالہ جی کو خط نکال کر دیتا ہے لالہ جی شوق سے خط (وا چھتے) پڑھتے ہیں۔ ہاتھ سے خط گر پڑتا ہے اور لالہ جی کی توند نرم پڑ جاتی ہے شاگرد پوچھتا ہے کیوں خیر تو ہے ۔ ایک آہ بھر کر لالہ جی فرماتے ہیں ہینگ کا نرخ ارزاں ہو گیا ہزاروں پر پانی پڑ گیا سال بھر کی کمائی تباہ ہو گئی ڈاکیہ یہ الفاظ سنتے ہی رفوچکر ہوتا ہے وہ روز ایسے تماشے اور سانحات دیکھتا ہے کس کس کے دروازے پر آوے اور کس کس سے ہمدردی کرے ایک ہو تو کچھ کرے بھی یہاں تو تھیلہ ہی ایسی خبروں سے بھرا ہے

ہر سو کہ رو نہادیم زحمت او فتادیم
دنیا برائے ماشد دار المحن سراپا

سامنے ایک کوٹھی دار کھڑے ہیں ڈاکیہ کارڈ پکڑا کر آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے کوٹھی دار بلا کر کارڈ پڑھواتا ہے ڈاکیہ سناتا ہے مہاراج چیف کورٹ سے مقدمہ جیتا گیا پوری ڈگری ہو گئی کوٹھی دار خوشی سے ایک اٹھنی ڈاکیہ کے ہاتھ پہ رکھ کر خود اچھلتا کودتا دکان کے اندر جا کر تھوڑے پیسے نکال کر نوکروں چاکروں کی مٹھی گرم کرتا ہے۔

اگلی گلی میں ایک بڑھیا کھڑی ہے پیارے بچے کے خط کا انتظار دیکھ رہی ہے ڈاکیہ غور سے تھیلہ دیکھ کر کہتا ہے آج کوئی تمھارا خط نہیں آیا ہے غریب بڑھیا اپنا سا مُنہہ لے کر واپس جاتی ہے۔

اب حلقہ نمبر (۲) آجاتا ہے یہاں صاحب لوگوں کی کوٹھیاں ہیں ولایتی ڈاک کا انتظار ہو رہا ہے ڈاکیہ ایک خط ایڈ نبرا سے چلا ہوا میم صاحبہ کو دیتا ہے ولایت کا خط دیکھکر میم صاحبہ مارے خوشی کے پھولی نہیں سماتیں وطن مالوفہ کی خوشی بشرہ سے ٹپک رہی ہے دوڑ کر اندر کمرہ کے چلی جاتی ہیں اور غور سے پڑھنے لگتی ہیں وطن کی لگن بھی عجب شے ہے۔

دوسری کوٹھی میں ایک صاحب بہادر کو جو خوشی خوشی اپنے پائیں باغ میں مع اپنی میم صاحبہ کے سیر گشت لگا رہے ہیں ایک سرکاری لفافہ دیدیتا ہے صاحب بہادر غور سے پڑھتے ہیں کھولتے ہی بشرہ ذرا بدلا اور رنگ میں کچھ تبدیلی سی ہوئی میم صاحبہ نے پوچھا کیا بات ہے مُنہہ سے بولے ہمارا بدلی ہوگیا نہ باغ یاد رہا اور نہ سینری۔

پیٹھ پرائی نوکری جی پرائے دس - (پنجابی)

(پرائی نوکری پر افسوس دل دوسرے کے ہاتھ ہی میں رہتا ہے) صاحب بہادر ڈاکیہ کو ذرا گھور کر دیکھتے ہیں بھلا اس میں غریب ڈاکیہ کا کیا قصور اُسے کیا خبر کہ اس لفافہ میں کیا بند ہے اور کیا مضمون رکھتا ہے۔ راستہ میں ایک غریب پھٹے پُرانے کپڑے پہنے دم یار [illegible] کا پرستار آہستہ آہستہ آرہا ہے ڈاکیہ کو دیکھکر بلند آواز سے میرا بھی کوئی خط ہے کہتا ہے۔ اُسکے ساتھ ایک دوسرا آدمی بھی بول اُٹھا اگر میرا ہو تو مجھے بھی دے دو۔

ڈاکیہ آہستگی سے ایک کا خط نکال کر دیتا ہے اور دوسرے کو جواب دیتا ہے

وہ آدمی خط کھول کر پڑھتا ہے اُس میں لکھا ہے کہ

نمبر دس ہزار دو سو چودہ میں تمھارے نام پر ایک لاکھ روپے کی لاٹری نکلی ہے۔

مکتوب الیہ شادی مرگ ہو جاتا ہے دوسرا آدمی بھی لاٹری ڈال چکا تھا اپنے نام پر کوئی اطلاع نہ پاکر یہ کہتے ہوئے جلدی جلدی سینۂ بریاں پر ٹھنڈا ہاتھ رکھ کر رخصت ہوتا ہے قسمت کے کھیل ہیں آخر جُوا جُوا ہے۔ اچھے بچے گناہ تو نہ ہوا۔ مال حرام کبھی رہ نہیں سکتا

دیکھو ایک ہی وقت ایک ہی تھیلے میں سے دو قسمتیں کس رنگ اور روپ کی نکلی ہیں اور دونوں کا حشر کیسا مختلف ہوا ہے۔ کامیاب یہ گاتا ہوا رخصت ہوتا ہے

ترا کہ گفت کہ مائل بہ سیر بستاں باش
بہوش یک دو سہ جامے وخود گلستاں باش

اور دوسرا بہ لب سوزاں یہ کہتا ہوا سر پہ کپڑا رکھ گزر جاتا ہے۔

منزل بہ کوے سوختہ جاناں خریدہ ام
مارا بجاے مُہر بود بر قبا لہ داغ

عالم و عالمیان کی دو رنگی کا یہ حال ہے اور یہ ہے کیفیت طالع روشن اور طالع واژگوں کی۔

آگے کی دُکاں پر ڈاکیہ ایک نیلا لفافہ دیتا ہے جو کسی قدر روزنی ہے مکتوب الیہ لپک کر لے لیتا ہے کسی مطلوب کی چٹھی ہے پڑھتا ہے اور ہنستا ہے اور ساتھ ہی ٹہلتا بھی جاتا ہے غریب کا سارا دن اسی میں گزر گیا۔

چرا باید تغافل کرد خوش چشماں بہ مشتاقے
کہ با صد آرزو چشم نگاہے از شما دارد

تھوڑی دیر کے بعد ایک گھبرایا ہوا شخص آتا اور پوچھتا ہے کیوں جی کوئی میرا خط اور تار بھی ہے ڈاکیہ ایک تار نکال کر دیتا ہے مکتوب الیہ پڑھتے ہی خوش خوش دوڑ جاتا ہے کیونکہ اُس میں یہ خبر تھی کہ اس کا بھائی جو ولایت کے سفر میں تھا پرسوں بمبئی بندر پر اُترے گا۔

ڈاکیہ مٹھائی مانگتا ہے وہ حضرت ہیں کہ جواب ہی نہیں دیتے ہاتھ سے کچھ اشارہ کرتے جاتے ہیں شاید جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر سہی۔

ہست تا صانت مشام طلب ماو رنہ

بوے یار از درود یوار شنیدن دارد

اب بیگ خالی ہوتا جاتا ہے چٹھیاں جتنی تھیں سب بٹ چکیں دو تین ایسی چٹھیاں بھی نکلیں جن کا کوئی مکتوب الیہ نہیں ملتا ڈاکیہ پوچھ گچھ کے بعد نشان کرکے تھیلے میں رکھ لیتا ہے اور کچھ سبزی خرید کر فراغت پاکر گھر کی راہ لیتا ہے اسقدر تماشے خوشی و غم کے دیکھ کر اپنے گھر میں دم بھر آرام لیتا ہے۔ جتنے غم اور مسرتیں تھیں سب کو اپنے گھر کے دروازہ کے باہر چھوڑ آیا گھر میں داخل ہوکر سب قضیے تقسیم کے پاک تھے تھیلہ بھی خالی پڑا تھا۔ اور اپنا حافظہ بھی کوئی کیفیت یاد نہ رکھ سکا تھیلہ بزبان حال کہہ رہا تھا ایک بار ہی تو پوری کرآیا ہوں اب دوسرے وقت کی ڈاک خدا جانے ہم میں کیا کچھ بھر جاوے۔ اور خدا جانے وہ کس قماش کی ہو اور اُس میں کیا کچھ بھرا ہو۔

رستم رسد لم تدا ننی گر یہ سنت آید مرا

یک دل و صد زخم کاری گر یہ می آید مرا

ڈاکیہ دن بھر کا تھکا ماندہ تھوڑی دیر کے واسطے سو جاتا ہے خراٹے مارنے لگتا ہے خود بدولت سوتے ہیں اسے یہ خبر نہیں کہ دم کے دم میں کتنے گھروں میں

آگ لگا آئے ہیں اور کتنے گھروں کی آگ بجھا بھی آئے ہیں۔

گاہے بہ فرق گہہ بہ قدم کردہ ایم سعی

راہ بہر طریق بہ بیہودہ ایم ما

ڈاکیہ غریب کا کیا گناہ وہ جانتا ہی نہیں کہ خط میں کیا کچھ نہاں ہو کر آیا ہے اور اُن کی کیا کچھ کیفیت ہے وہ عالم الغیب تو نہیں کہ لفافوں کے اندر کی تحریر بھی سمجھ لے اور اگر لفافہ کھولتا ہے تو جرم میں پھنستا ہے پیغام کی خوبی اور مضرت پیغام رساں کے ذمہ نہیں رہتی ہے پیغام رساں کا کیا ذمہ اور کیا کفالت ہے اگر ڈاکیہ کا کوئی ذمہ ہے تو یہ کہ وقت پر چٹھی پہنچا دیا کرے تو لوگوں کا اپنا کام ہے کہ اچھی چٹھیاں لے لیا کریں اور بُری نہ لیں مگر اُن سے بھی یہ کیونکر ہو سکتا ہے لفافہ کیا ہے ایک قسمت سربستہ۔

اسی طرح قدرتی ڈاک رساں بھی لوگوں کی قسمتیں تقسیم کرتے رہتے ہیں اُن کے لفافوں میں بھی بُری بھلی قسمتیں نہاں ہوتی ہیں وہ بھی بعض گھروں میں آگ لگاتے ہیں اور بعض میں پانی چھڑکتے ہیں لوگ تقدیر اور قسمت سے انکار کرتے ہیں یہ ڈاکخانہ کا ڈاکیہ راز قسمت ہی کا تو سودا کرتا پھرتا ہے یہ بھی تو ایک تقدیر ہی ہے اور ایک نصیبہ قسمت اور کیا ہوتی ہے اس کا رنگ و روپ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

جب ہم یہاں کی چٹھیوں کے اثرات کو روک نہیں سکتے تو کس طرح قدرتی چٹھیوں کے تاثرات سے بچ سکتے ہیں جس طرح ڈاکیہ ایک بُری بھلی چٹھی ہاتھ میں دے کر رخصت ہو جاتا ہے اسی طرح قدرت کے ڈاکیے بھی تقسیم کر کے رخصت ہو جاتے ہیں اُن کا اسی قدر کام ہے فرق صرف اسقدر ہے کہ یہ ڈاکیے نظر آ جاتے ہیں اور اُن کی تشخیص نہیں کی جا سکتی اگرچہ وہ بھی ایک طرح سے نظر آ جاتے ہیں مگر اُن کا نام ذرا مشکل سے لیا جاتا ہے۔

ایک ڈاک خانہ خود انسان کی طبیعت میں ہی کھلا ہوا ہے ہر روز کیا ہر لمحہ اس میں ڈاک آتی اور جاتی ہے خیالات کا تموج اور تصورات کا سلسلہ ایک ڈاک رسانی ہے ہم ہر گھڑی چٹھیاں پڑھتے بھی ہیں اور چٹھیاں اس ڈاک خانہ میں ڈالتے بھی ہیں فری چٹھیاں ہی نہیں آتی جاتیں سلسلۂ تار بھی کھلا ہے ہزاروں کوس تک ایک ہی سکنڈ میں خبر رسانی ہوتی رہتی ہے اور بیچ میں کوئی روک نہیں نہ کسی مصالحہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی سامان وغیرہ کی اس میں وائرلیس سے بھی زیادہ تیزی سے اطلاعات پہنچتی ہے

خوشی کی خبریں بھی آتی ہیں اور غم کی بھی مسرت افزا بھی اور مسرت کش بھی ان میں سے بعض خبریں یقینی ہوتی ہیں اور بعض غلط سلط بھی اس ڈاک خانہ کی خبریں دل و دماغ پر ایک خصوصیت سے اثر کرتی ہیں اور اُن کی فرداً فرداً تقسیم بھی ہوتی ہے ڈاکیۂ خیال ایسا تیز رفتار ہوتا ہے کہ بغیر کسی تردد اور تامل کے صبح سے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک کام میں مصروف رہتا ہے۔ ڈاکیۂ ڈاک تو آرام بھی کر لیتا ہے لیکن ڈاکیۂ خیال بیداری اور خواب دونوں میں تقسیم میں لگا رہتا ہے۔

تعجب ہے کہ لوگ معمولی ڈاکیہ کے تو انتظار میں رہتے ہیں اور اس کی تقسیم کی ہوئی چٹھیاں تو تامل اور محبت سے پڑھتے ہیں اور خیال کا ڈاکیہ جو کچھ منٹ بہ منٹ شب و روز تقسیم کر رہا ہے بعض دفعہ اُس طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے حالانکہ یہ ڈاک بھی ایک لازمی ڈاک ہے اور اسی ڈاک پر زندگی کا دارو مدار اور یہی ڈاک دوسری ڈاک کی موجد اور مفسر ہے۔

جو لوگ اس ڈاک کی چٹھیاں پڑھتے ہیں وہ اُن ممالک کی رفتہ رفتہ خبریں پانے لگتے ہیں جو ممالک اس دنیا کے ممالک سے نیلے، اجلے اور دوسرے رنگ کے ہیں یہاں کی ڈاک یہیں ختم ہو جاتی ہے اور وجدانی ڈاک وجدانی رنگ میں دوسری زندگی میں بھی برابر جاری رہے گی اُس کا سلسلہ یہاں سے شروع ہو کر دور تک جاتا ہے۔

ہر منظر قدرت بجائے خود ایک ڈاکیہ ہے ہر منظر ہر گھڑی ایک ایک چٹھی دیتا ہے جس کا مضمون بہت ہی پُر لطف اور جدید ہوتا ہے۔ ان چٹھیوں کو پڑھنا خود کو ان مناظر قدرت سے آشنا بناتا ہے اور اُن سے آشنا ہونا خود کو رموز قدرت سے واقف کرتا ہے اور رموز قدرت سے واقفیت پیدا کرنا علوم و فنون کی نیاو رکھنا ہے اور علوم و فنون کاروباری زندگی اور نیز معادی زندگی کا سہارا اور جزو اعظم ہیں۔

اگرچہ اس مادی ڈاک میں بھی مختلف قسم کی چٹھیاں آتی ہیں اور اُس کا سلسلہ بھی ایک حیرت افزا وسعت رکھتا ہے مگر قدرتی ڈاک کا سلسلہ جو وسعت اور جو تحیر رکھتا ہے وہ کچھ اور ہی سماں ہے اور وہی سماں دراصل ایک سماں ہے۔

ما طول و عرض قصۂ خود را نہ دادہ ایم
ایں یک دو سطر خدمت جاناں کنیم عرض

سلطان احمد

غزل

مائل جور اگر وہ بت بے پیر نہیں　　میں یہ سمجھوں گا مرے عشق میں تاثیر نہیں
شیوۂ صبح نہیں نالۂ شبگیر نہیں　　کیا غضب ہے کہ ترا عشق گلوگیر نہیں
بن گیا شہر خموشاں ہے یہ زندان جنوں　　یعنی پر شور ترے حسن کی تاثیر نہیں
سر وہ کیا سر ہے کہ جس میں نہ ہو تیرا سودا　　دل وہ کیا دل جو ترے عشق کا نخچیر نہیں
چھیڑتی ہے مری وحشت یہ مجھے کہہ کہہ کر　　خانۂ عیش ہے یہ خانۂ زنجیر نہیں
دعوت درد مجھے دیتی ہے اے اہل جنوں　　نغمۂ لطف تو یہ صدائے لب زنجیر نہیں
کہتے ہیں شامل تقدیر ہے تدبیر مگر　　یعنی تقدیر تو شرمندۂ تدبیر نہیں
کیسے سلجھائے مرے عقدۂ تقدیر کو وہ　　آپ سلجھا ہوا مرا ناخن تدبیر نہیں

قاصر تقریر ہے تا مدح تجھ پہ قلم
میں سراپا ہوں زباں بلبل تصویر نہیں

حکیم مظفر حسین آمروہوی

علّت و معلول

یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے کہ موجوداتِ عالم کی کسی شئے پر نیستی کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں کیونکہ ہر مادّی شے کے اجزا ایک دوسرے میں منتقل ہوکر قائم رہتے ہیں۔

مگر یہ امر مسلّمہ ہے کہ ہر ایک ہستی ایک وقت معینہ تک اپنی اصلی ہیئت میں برقرار رہتی ہے اور بعد ازاں زمانہ اسکو فنا کر دیتا ہے۔ دنیا عالمِ اسباب ہے اور اس کی ہر شے قانون فطرت کے تابع ہے کوئی تبدیل یا تغیر بلا سبب وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ یا بالفاظ دیگر اس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے۔ موجودات عالم کی طرح افعال انسانی پر بھی یہی قانون حاوی ہے۔ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو علت و معلول کا مسئلہ ہی فلسفۂ اخلاق کی بنا ہے۔ انسان کی ادنیٰ لغزشیں اسکو قعر مذلت میں گرا دیتی ہیں اور بعض اوقات اُسکی ہلاکت کا موجب بن جاتی ہیں۔ علت و معلول کی زنجیر کی کڑیاں کچھ ایسی بے ربط و غیر مسلسل ہوتی ہیں کہ ان کو دیکھ کر عقل انسانی متحیر ہو جاتی ہے۔ نہ آغاز سے انجام کا پتہ چلتا ہے نہ انجام آغاز کا سُراغ لگا سکتا ہے یہ عجز ادراکِ انسانی کی کمزوری کی دلیل ہے۔

علم التواریخ اور اس قسم کے دوسرے علوم صرف اسی لیے وضع کیے گئے ہیں کہ عقل انسانی کو علت و معلول کی محیر العقول داستانیں از بر ہو جائیں اور وہ ان سے سبق حاصل کر کے اس اہم مسئلہ کا کلیہ قائم کر سکے۔ تاریخی واقعات اعادہ کرتے رہتے ہیں یعنی جن اسباب نے مل کر کبھی کوئی خاص نتیجہ مرتب کیا ہے اگر وہی اسباب پھر پیدا ہو جائیں تو یقینی وہی نتیجہ پیدا کریں گے۔ غرضیکہ علت و معلول کی زلف برہم سلجھانے کے لیے انسان کو مختلف علوم کے شانے استعمال کرنے پڑے مگر نہ اس کی گرہ کھل سکی اور نہ اس کی

طولانی پر عبور ہو سکا۔

(۱) ہوا کا جھونکا چلتا ہے۔ بخارات کے منتشر اجزا مخلوط ہو ہو کر ابر کی صورت میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ آتشگیر مادے برق تاباں بن کر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ بخارات کے اجزا کا اتصال ابر کی سفیدی کو سیاہی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جب ان کی جسامت ہوا کے اجزا کی قد و قامت اور قوت تحمل سے بڑھ جاتی ہے تو یہ طفل شیر خوار کی طرح گہوارۂ سماوی سے نکل کر مادر گیتی کے آغوش میں پناہ گزین ہونے لگتے ہیں زمین انکے استقبال کے لیے فرش راہ ہو جاتی ہے۔ شاخیں ان کے خیر مقدم میں آغوش کشا نظر آتی ہیں۔ آب باراں نازنینان چمن کو جامۂ عروسی پہناتا ہے اور عالم نباتات کی روح رواں بن کر ذی روح ہستیوں کا کفیل ہوتا ہے۔ صدف تشنہ لب کی سیری بحر ذخار سے نہیں ہوتی مگر اس پانی کی ایک بوند سے ہو جاتی ہے جو اس کے دہن میں جا کر ایک ناچیز قطرے سے دُر نایاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر پانی کی بوند صدف کی ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ صدف کا سینہ چاک ہو جاتا ہے اور خود غرض غواص کے ہاتھ گوہر مقصود آتا ہے۔ یہ گوہر رفتہ رفتہ جوہریوں کے ہاتھ فروخت ہو کر ایوان شاہی تک باریاب ہوتا ہے۔ اور تاج خسروی میں آویزاں ہو کر اس کی زینت اور منزلت کو دوبالا کر دیتا ہے۔ ان تمام معلولوں کی علت صرف ایک ہوا کا جھونکا ہے۔

(۲) تخم کو لیجیے۔ باغبان اس کو قطعۂ زمین میں بوتا ہے۔ آفتاب کی حدت زمین کی تری اور باغبان کے تحفظ و آبیاری سے اس میں نشو و نما شروع ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ پودا اور پھر پودے سے درخت بن جاتا ہے موسم بہار میں کلیاں آتی ہیں پھول کھلتے ہیں جن کی نکہت جانفزا سے نکس کا دماغ معطر ہو جاتا ہے وہ اس پھول کی جستجو میں دور دراز کی مسافت طے کرتی ہے۔ اپنے لبوں سے اسکے بوسے

لیتی ہے اور اس کی شیرینی کو بحفاظت اپنے خزانے میں جمع کرتی جاتی ہے۔ خود غرض انسان آتا ہے اور مگس کو فنا کرکے اُسکے خزانے پر قابض ہو جاتا ہے۔ شیرینیٔ گل یعنی شہد کو عطاروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے جس کے استعمال سے ہزارہا مریض شفا پاتے ہیں۔ پھر مگس کے خزانے کے در و دیوار کو منہدم کرکے موم کی صورت میں بیچ کر ڈالتا ہے۔ یہ موم شمع بن کر رونقِ محفل کا باعث اور ہلاکتِ پروانہ کا سبب بن جاتا ہے ان سب معلولوں کی علت صرف تخم ہی کو قرار دے سکتے ہیں۔

(۳) دُخانی کلوں کی ایجاد کا موجب دیگچی کے سرپوش کی جنبش تھی جو اُبلتے ہوئے پانی کے بخارات سے پیدا ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ انسان نے اس شعبہ میں بقدر ترقی کی کہ طیارے تک ایجاد کرنے لگا پس اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دیگچی کے سرپوش کی حرکت نے انسان کو بامِ فلک تک پہنچا دیا۔

(۴) دہقان ہل چلا رہا تھا یکایک بیل کی ٹھوکر لگی۔ غور سے دیکھا تو مٹی کا ایک تودۂ درخشاں دکھائی دیا اس نااہل نے اس کی قدر نہ کی مگر اہلِ نظر کے ہاتھوں میں پہنچکر وہ کوہ نور کے نام سے موسوم ہوا۔ اس پتھر کے ٹکڑے نے سلطنتوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کی وجہ سے بیشمار خونریزیاں عمل میں آئیں، اسکی طلب نادرشاہ کو فارس سے کھینچ کر ہندوستان میں لائی۔ یہ کوہ نور سلطنت فارس کے خزانے کی رونق رہا۔ اور آج برطانیہ عظمیٰ کے بیش بہا تاج کی زینت بنا ہوا ہے۔ ان معلولوں کی علت صرف بیل کی ٹھوکر ہی ہو سکتی ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتش کی جستجو کوہ سینا تک کشاں کشاں لے گئی تھی مگر وہ وہاں سے پیغمبرِ خدا ہو کر لوٹے۔

یہ اور اس قسم کے واقعات روزانہ ہمارے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔ علت کی نوعیت اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور بظاہر نہایت معمولی معلوم ہوتی ہے

مگر اس کا معلول عبرت و بصیرت کی ایک بولتی تصویر بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ قتل و خودکشی کی علتیں ایسی معمولی نظر آتی ہیں کہ ایک خالی الذہن شخص یکبارگی ان کو باور نہیں کر سکتا۔ موجودہ جنگ یورپ ہی پر نظر ڈالیے اسکی علت محض ایک انسان کا قتل ہے۔ اور یہ ایک ایسا معمولی واقعہ ہے کہ تقریباً ہر گوشہ عالم میں اسکی مثالیں ملتی رہی ہیں۔ اگرچہ معلول کی زنجیر ہنوز نا تمام ہے تاہم اب تک جس قدر اس کی کڑیاں فراہم ہوئی ہیں ان کی بنا پر بوثوق کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت تک متعدد سلطنتیں نیست ہو چکی ہیں۔ اور اس جنگ عالمگیر کی وجہ سے اب تک جو کچھ دنیا کو جانی اور مالی نقصان پہنچا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

دنیا کی ہر سلطنت کے خزانے کا بیشتر حصہ علت و معلول کے مسائل سے طے کرنے میں خرچ ہوتا ہے۔ کسی محکمہ پر غور کیجیے! لا آخر اس کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہوگی۔ چوکیدار سے دار الامرا کے عہدہ دار تک رات دن اسی مسئلہ کی تجوین غلطان و پیچاں نظر آتے ہیں۔

محمود اسرائیلی

غزل

زخم حسرت پہ تبسم نمک افشاں ہو جائے
دل افسردہ مرا رشک گلستاں ہو جائے

میری جمعیت خاطر کا تو ساماں ہو جائے
زلف گر آپ کی ہوتی ہے پریشاں ہو جائے

مژدۂ یار کہ ہے راحت جاں تیروں کو
ہے وہ میرے جگر کے لیے پیکاں ہو جائے!

یاد میں تیری ہوا آغوش کشادہ دست طلب
اور مری چشم تصور سے وہ پنہاں ہو جائے!

شکوۂ جور بھی کرتے ہوئے ڈرتا ہوں میں
کہیں ایسا نہ ہو وہ حسن کے پشیماں ہو جائے

خانۂ دل سے نکل کر کبھی اس کی تصویر
دیدۂ شوق میں بھی آ کے نمایاں ہو جائے

خلق میں نظر آ جائے گلستاں کی بہار
خون عشاق سے رنگیں تر داماں ہو جائے

گر یہی مشق سخن ہے تو کسی دن محمود
کیا تعجب ہے کہ تو صاحب دیواں ہو جائے

محمود اسرائیلی

لکھنے کی ابتدا

لکھنا اظہار مافی الضمیر کا ایک ایسا زبردست وسیلہ ہے جس کے واسطے سے انسان نے جہالت کی قید سے رہائی پاکر تمدن کے وسیع اور پر تکلف میدان میں قدم رکھا ہے اور علم و عمل کے خوشنما، دلفریب اور ہرے بھرے باغوں کی سیر کرنا نصیب ہوئی ہے۔ ہزاروں برس پہلے کی قوموں کے حالات اُن کے وجود کے متعلق معلومات اُن کی تعجب خیز طرز معاشرت و معیشت، اُن کے ایجادات و اختراعات کی کیفیات جو صفحۂ دنیا پر آباد رہ کر بے نام و نشان اور معدوم ہو چکی ہیں، ہمیں لکھنے کی بدولت حاصل ہوئی ہیں۔

لکھنا نہ ہوتا تو انسان کا علم بہت کم، بالکل ہی ناکافی، اور محدود ہوتا۔ اور تہذیب و شائستگی اخلاق و عادات میں ذرا سی بھی خوبی اور ترقی نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ موجودہ وقت سے پیشتر کے واقعات اور حالات کیا ہیں، اور کیا کیا سانحات اور حادثات گزر چکے ہیں نہ وہ اُن خوبیوں، نیکیوں اور اوصاف کا مالک ہو سکتا تھا، جو اُس کے جد و آبا میں موجود تھیں اور نہ وہ اُن افعال، اعمال، حرکات سکنات سے محترز رہ سکتا تھا جن کو اُس کے بزرگوں نے بُرا سمجھ کر ترک کر دیا تھا۔

لکھنا نہ ہوتا تو ایک شخص کی تجربہ کی ہوئی بات سے معدودے چند لوگوں کے سوا اُس کے زمانہ کے آدمی، اور آنے والی نسلیں مستفید نہیں ہو سکتی تھیں ... اور مختصر یہ کہ دنیا میں روحانی اور مادی پہلو سے جو دلچسپ سماں آج ہمیں نظر آ رہا ہے وہ کبھی نہ دکھائی دیتا۔ ایک یورپی مصنف کتابوں کی تعریف و توصیف میں اس طرح رطب اللسان ہے "میرے مکان کے ایک کونے میں کتابیں رکھی ہیں، جو بہت نادر و نایاب، اور

عجیب وغریب ہیں۔ اور جو سب کی سب میری ہی ملکیت ہیں۔ ان کی غرابت اُس مشہور پیالے سے زیادہ ہے جس کا ذکر کتاب الف لیلیٰ میں کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ کتابیں نہ صرف مجھے سارے جہان کی سیر کرادیتی ہیں، بلکہ گزشتہ زمانوں اور قرن ہائے قدیم کے مناظر حکایات اور واقعات کا لطف بھی بہم پہنچاتی ہیں۔ میں کتابوں کے ذریعہ قدیم زمانہ کے بزرگوں جواں مردوں کو اپنی نظر سے مجسم دیکھ سکتا ہوں گویا اتنی مدت گزرنے کے بعد بھی وہ زندہ ہیں اور میرے سامنے کھڑے ہیں۔ میں کتابوں کو اپنے حظِ نفس اور تفریح طبع کے لیے کھول سکتا ہوں اور اس لیے بھی کہ انسان کے بہت زیادہ مشہور و معروف بہتر و برتر زبردست نیک اور عمدہ کاموں اور کارناموں کے کرنے، اور اُن کا اعادہ کرنے کی کوشش کروں کبھی شعرا میرے سامنے دیوانوں کو پڑھتے نظر آتے ہیں کبھی فصیح و بلیغ اصحاب اپنے خطابوں کی تجدید میں مصروف دکھلائی دیتے ہیں، نکتہ سنج اپنی سخن سنجی اور بذلہ گوئی سے روحانی فرحت بخشتے ہیں فلسفی اور حکما، علما، اپنے مفہومات کی توضیح و تشریح میں مجھے مصروف کرتے ہیں۔ عابد زاہد واعظ و ناصح ہدایت و نصیحت کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اور مختصر یہ کہ میں اپنی کتابوں کی مدد سے خط استوا سے قطب تک اور دنیا پیدا ہونے سے اس وقت تک جس جگہ اور جس زمانہ میں جانا چاہتا ہوں بآسانی جا سکتا ہوں" کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

بیٹھ کر سیر ملک کی کرنا　　　یہ تماشا کتاب میں دیکھا

اس خیال کا صحیح ہونا بہت ممکن ہے کہ پہلا قدم جو لکھنے کی طرف بڑھایا گیا وہی نقوش اور لکیریں تھیں جو غاروں میں رہنے والے کھینچتے تھے اور اپنے مفاہیم و مطالب کو اشاروں کے ذریعہ ادا کرتے تھے۔

امریکا کے ہندیوں نے اس معاملہ میں ایک جزوی ترقی کی تھی۔ وہ لوگ اُن عظیم الشان واقعات کو جو وقتاً فوقتاً واقع ہوتے رہتے بطور یادگار شکلوں اور تصویروں

ذریعہ لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔

وہ کتابت جسے "خط میخی" کہتے ہیں اور جو اسیریا (شام) اور بابل کے لوگوں میں رائج تھی اُسکی اصل ان ہی تصویروں اور شکلوں سے ماخوذ ہے۔ سورج کی تصویر کو اس طرح لکھتے تھے کہ چار لکیروں کو باطراف یکدیگر قائم کر کے اک شکل بنا لیتے تھے پھر اس شکل کو قائم و مستحکم رکھنے کے لیے اُن میخوں سے جو نرم مٹی کی بنائی جاتی تھیں اور جنھیں آوے میں پکایا جاتا تھا منقوش کرتے تھے اسی وجہ سے اس خط کو خط میخی کہتے ہیں۔

اینٹوں کے ٹکڑوں اور ٹھیکریوں کے ٹکڑوں کو بھی لکھنے کے واسطے استعمال کرتے تھے ہزاروں خشتی کتابیں جو قدیم زمانہ میں لکھی گئی تھیں اب دستیاب ہوئی ہیں تحریر و کتابت کے اس رواج کا ۳۰۰۰ء قبل مسیح سے پہلے تک کا پتہ لگتا ہے۔ اور ولادت مسیح کے بعد بھی بہت مدت تک اس کا رواج بدستور رہا ہے۔

بابل میں کیلستھینز[۵۱] کو ۱۹۰۳ کلدانی سال کے مشاہدات اجسام فلکی ہاتھ لگے تھے جو پختہ اینٹوں پر ثبت تھے۔ اسی طرح بطلیموس[۵۲] مصری ہیئت دان کو بھی بابلی جداول خشتی ہاتھ لگی تھی جس میں ۷۴۷ء قبل سے لے کر اس کے زمانہ تک کے واقعات کسوف خسوف کے نتائج مندرج تھے۔

ہیروگلیفک | یہ بھی کتابت تصویری کی ایک قسم تھی جس سے قدیم مصری کام لیتے تھے۔ ان میں سے بعض تصاویر انسان کے خیالات کو ظاہر کرتی تھیں۔ مثلاً ایک

---

[۵۱] یہ حکیم ارسطو کا بھتیجا اور شاگرد اور سکندر کا ہم سبق ۳۶۰ء قبل مسیح میں پیدا ہوا اور اپنی صاف گوئی کے باعث سکندر کے حکم سے ۳۲۸ء قبل مسیح میں قتل ہوا۔

[۵۲] بطلیموس ارسینو نامی ایک حسینہ جمیلہ خواص کے بطن سے شاہ فیلقوس کا بیٹا اور سکندر کا علاتی بھائی تھا بچپن میں ایک مرتبہ دونوں کو باپ نے جلاوطن کر دیا تھا اس وقت وہ برابر سکندر کے ہمراہ رہا کوئی ایسی جنگ یا اہم ایسی مہم نہ تھی جس میں اس نے سکندر کا ساتھ نہ دیا ہو وہ اول مصر کا گورنر اور بعد میں مطلق العنان فرمانروا بن گیا تھا۔

دائرہ مستطیل مرتفع کو ترسم آفتاب کے لیے کھینچتے تھے اور شوق و شغف کے اظہار کے لیے
ایک عورت کی تصویر بناتے تھے جو طنبور بجاتی ہوتی تھی یا ایک مرد کی صورت بناتے
تھے جو ناچنے میں مشغول ہوتا تھا۔ اسی طرح تجسیم عیاری کے واسطے گیدڑ کی شکل بناتے
تھے۔ اور انسان کی حرکت کو دو پاؤں کی تصویر کے ذریعہ مصوّر کرتے تھے۔

ہیروگلیفیک کی ایک اور بھی قسم تھی جس سے اشیاء کے بجائے آوازیں ظاہر
ہوتی تھیں اور جو اشکال حرفوں کے اظہار کے لیے بناتے تھے وہ یا تو کسی حیوان کی تصویر
ہوتی تھی یا اور کسی چیز کا خاکہ ہوتا تھا۔

کسی زمانہ میں مصری الف بائے (۲۹) حرفوں سے مرکب تھی جو بعض معلومہ اشیاء
کے نمایندے تھے پھر تقریباً (۹۰) شکلیں اضافہ ہوئیں اور پھر ان اشکال میں اسقدر
زیادتی اور بہتات ہوئی کہ (۷۰۰) شکلیں ہوگئیں۔ ان کو پتھر یا لکڑی پر چھیل کر کھودتے
تھے اور کاغذ پر لکھتے تھے۔ جب ازمنی کے بنائے ہوئے کاغذ (پیپرس[1]) پر لکھنا چاہتے تھے
تو لکڑی کے قلم سے کام لیتے تھے۔ دوات کے بجائے ایک مسطح تختہ کے ٹکڑے کو جسکے سرے پر
کئی چھید ہوتے تھے استعمال کرتے تھے اور سیاہ، قرمزی (سرخ) اور سبز رنگ کو کام میں لاتے تھے۔

---

[1] کاغذ کی بہت ہی قدیم قسم (پیپرس) سے بنتی تھی پیپرس ایک درخت کا نام ہے جو ملک مصر میں پیدا ہوتا ہے۔
اس کا نیچے کا حصہ آدمی کے بازو سے ذرا موٹا ہوتا ہے۔ اور اُس کی بلندی دس قدم تک ہوتی ہے اور اُسکی
پھننگوں میں پتّوں کا ایک گچھا ہوتا ہے کاغذ کو اس کی اندر چھال سے اس طرح بناتے ہیں کہ پہلے رود نیل کے
پانی میں بھگو کر اور کوٹ کر سکھا لیتے ہیں۔ ازاں بعد سیپ کو اس پر اس قدر ملتے ہیں کہ وہ مسطح ہوجاتا ہے۔
اس صنعت نے یہاں تک ترقی کی تھی کہ ایک بار ایک مصری کاغذ ساز نے نہایت فخر و مباہات سے دعویٰ
کیا تھا کہ میں کاغذ کی تجارت کے منافع سے ایک لشکر نوکر رکھ سکتا ہوں۔ انگریزی زبان میں (پیپر) کاغذ
کو کہتے ہیں یہ لفظ یونانی کلمہ پیپرس سے نکالا گیا ہے۔ یونانیوں میں سکندر اعظم کے عہد تک اور بعد بھی اس
کاغذ کا رواج رہا اور مشرق و مغرب کے ممالک میں ۱۱۰۰ء تک متداول رہا۔ مصری کتابیں جو پیپرس کاغذ پر
لکھی ہوئی پائی گئی ہیں ان کے متعلق خیال ہے کہ ۲۵۰۰ قبل مسیح کی ہیں۔

ان کو بطور اُفق کے لکھکر سیاہ لکیروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ کردیتے تھے کتابت کی حسب ذیل دو قسمیں اور بھی رائج تھیں۔

(۱) ہیراٹیک | اس کے معنی ہیروس مقدس کے ہیں وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کتابت کی قسم ملاؤں (آقا یا بادشاہ) کے لیے مخصوص تھی یہ کتابت کئی درجہ تک ہیراگلیفیک کا مخفف تھی جو خط شکستہ کی شکل میں متشکل ہوتی تھی اور اصلی خط سے چنداں مشابہت نہیں رکھتی تھی۔ اس کو سلطنت کے دفاتر، مذہبی رسالوں، اور شرعی کتابوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

(۲) ڈیماٹک | ڈیموس کے معنی (آدمی) کے ہیں۔ چونکہ اس خط کو عام لوگ اور عوام الناس استعمال کرتے تھے اس لیے اس کا نام ڈیماٹیک رکھا گیا۔ یہ خط بھی ہیراگلیفیک ہے جو کسی قدر تعدیل پاکر بہت کچھ سیدھا سادھا ہوگیا تھا اور صرف متداول کاموں میں مستعمل ہوتا تھا۔ یہ خط ۹۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۴۷۰ء تک رائج رہا۔ اس وقت عیسائی قدیم یونانی الف باے کو کام میں لاتے تھے۔

ترجمہ خط ہیروگلیفیک | سیاہ پتھر کے ایک ٹکڑے کے دریافت ہونے سے جو شہر (روزیتا) میں ۱۷۹۹ء میں نکلا ہیروگلیفیک اور ڈیماٹیک اور یونانی تحریریں لکھی تھیں) اس خط کے ترجمہ میں بہت کچھ آسانی ہوئی۔ اس پتھر کے نوشتہ جات کا مضمون فتوائی تھا جس کو طلایان مصر نے ملکہ (ممفیس) میں بطالمی چہارم کی توقیر و تکریم کے لیے تقریباً ۱۹۶ قبل مسیح میں لکھا تھا۔

اسی طرح ۱۸۰۱ء میں ملک مصر سے (روسیٹھ) پتھر دریافت کرکے جارج سوم شاہ انگلستان کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اور شاہی حکم سے لندن کے عجائب خانہ میں رکھا گیا۔ اس کا رنگ سیاہ اور شکل و صورت بھدی اور بھونڈی تھی اور اس پر تین زبانوں میں ایک کتبہ لکھا ہوا تھا جن میں سے ایک کتبہ ہیروگلیفیک زبان میں تھا۔ مسٹر ینگ۔ اور مسٹر چامپولیں دو انگریزوں نے باقی تحریروں کی مدد سے اسکے پڑھنے میں

کامیابی حاصل کی اور اجپٹولوجی (مصر کے علوم وفنون) پر جو فولادی تالا لگا ہوا تھا اُسکی کنجی مل گئی ڈاکٹر ینگ نے یہ بھی انکشاف کیا کہ حرف ہیروگلیفیک مخصوص اسامیوں میں آوازوں کے بجائے مستعمل تھا - اسی طرح (چمپولیون) ایک فرانسیسی نے بھی بعض دوسرے اہم انکشافات دکھائے اور اب وہ سب کتبے جو ہیروگلیفیک میں لکھے ہوئے تھے ترجمہ ہو چکے ہیں۔

۱۸۶۵ء میں پروفیسر لیپیس نے شہر صُغن میں ایک چٹائی پٹیا پایا جو قدامت میں روسٹیہ تپھر سے بھی قدیم تھی اور اس پر یونانی زبان اور مصر کے ہیروگلیفیک میں عبارت کندہ تھی۔

۱۸۴۲ء میں ایم بوٹا فرانسیسی سفیر نے دریاے دجلہ کے کنارے کے کھنڈرات کو کھدوانا شروع کیا پھر بالارڈ کی زیر نگرانی ایک تحقیقاتی مہم یہاں پہنچی - چنانچہ ان دونوں کی جان توڑ کوششوں سے بہت سی تحریریں زمین کے اندر سے دستیاب ہوئیں اور اسیریولوجی (آسوریہ کا علم وفن) کے متعلق انسانی معلومات میں قیمتی اضافہ ہوا - یہ تحریریں تکونیہ حروف رکھتی تھیں اس لیے انگریزی میں "فیونُ کُنی فارم الفبیٹ" کہتے ہیں اور یہ سب سے پہلے موسیو تپامیہ (ملک شام یا عراق عجم) میں پائی گئیں۔

خطوط الفبا ے | فینیقیہ جو مشرقی بحر روم کے ساحل پر واقع تھا جس کو غور بھی کہتے ہیں اور زبور میں کنعان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ایک چھوٹا سا خطہ تھا جس کی جنوبی اور شمالی حد سیریہ (شام) اور (صوبہ) یہودیہ کے مابین واقع تھی اور مغربی سرحد بحر روم (مڈیٹرینین سی) سے ملتی تھی - وہاں کے رہنے والے زمانہ قدیم میں مصریوں سے تجارت کیا کرتے تھے - اس بنا پر انہیں ضرورتاً مصریوں کی طرز کتابت کو سیکھنا پڑا - انھوں نے دیکھا کہ وہ تمام چیزیں جو لازم ہیں ایک مختصر عدد علامتوں میں سے ہوتا ہے جو آوازوں کا نمائندہ ہے - خیال ہوتا ہے کہ الفت گاسے کے نام کا ظاہر کرنے والا تھا

اور گاف کی سر اور کان کے ذریعہ توضیح ہوتی تھی۔ میم کے معنی پانی کے تھے اور اس کو بطور موج و معنی جو موج آب کی طرح ہوتا تھا لکھتے تھے۔ ایک مرتفع مستطیل دائرہ کو آنکھ کے بجائے قرار دیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ آنکھ کی شکل دائرے کی صورت پیدا کر لیتی تھی۔ یعنے پہلے ایک نقطہ اسکے بیچ میں ہوتا تھا پھر نقطہ کو اٹھا دیتے تھے غرض کہ الف بائے فینیقیہ قدیم صرف (۲۲ - الف) حرف رکھتی تھی۔ جب دوسری قوموں خصوصاً بنی اسرائیل نے انھیں محکوم بنایا ان کی دولت وحکومت پر قابض ہو گئے اور انھیں منہزم اور منتشر ہونا پڑا تو حرفوں کی شکلوں اور ان کی آوازوں میں بعض جزوی اور نمایاں تغیرات ہو گئے اور اس کے علاوہ جدید حروف بھی اضافہ ہوئے۔

یونانیوں نے فن تحریر کو فنیقیوں سے سیکھا ہے اور تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح میں ایک یونانی کاڈمس نامی نے فینیقی حروف کی ترویج اپنے ملک میں کی ہے یہی وجہ ہے کہ یونانی انھیں حروف کا موجد سمجھتے ہیں۔ لیکن تحقیقات اور چھان بین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصریوں کی تصویری تحریر اور اہل بابل[۱] کے تکونیہ حروف یہ سب فینیقیوں کے زمانہ کے پہلے کے ہیں۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ انھوں نے ان دونوں خطوں کو سیکھا، ان میں ترمیم تنسیخ کاٹ چھانٹ کی، اور بہت کچھ اضافہ کر کے ایک جداگانہ صورت پیدا کر دی۔

اب الف بائے عبرانی (سامی) بائیس[۲۲] حرف رکھتی ہے لاطینی قدیم (لیٹن) کہیں[۲۱] حرف انگریزی جدید چھبیس[۲۶] اور موجودہ فارسی تیس[۳۲] مختصر یہ کہ موجودہ حروف کا وہی حال ہے جو کئی ہزار برس قبل مسیح تھا جب الف بائے اصلی نے تشکیل پائی تھی اور اسکی قسموں اور بعض دوسری صورتوں کو اہالی فینیقیہ اور دوسری قوموں نے سیکھا اور استعمال کیا تھا۔

محمد اسمعیل ہاتف

---

[۱] شہر بابل یا خالدیہ کو بمطابق تاریخ ۲۲۰۰ قبل مسیح میں نمرود نے دریائے فرات کے مشرقی جانب مربع شکل میں آباد کیا تھا یونانی مورخوں کے بیان کے مطابق اس شہر کا رقبہ [illegible] تھا فصیل ۳۰۰ گز سے زیادہ بلند تھی اور اسقدر چوڑی کہ اس پر چار گھوڑوں کی گاڑی بخوبی چل سکتی تھی اور بعہد بیلشیزر ۵۳۸ قبل مسیح میں فارسیوں کے فتح کرنے سے سلطنت کے ساتھ اس پر بھی زوال آگیا ۲۷۵ قبل مسیح میں (جیسا کہ تکونیہ حروف کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے) یہ شہر تمدن سے بالکل کنارے واقع تھا مگر آجکل (۱۰) میل دریائے فرات سے اوپر آباد ہے۔ اور اس مقام کو حلہ کہتے ہیں۔

ہماری تاریخ کا ایک ورق

ذرا سی دیر کو لقمہ آ بیٹھو مرے دل میں دکھاؤں لطف وہ دیکھا نہ جو قفس گل میں

"جو لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے فخر و ناز کے ساتھ یاد نہیں کرتے وہ گویا خود بھی کبھی ایسا کام نہیں کریں گے" (لارڈ مکالے)

مسلمانوں کا علمی شغف ہجرت کی دوسری صدی سے شروع ہوتا ہے۔ خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس کی شہرۂ علم فیاضی نے دلوں میں اُمنگ اور حوصلوں میں بلندی پیدا کر کے اس شغف علمی میں چار چاند لگا دیے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک مختصر مدت میں وہ جملہ اصناف علم و فن کے گرانقدر مخازن کے مالک بن گئے تحقیق و تشویق کے میدان میں جھنڈے گاڑ دیے۔ اور کچھ اس سرعت اور تیز گامی سے چلے کہ جمیع اقوام متمدنہ کوسوں پیچھے رہ گئیں۔ اور جب مڑ کر دیکھا تو کوئی ہمسر و ہمتا نظر نہ آیا۔ یونان کے تمام علوم و فنون اُمنڈ آئے۔ خالد بن یزید نے ماہرین یونانی ادب و زبان کو جمع کیا۔ اور تراجم کی خدمت تفویض کی۔ عبدالملک کے عہد میں زبان عربی دولت اسلام کے محکموں میں ترویج پذیر ہوئی جس کا اثر تدریجاً مصر و شام اور عراق کی معاشرت پر پڑنا شروع ہوا۔ اور عربی ان بلاد و امصار کی مادری زبان بن گئی۔ مابعد ہارون رشید عباسی نے تصانیف و تراجم کا ایک یادگار عصر اور عدیم المثال محکمہ بیت الحکمۃ کے نام سے قائم کیا۔ اس محکمہ میں یونانی۔ سریانی فارسی اور سنسکرت زبانوں کے باکمال ماہر جمع ہوئے۔ ثابت بن قرہ حبیش بن الحسن۔ ابن اسحق وغیرہ نامور عیسائی مترجمین پانچ پانچ سو اشرفی ماہانہ پر متعین کیے گئے۔ اور دو سو برس کے اندر اندر یونان اور روم کا سارا علمی خزانہ بیت الحکمۃ میں منتقل ہو گیا فضل برمکی نے اپنے اہتمام سے کاغذ سازی کا کارخانہ جاری کیا۔

مامون رشید نے بایں شرط والیِ یونان سے دائمی صلح کر لی اور ایکسو چالیس من سونا دینے کا وعدہ کیا۔ کہ وہ چند روز کے لیے حکیم لیسو کو فلسفہ آموزی کے لیے امیرالمومنین کے پاس بھیجدے مامون رشید کی حبِ علمی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مترجمین کو کتاب کے ہموزن سونا تول دیتا تھا۔ یہی وہ خلیفہ اولین ہے جس کے عہدمیموں میں دمشق بغداد اور شماسیہ میں رسدگاہیں قائم کی گئیں۔ صحرائے بحار میں اس کی تجربتاً تحقیق خاص کی گئی کہ محیط کرۂ ارض ۲۴ ہزار میل ہے۔

صدی چہارم سے قبل کہ دائرۂ اسلام میں کوئی سررشتۂ تعلیم نہ تھا۔ ہم کو یزید بن ہارون المتوفی ۲۰۶ھ کے حلقۂ درس میں ستر ہزار طلبا و متعلمین کا ہجوم نظر آتا ہے۔ جب امام بخاری نے لکھ دینا آغاز کیے ہیں تو قریباً دس ہزار اہل مناظرہ محدثین حفاظ اور فقہا شامل تھے۔ ایجاد و اختراع کے چمن میں بھی عجیب عجیب پودے لگائے اور نئے نئے نکہت بیز پھول کھلائے۔ چنانچہ عربی میں چار سو مستند کتب تواریخ زیور تالیف سے آراستہ ہوئیں۔ امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ علم کلام میں سب سے پہلی کتاب ترقیم فرمائی اور ثابت کیا کہ اصلی مسائل اسلام سے جس قدر فلسفہ مختلف اور متضاد الفہم ہے خود غلط ہے۔ ایک نامور فلاسفر ثابت دمشقی نے بعہد یزید ثانی آلات جاذبِ برق ایجاد کیے جن کے ذریعہ سے بادلوں سے بجلی جذب کی جا سکتی تھی۔ دربار خلافت سے اس فقید المثال ایجاد پر پانچ لاکھ روپیہ عطا ہوا۔ عبدالملک بن مروان کے عہد میں جنگی جہاز بنائے گئے۔ لوہا پگھلا کر ڈھالا گیا ۱۹۰ھ کے قریب میں علی بن تغلب گھڑی سازی میں شہرہ یاب ہوا۔ زبیدہ خاتون نے شموم عنبری کو بزم تکلف میں جگہ دی۔ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں میں نکلتی ہے۔ عمر خیام نے ۳۳ برس میں نکال دی اور برائے نام ایک دن میں کچھ کم فرق رہ گیا اگر زندہ رہتا تو یہ بھی نہ رہتا۔ میزان الحکم میں وہ اصول بیان کیے جن سے مرصع جڑاؤ زیورات کا وزن بغیر توڑے اور جواہرات الگ کیے دریافت کیا جاتا ہے میزان ارشمیدس

اسلام کی ایک نادرۂ روزگار تصنیف ہے جس کے اصولوں سے نقرہ و طلا کا کھرا کھوٹا مع وزن کے محقق ہو سکتا تھا۔ زمانہ اس پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔
شیخ ابوالقاسم بن اندلسی معروف بہ البقاس نے ایک معرکۃ الآرا کتاب التصریف تحریر کی تھی اس میں زخم کا جلانا۔ آلات کے ذریعہ اپریشن کرنے کے قواعد امراض رحم و معدہ و فتق اور پتھری نکالنے کا اپریشن۔ عوارض چشم میں اپریشن کرنے کے قواعد۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنے کے اصول خصوصیت سے باوضاحت بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مایۂ ناز حکیم اکثر آلات جراحی کا موجد گزرا ہے۔ خصوصاً پتھری کے خارج کرنیکے آلات اسی کی ایجاد ہیں مختلف یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔ کچھ زمانہ پیشتر یورپ کی جراحی کا دارومدار اسی کتاب پر تھا بوعلی سینا کا "قانون" جو فن طب کی مکمل کتاب ہے یورپ میں ایسی مقبول ہوئی کہ آج سے پچاس برس پیشتر تک داخل درس رہی۔ ابومنصور بن بشیر بڑا سرکردہ اور نامور طبیب گزرا ہے جس کو امراض اعصابی میں یدطولیٰ تھا۔ حمام مائیہ کے اصول کا موجد ہوا ہے۔ یورپ میں یہ فن رواج پا رہا ہے جس کو ڈاکٹران ہند ڈاکٹری ایجاد سمجھ کر بے جا ناز کر رہے ہیں۔ رشید الدین علم طب و نباتات کا ایک سرآمد عصر عالم تھا جو ایک گروہ اطبا کا سردار بھی تھا اُس نے جبل البنان کے اطراف میں تحقیق نباتات کی غرض سے ان اطبا کو مقرر کیا تھا ہر پسندیدہ بوٹی کا فوٹو لیا جاتا اور علمی طور پر جانچ کر کے خواص بھی فوراً لکھ دیے جاتے۔ اس طرح علم الادویہ میں یہ ایک مبسوط کتاب ہوگئی۔ کالجوں اور شفاخانوں میں طبی عجائب خانے بھی تھے جس میں جڑی بوٹی دکھلانے کی غرض سے باغات لگائے گئے تھے۔ یہ باغ میلوں وسیع ہوتے تھے۔ چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں ایک نہایت وسیع طبی باغ غرناطہ میں اور مثل اُسکے ایک اور باغ قرطبہ میں بعہد عبدالرحمٰن اول موجود تھا جس کو اہل یورپ تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلا دنیا میں چندیساپور کا کالج اور شفاخانہ ہے جو قرون اولے اسلام میں قائم ہو کر زمانہ منصور تک شہرہ یاب رہا۔ بر جیس ابن جبرئیل مشہور

مشرقی طبیب اس کالج کا پروفیسر تھا۔ ماسویہ ابن یوحنا اس کالج کا تعلیم یافتہ تھا۔ ابن سہیل نامی طبیب بھی اسی کالج کا متعلم تھا۔ جس نے تمام امراض کے نسخے جدولی صورت میں ترتیب دیے۔ اس اصول کی ایسی مقبولیت ہوئی کہ آج یورپ کے شفا خانوں میں اسکا رواج ہے۔ صاحب طبقات ناصری ابن عیسیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ۱۳۲ھ میں عثمان ابن سعید دمشقی نے ایک عظیم الشان کالج و شفا خانہ قائم کیا جس میں ابن عیسیٰ پروفیسر مقرر ہوا۔ اور مکہ معظمہ اور بغداد و شریف کی انسپکٹری پر مامور کیا گیا۔ طبیب سفری شفا خانوں کا موجد گزرا ہے۔ جس نے ابن قرہ کی نگرانی میں کافی انتظام کیا کہ گاؤں بگاؤں بلا معاوضہ گھوم کر چارہ سازی کریں۔ عضد اللہ نے جب شفا خانہ مع کالج الرازی کی صدارت میں جن کی قابلیت اور تبحر کو اس وقت یورپ تسلیم کیے ہوئے ہے۔ قائم کرنا چاہا۔ تو اسکی بدقسمتی سے قبل تکمیل علامہ کا انتقال ملک کو ماتم کدہ بنا گیا۔ اس شفاخانے اور کالج کے افتتاحی جلسے اس گرم جوشی سے ہوئے کہ ہنوز اس ترقی و تہذیب کے زمانے میں کسی دارالعلوم کے افتتاحی جلسوں میں یہ بات حاصل نہیں ہوئی۔ غرض اس شفاخانہ میں ہر مریض کے واسطے جدا جدا وارڈ تیار کیے گئے تھے جن میں ہر مریض ایک دوسرے سے جدا رہتا۔ اسی طرح ہر طبیب کے لیے علیحدہ علیحدہ مکانات تیار رہتے تھے۔ ان شفا خانوں میں آجکل کی طرح رجسٹر بھی تھے جن میں مریض کے حالات مع مشاہدات درج ہوتے تھے۔ اسی طرح مصر۔ دمشق۔ مرو۔ رے اور اصفہان وغیرہ میں عالی شان اور نامی کالج و شفاخانے تھے۔ بقول ایڈورڈ گبن مشہور یورپی مورخ و مصنف یورپ کے تاریکی کے زمانے میں افریقہ اسپین اور اٹلی میں عربوں کے قائم کردہ طبی مدارس جاری تھے۔ ہسپتالوں کا قیام بھی یورپ نے عربوں سے لیا۔ چنانچہ ۱۳۰۴ء میں قاہرہ میں ایک بہت بڑا پاگل خانہ موجود تھا۔ حالانکہ یورپ میں اسکی ابتداکم وبیش ایک صدی بعد ہوئی۔ ابن الصائغ نے علم الارتقا کی نبیاد ڈالی۔ ابو موسیٰ خوارزمی نے

جبر و مقابلہ کی بنائیں استوار کیں ابوالبرکات بغدادی نے ارسطو و افلاطون کے بالمقابل حکمائے
اسلام کا ایک جدید فلسفہ ترتیب دیا۔ ابن فرناس نے ہسپانیہ میں ہوائی جہازوں کا
قاعدہ ایجاد کرلیا۔ اندلس کے عربوں نے ایک آتشبار کڑکتا ہوا آلہ ایجاد کیا جسے وہ
عادہ کہتے ہیں اور آجکل کی اصطلاح میں توپ کہی جاتی ہے۔ ابن الہیثم نے علم المارد
علم الاوزان میں تبحر حاصل کرکے غرق شدہ جہازوں کو تیرا لینا اختراع کرلیا۔ ابن یونس
نے علم الہندسہ میں کمال پاکے ایک تحیر خیز ایجاد کی کہ وہ اس سے مراکش میں کارخانہ
آب رسانی (واٹرورکس) کھولتے ہیں۔ پانی کے پمپ بناتے ہیں مشہور فلاسفر و مورخ
ادریس نے جابجا تشریح کی ہے کہ اس کل کے ذریعہ گھر گھر میں سڑک سڑک پر نلوں میں پانی
پہنچاتے ہیں۔ مراکش کے دارالسلطنت میں بیشمار پن چکیاں تھیں۔ ہر مکان میں نل تھا۔
صبح اٹھتے تھے تو تمام گلی کوچے مکان سڑک نلوں سے دھلے صاف ملتے تھے۔ یہاں سے
یہ صنعت اندلس گئی اور وہاں سے یورپ نے لی پنبہ کی صنعت و ترویج یورپ میں عربوں
سے ہوئی۔ شکر کے ذریعہ شیریں کام کیا۔ یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا۔ کہ انگلستان میں شیشہ کا
رواج ملکہ الزبتھ سے پہلے ہوا تھا حالانکہ طلیطلہ میں ایک عرب کو شک میں شفاف اور تاریک
دونوں قسم کے شیشوں کا پایا جانا تاریخ سے سکسن زمانہ ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ جغرافیہ
دلچسپ مشغلہ تھا سائبیریا اور افریقہ کے ایسے مقامات میں پہنچے جہاں کا حال دنیا کو بہت
کم معلوم تھا۔ شکر بھی عربوں کی ایجاد ہے ورنہ اس سے قبل یورپ میں شہد استعمال ہوتا
تھا۔ تعلیم قرآن سے اسلام میں فلسفہ و حکمت کے اسکول اور کالج پیدا ہوئے جنھوں نے
دور ترقی میں یونیورسٹیوں کی شکل اختیار کرلی۔ اس کا یہ روشن و تابناک نتیجہ تھا۔ کہ
وسط افریقہ جو اس براعظم کا دور ترین حصہ ہے جس کو اس بیسویں صدی کی روشنی
میں بھی تاریک و ڈارک براعظم کہا جاتا ہے۔ وہ ترقی کے اعتبار سے اپنے عہد کی بڑی سے
بڑی یوروپین سلطنتوں سے ترقی و تہذیب میں بہتر تھا ترویج علوم کے لیے سوسائٹیاں

کثرت سے قائم تھیں۔ یہ ذوق ہر کہ و مہ کے اندر موجود تھا۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی خالی نہ تھیں۔ وہ ہر قسم کی علمی مجالس میں کثرت سے شریک ہوتی تھیں۔ ان میں بعض اعلٰے درجہ کی جراح گزری ہیں۔ حالانکہ اتبک یورپ کی کسی عورت کو یہ فخر شاید ہی نصیب ہوا ہو۔ وہ یونیورسٹیوں تک میں بطور اعلٰے پروفیسر کے فاضلانہ درس دیتی تھیں۔ ڈاک کا انتظام نہایت وسیع تھا کبوتروں کے ذرائع سب سے اعلٰے اور سہل تھے جن کی خرید و خورش میں ملک عراق میں ۷ لاکھ ۷۰ ہزار روپیہ کا خرچ تھا۔ ۹۳۰ چوکیاں تھیں۔ مراسلات پر کسی قسم کا محصول نہ تھا۔ ہشام کے عہد میں محض عملہ کا خرچ ایک لاکھ روپیہ تھا۔ پوسٹل گائڈ بشمول فاصلہ موجود رہتے تھے۔ ایکہزار کوس کی ضروری اطلاعیں خبریں آسانی سے جلد مل جاتی تھیں۔ چھ سو برس برابر حاکم بامر اللہ کے عہد تک یہ طریقہ عمدگی سے جاری رہا۔ شہری اطلاعات کا انتظام غضب کا تھا۔ مامون رشید نے ۔۔۔ ۷ بڑھیاں عورتیں مقرر کی تھیں جو دن بھر گھوم کر کچا چیٹھا بیان کر دیتیں۔ سوا خلیفہ کے کوئی نام تک ست واقف نہ تھا۔ یہ سلسلہ عالمگیر پر ختم ہوگیا تمام ہند کی سرحدوں اور مخدوش مقامات پر پرچہ نویس بشکل صوفی مجذوب وغیرہ موجود رہتے تھے مستنصریہ (۶۲۲ھ / ۱۲۲۴ء) کالج چھ سال میں تیار ہوا۔ کتب خانۂ شاہی سے ۱۶۰ اونٹوں پر لد کر کتابیں لائی گئیں کاغذ قلم روغن مکان سب مفت تھا۔ ایک اشرفی ماہوار علاوہ ہر طالب علم کو ملتی تھی۔ دربار سے ۴½ لاکھ کی جاگیر وقف تھی۔ نظامیہ کالج جس میں چھ ہزار طلبا زانوے ادب تہ کیا کرتے تھے اور جس کا سالانہ نظام الملک نے ۱۵ ہزار دینار مقرر کیا تھا۔ ایک دوسرا عظیم الشان کالج تھا گویا ششمہ ۔۔۔ باقاعدہ درسگاہوں کی تعمیر شروع ہوگئی تھی۔ خاص شہر بغداد میں سات سو مدرسے قائم ہوئے۔ اب یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ اسلامی تمدن کا آفتاب عظمت خط استوا سے گزر رہا تھا۔ ہر طرف علم و فن کے دریا لہریں لے رہے تھے دور و بام سے عقل و فہم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں جسے دیکھو باغ علم میں تمدن و تہذیب کی

شاخ پر بیٹھا مثلِ بلبلِ ہزار داستاں چہک رہا تھا نئے نئے نغمے تھے عجیب عجیب زمزمے۔ ہر
روز گلبنِ حکمت میں ایجاد و اختراع کے سرسبز و خوش رنگ کلّے پھوٹتے رہتے تھے۔ چنانچہ بغداد
کے بعد اصفہان میں ۴۸۔ قرطبہ میں ۸۰۔ بیت المقدس میں ۳۸۔ دمشق میں ۲۰۔ قاہرہ میں
۲۰ نیشاپور میں ۵ شہرۂ زماں اور نامور عظیم الشان مدارس و کالج مختلف اوقات میں قائم
ہوئے۔ اندلس میں بعہد حکم وہ علمی ترقیاں ہوئیں کہ ہارون و مامون کا نام بھی ماند پڑ گیا۔
دربار عباسی بھی حکم کی رقیبانہ حوصلہ مندیوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ہر جگہ سفیر و وکیل نایاب
و نادر کتب کی تلاش میں مقرر کیے گئے کہ ممالک مشرقیہ میں بھی جو کتاب تصنیف ہو بغداد
سے پہلے اسپین آئے۔ چنانچہ علامہ ابوالفرح اصفہانی کی کتاب الاغانی کے لکھے جانے
کی جس وقت خبر پہنچی تو حکم کے قاصدوں نے کتاب تمام ہونے سے قبل ایک ہزار
اشرفیاں مصنف کی خدمت میں پیش کیں کہ پہلا نسخہ کتب خانۂ شاہی کے لیے محفوظ
رکھا جائے۔ حکم کے کتبخانہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ صرف عربی دیوانوں کی
فہرست ۵۰ صفحہ پر تھی علامۂ مقری نے مجموعی تعداد کتب چار لاکھ لکھی ہے زیادہ تر
منتخب و چیدہ کتب تھیں۔ شیرشاہ اپنے زمانے کے زبردست فاضل شیخ بدھ کی اس
درجہ وقعت کرتا تھا کہ خود ان کی جوتیاں سیدھی کر کے سامنے رکھ دیتا۔ سلطان فیروز شاہ
بہمنی اس درجہ شغفِ علمی رکھتا تھا کہ ہر ہفتہ میں تین روز خود طلبا کو درس دیتا۔ علما
و مشائخ سے برادرانہ برتاؤ کیا کرتا تھا۔ عربی، فارسی، ترکی، روسی، بنگالی، چرکسی، افغانی،
مرہٹی، گجراتی، فرنگی، گرجی وغیرہ سب زبانیں جانتا تھا۔ ریاضی میں اعلیٰ پایہ رکھتا تھا۔
اس نے ۸۱۰ھ میں دولت آباد میں ایک رصدگاہ تعمیر ہونے کا حکم دیا اور اہتمام فاضلِ
عہد حسن گیلانی کے سپرد ہوا۔ سید اسمٰعیل عادل شاہ والی بیجاپور نے مولانا شہید
قمی کو جو کمالات شاعری میں بے نظیر تھا عواطفِ خسروانی سے حکم دیا کہ خزانہ میں جاکر
جس قدر زر تجھ سے اٹھ سکے اٹھا لا۔ چنانچہ وہ پچیس ۲۵ ہزار ہون طلائی اٹھا لے گئے۔ اس

بادشاہ نے ایک دن میں پچاس ہزار ہون علمائے بیجاپور میں تقسیم کر دیے۔ ایک عظیم الشان دار العلم جونپور میں نوی صدی ہجری میں قائم کیا گیا تھا جس سے بڑا دار العلوم دیارِ ہند میں تعمیر نہیں ہوا تھا۔ مولانا قاضی شہاب الدین جونپوری مدرس اول تھے۔ سلطان ابراہیم اس درجہ وقعت و عزت کرتا تھا کہ دربار میں اپنے سامنے نقرئی کرسی پر بٹھاتا تھا۔ ایک بار اُن کی بیماری میں عیادت کو گیا تو پاس بیٹھ کر کٹورہ پانی کا اُن کے سر پر سے اُتار کر خود پی گیا اور بارگاہ ایزدی میں دعا مانگی کہ الٰہی مولانا کی تکلیف مجھے دے اور ان کو شفا عنایت کر۔ ماہم بیگم کی علمی قدردانی نے بھی دہلی میں ایک عظیم الشان کالج قائم کرا دیا تھا شہزادی زیب النساء بیگم نے ایک ایسا بے نظیر کتب خانہ بنایا تھا جس کا شہرہ ایران و توران سے آگے پہنچ گیا تھا۔ شہنشاہ جہانگیر نے حیاتی کاشی کو ایک نظم کے صلے میں زر سرخ و سفید سے تلوا کر چھ تھیلیاں مرحمت کیں۔ سلطان الحکماء جب شاہ مصر سے کبیدہ ہو کر چل دیے ہیں تو قدردانی کا یہ عالم تھا کہ تمام مصر پیچھے ہو لیا آخر بادشاہ بصد منت واپس لایا۔

ان واقعات پر نظر ڈالو اور چشم عبرت سے خون کے آنسو بہاؤ۔ یہ فیاضیاں تھیں جب اس کان سے ہیرے نکلتے تھے۔ اس نوعیت کی قدردانیاں تھیں جب اسلامی چمن رنگا رنگ گلوں سے مہک رہا تھا۔ آہ! ؎

کبھی یہ دل تماشاگاہ تھا عیش و مسرت کا　　اب اس میں حسرت و رنج و تمنا سیر کرتے ہیں

اُف! آج اُمید و کامرانی کی وہ شمع دل افروز جو کاشانۂ غیر میں ضوفشاں ہے وہ کبھی ہمارے ایوانِ تقدیر میں بھی تھی جو اس وقت یاس و بیم کے کھنڈرات ہیں روشن تھی۔ آج باغ و بہار کے سرو و شمشاد سے اغیار گذر رہے ہیں کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں کل ہمارے خس خانوں پر بھی بہار برستی تھی جن سے نکہت نازو نسیم الفتی اور خوشبو چل کر آتی۔ عبدالرحمٰن ثالث کی شمشیر خون آشام سے فرانس، جرمن، اٹلی، یونان کے شہر لرزتے تھے۔ ہیبت سے

کانپتے تھے - اُس کی خوشنودی کے لیے مدینۃ الزہرا کی مایۂ روزگار عمارت کو بیش بہا اور نادر
مصالح بھیج کر جان بچاتے تھے - اس کا عہد تاریخ اندلس کا ایک زریں باب ہے - طب ہیئت
تاریخ - جغرافیہ ایجادات کیمیا او طبیعیات نے اسقدر عروج پایا کہ آخر ترقی یورپ کا باعث بنی -
دار الخلافہ اندلس قرطبہ ہی پہلا شہر ہے جس کی سڑکیں پختہ کی گئیں اور شب کے وقت ان پر
لالٹینوں کی ضیا بار روشنی کی گئی - صرف کیمپ میں اسقدر تیز اور صاف روشنی ہوتی تھی
کہ میلوں اس کی روشنی میں چل پھر سکتے تھے - آج لوگ یورپین طرز معاش اور تہذیب سے
مرعوب ہو کے اسلامی ترقیوں کے منکر ہیں اور کوٹھیاں فرنیچر دیکھ کے حیران رہ جاتے ہیں لیکن
قرطبہ میں صدیوں پہلے جب کہ یورپ کے اکثر حصص گہوارۂ توحش و بہیمیت بنے ہوے تھے
عرب اعلیٰ زندگی بسر کرتے تھے - اندازہ ہے کہ تقریباً دو لاکھ مکانات قرطبہ میں ایسے تھے جن کی
ساخت اعلیٰ تجر کی تھی ہر مکان کا دروازہ سنگ اسود اور چبوترہ سنگ رخام کا ہوتا تھا -
اور ہر مکان کے ساتھ ایک سرسبز و سدا بہار چمن ملحق رہتا تھا - خیال کرو اور سوچو کہ یہ حیات
کیسی پُر لطف ہوگی اور تمدن اسلامی کا آفتاب اقبال دنیا پہ کیسی سرور افزا اور نشاط انگیز
شعاعیں ڈال رہا ہوگا - ابن فرناس ابن رشد ابن باجہ ابن طفیل ابو الحسن (جس نے
شعاع کو ثابت کیا کہ خود ہر چیز کی تصویر آنکھ میں کھنچتی ہے اس اثبات کا نتیجہ آج فوٹو کی
ایجاد ہے - اس وحید عصر عالم نے علم ہوا ایجاد کیا اسی کا قول ہے کہ ہوا جس قدر بلند ہو
اتنی ہی سبک و لطیف ہوتی ہے) - خیام محقق طوسی - بو علی سینا غزالی رازی ابو ریحان
بیرونی شیخ جمالی اور حکیم گیلانی وغیرہم سب ایک ہی درخت کے ثمر ایک ہی لڑی کے موتی ہیں
غرناطہ میں ۱۳۰ پن چکیاں دن رات چلتی تھیں - اشبیلیہ میں ایک لاکھ کارخانے تھے
جہاں زیتون کا تیل نکلتا تھا - تصنیف و تالیف کا بحر ایسا موج زن تھا کہ ایک وقت میں قرطبہ
میں ۱۵۰ - مالقہ میں ۵۴ - مریہ میں ۵۲ - پرتگال میں ۲۸ مجیبیں اور مرسیہ میں ۱۷ کتابیں
لکھی گئیں فرانسس نے یہاں برسوں تعلیم پائی ۹۹۹ء میں پوپ ہونے پر اُس نے

اس نے دو مدرسے کھولے۔ ارقام ہندسہ کو عرب سے سیکھ کر یورپ میں رواج دیا۔ حسب روایت
مورخ مقریزی قاہرہ میں ۴۰ کتب خانہ تھے۔ ایک پبلک لائبریری بھی تھی۔ جامع ازہر میں
دور دراز ممالک کے بارہ ہزار طلبا فقہ، حدیث، منطق، لغت، فلسفہ، ریاضی، نجوم اور تاریخ کی
تعلیم پاتے تھے۔ جبل میں ریاضی و تاریخ کے موجد مسلمان ہی ہیں جنھوں نے ہر دو علوم کو علم کے
درجہ تک پہنچایا۔ یونیورسٹی خاص مراکو میں مصر اندلس اور فرانس سے طلبا آتے تھے۔
یہ یونیورسٹی ۲۴۵ھ کے پس و پیش میں قائم ہوئی تھی۔ اس سے پہلے دنیا میں کوئی یونیورسٹی
نہ تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے ایک عدیم النظیر اور نفیس روزگار مسجد جامع بنائی جس میں
سنگ مرمر اور سنگ رخام کے مثمن مسدس مدور مربع طرز کے تراشیدہ لگائے گئے تھے
نقش و نگار کی بہار اور نقاشی و صناعی کی دلفریبی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ فرش و فروش
جھاڑ فانوس و دیگر سامان آرائش و زیبائش بہردان آنکھوں کو مصروف رکھتا تھا
ولید کی جامع مسجد دمشق اور بغداد شریف کی جامع عباسی اگرچہ گراں خرچ تھیں لیکن
یہ مسجد محمودی ایشیا میں بے نظیر تھی اور عروس الفلک کہلائی جاتی تھی۔ قریب مسجد ایک
عظیم الشان کالج بھی منقول و معقول کی تعلیم کے لیے قائم کیا طلبا مفت تعلیم پاتے تھے
مسافر طلبا کو کتب و سامان خوراک بھی ملتا تھا۔ کالج کے متعلق ایک بڑی لائبریری تھی جس میں
دور و دراز سے کتب نادرہ منگا کر جمع کی گئی تھیں۔ ابن ہشیم نے معرکۃ الآرا مسئلہ روشنی کی
حرارت و جسمیت کو نہایت زبردست دلیلوں سے لباس ثبوت پہنایا۔ سرزمین ہند کا قابل فخر
بادشاہ شیر شاہ سور ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اُس نے اپنے مختصر عہد میں جس قدر رفاہ عام کے
کام انجام دیئے اُس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ قلعہ رہتاس گڑھ (پنجاب) سے
ستارگاؤں (بنگالہ) تک (چار ماہ کا رستہ ہے) آگرہ سے برہان پور تک۔ آگرہ سے چتوڑ تک
اور لاہور سے ملتان تک چار عظیم الشان اور بے بدل سڑکیں بنائیں جن پر دو طرفہ میوہ دار
درخت کوس کوس بھر پر ایک ایک سرا۔ ایک ایک مسجد ایک ایک کنواں۔ ہر مسجد میں ایک

موذن ایک امام تھا۔ مسافروں کے کھانے پکانے اور خدمت کے لیے ایک ہندو ایک مسلمان کو ہر سرا میں متعین کیا۔ سب سڑکوں پر سترہ سو سرائیں تعمیر ہوئیں۔ ہر سرا میں جدا جدا امکان تھا۔ مویشی کے لیے چارہ تک مفت ملتا تھا۔ ہر سرا میں ایک جمعدار چند چوکیدار حفاظت کو مقرر تھے۔ انتظام کا یہ عالم تھا کہ ایک بڑھیا اشرفیوں کا طباق لیے جہاں چاہے چلی جائے۔ چور کی مجال نہ تھی جو آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ان سرائوں کے اخراجات کے لیے بہت سے گاؤں وقف تھے۔ عالمگیر نے بھی نل لگا کر آب رسانی کا سررشتہ قائم کیا تھا۔ زبیدہ بیگم نے نہر زبیدہ جاری کر کے شہرتِ دوام کا دامن تھام لیا۔ نورجہاں و جہاں آرا نے عالیشان سرائیں تعمیر کرائیں جن کا ذکر برنیر حسرت کے ساتھ کرتا ہے کہ کاش پیرس میں بھی کچھ ایسی عورتیں ہوتیں تاکہ مسافروں کو حیرانی نہ ہوتی۔ شیر شاہی لنگرخانوں کا خرچ پانچسو اشرفی روزانہ تھا جہاں غربا کو عمدہ کھانے ملتے تھے۔ اس کے علاوہ معذورین اور پردہ نشینوں کے روزینے مقرر تھے۔ شہنشاہ عالمگیر ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ فقراء کو تقسیم کیا کرتا تھا۔ عہد ولید میں اندھوں معذوروں کی امداد کو علاوہ وظیفوں کے ایک آدمی نوکر رکھا جاتا تھا جس کے مصارف سرکار سے ملتے تھے۔ غرض غربا پروری اور بیکس نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا جاتا تھا۔

سولھویں صدی عیسوی تک دنیا کے ہر حصہ میں اسلامی حکومتیں موجود تھیں تونس میں دولتِ بربریہ۔ الجزائر میں حکومت عربیہ۔ مراکش میں شرفائے بنی فاطمہ سوڈان و مصر و شام میں ترکانِ عثمانی اور ایران میں سلطنتِ صفویہ قائم تھی۔ توران و ترکستان و ماوراء النہر و قبچاق میں (وہ ملک جو ایشیائی روس کہا جاتا ہے) دولت ازبکیہ کی متعدد شاخیں اعلائے اسلام کر رہی تھیں۔ ارض کریمیا کے حاکم بھی مسلمان ہی تھے۔ اور روس کی مسیحی حکومت بھی اُن دنوں سلطانانِ تاتار ہی کے زیر فرمان تھی۔ زنجبار مڈگاسکر سقوطری وغیرہ اسلام

و ذائی واحات غرض کہ برّ اعظم افریقہ کی تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں اسلامی جواب محکوم ہیں آزاد
و خود مختار تھیں اور پورے برّ اعظم کی شہنشاہی مسلمانوں پر ہی مسلّم تھی اسی طرح سواحل عرب بحرین
و خلیج فارس و مجمع الجزائر و جاوا و فلپائن و جزائر غربی و شرقی ہندوستان وغیرہ وغیرہ جنمیں
آج ایک بھی آزاد نہیں۔ اُس زمانے میں سب فرمانبردار عرب تھے۔ اور اغیار کا کوئی اثر نہ تھا۔
ہندوستان میں سلطنت مغلیہ اور روم میں دولت اسلامیہ عثمانیہ کا شباب تھا۔ تخت دہلی کو
شہنشاہ اکبر اور تاج قسطنطنیہ کو سلطان سلیمان خان اعظم سے عزت حاصل تھی۔ جس کی فتوحات
کا سیلاب ہنگری و پولینڈ تک پہنچ چکا تھا اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں اُس سے لرز رہی
تھیں۔ امریکہ و آسٹریلیا کے خطے ان دنوں بالکل مجہول حالت میں تھے۔ اُن کو مستثنیٰ رکھتے
ہوئے بھی کرۂ ارض کا دو کروڑ مربع میل سے زائد رقبہ مسلمانوں کے زیر حکومت تھا۔ جس میں
پچیس ۲۵ عظیم الشان اسلامی سلطنتیں قائم تھیں اور ۹۰ فیصدی انسانی آبادی اُن کے ماتحت
تھی۔ دنیا کا کوئی ایسا حصہ نہ تھا جس پر اُن کی سطوت و جبروت کا سکہ نہ بیٹھ چکا ہو اور
کوئی ایسی قوم نہ تھی جو اُن کی یا اُن کے تمدّن کی محکوم نہ رہی ہو۔ غرضیکہ مسلمانوں نے
کائنات کے خزانوں کو سمیٹ لیا۔ استقلال سے رکھا اعتدال سے برتا پردہ عالم پر تجلی
وسیع عروج کی حیرت انگیز مثال قائم کی۔ اُدھر میدان شجاعت و جانبازی میں کسریٰ
و قیصر کو نیچا دکھایا اِدھر معرکۂ فلسفیات میں یونان کو دبایا۔ یورپ کو سکھایا۔ اندلس فتح کیا۔
آسمان علم سے ایجاد کے تارے توڑ لائے۔ علم و ہنر کے دریا بہا دیے۔ فلک علم کا مہر عالمتاب
اگر بغداد و قاہرہ کے میناروں پر چمکتا یا تو ماہتاب عظمت قرطبہ و غرناطہ کے گنبدوں پر دمکا۔
جو بیج حضور آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں خاکِ پاک مکّہ میں بویا گیا وہ
بسرعت و حیرت بڑھا پھلا پھولا۔ اُسکا درخت زیرسایہ اقصائے عالم پر محیط ہوگیا۔ ایک دنیا نے
اُس سے راحت و عافیت پائی۔ مگر افسوس ہم نے خود اسکی جڑ پر تیشہ زنی شروع کر دی اور نتیجہ وہی
ہوا جو ہم بدنصیبوں کے لیے مقدر تھا ہماری صورتیں مسخ ہو گئیں ہمارے اخلاق بگڑ گئے نہ وہ ہم رہے

نہ وہ ہماری محسودِ عالم ترقیاں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم اُن اسلاف کے خلاف ہیں۔ آہ! اب ہم میں زمانہ سے سبق لینے اور عبرت آموزی کرنے کا مادہ بھی نہیں رہا صفت ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور بدرجۂ اتم ہم میں پیدا ہوگئی کبھی ہم وادی الکبیر پر وضو کرتے تھے تو گنگا پر نماز ہوتی تھی۔ دوزخ میں سوتے تھے تو صبح جنت میں نمودار ہوتی تھی۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین کا توقع بار اور دلفریب سبق بھلا دیا۔ من اعرض عن ذکری کی وعید و تاکید کو فراموش کر دیا۔ اس لیے ضربت علیھم الذلۃ کے مورد بنے اور لہٗ معیشۃ ضنکا کی شرمناک پراندوہ سزا پائی۔ آج ہم کرب و نکبت کے قصرِ آب میں تختۂ بند ہیں مگر احساس نہیں۔ ذلت و تحقیر کی جوتیاں کھاتے ہیں مگر شرم نہیں آتی۔ کیونکر مانیں کہ ہم ایک عظیم الشان و غیور قوم کے خلف ہیں دنیا ہم پر ہنستی ہے قہقہہ لگاتی ہے مگر ہم "چنیں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند" کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ہماری ترقی کی بنائیں علم قرآن کی اتباع پر استوار ہوئیں۔ اول ہم نے علم سیکھا مسلمان بنے واعتصموا بحبل اللہ کی ریشمی ڈوریاں تھامیں۔ یکدلی یکجہتی کے پھول چنے۔ نفاق و شقاق کے کانٹے ہٹائے۔ ایک ہی خمخانہ کے جرعہ نوش بنے غیریت کے نقاب اُٹھ گئے پھر کیا تھا تازمینِ مقصود بہ آغوش وا سامنے آ گئی۔ دل آرائی کے جلوے نظر آئے۔ روحِ اسلام ایک پھریری لے کر شاداب ہوگئی۔ اور آن کی آن میں وہ کوہ شکن طاقت آ گئی۔ کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع و مقتدر حکومتیں پاؤں تلے پڑی ہوئی دکھائی دیں۔ اور دیکھتے دیکھتے مسلمان دنیا پر چھا گئے اور وہ سطوت و اقتدار حاصل ہوا کہ عالم حیران رہ گیا۔ اوفقِ عرب سے ایک ایسی تیز اور نورانی روشنی آنی شروع ہوئی کہ دنیا کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ مراکو سے چین تک اور ہند سے روس تک ایک عالم جگمگا اُٹھا۔ وہ شمعِ جہاں افروز جو برسوں گھر گھر ضوفشانیاں کرتی رہی تھی آج بادِ مخالف کے جھونکوں سے جھلملا رہی ہے۔ بحرِ خون میں ہماری کشتیٔ اُمید کو سپرد تلاطم بادِ سموم کر رہا ہے۔ وہ چمن جس پر آج خزاں کی حکمرانی ہے۔ کل موسم بہار کے روح پرور جھونکے اُس کے محکوم تھے۔ یہ خشک جھیلیں اور نم ناآشنا آبشار

آج افسردہ ہیں مگر کل امرت کی لہریں ان ہی میں کھیلتی تھیں۔ زخم جگر کی تکلیفیں آج جتنی بھی ناگزیر ہوں جائز۔ کیونکہ کل کثرت تعیشات سے رگ گل کے نشان بھی جسم پر بار و ناگوار تھے۔ آہ مصیبت وکلفت کا احساس غم وماتم کی شکل میں جسقدر بھی صعب و شدید ہے وہ اس لیے کہ امیدواروں کی بخشش بے اندازہ برسوں سہل انکار رہی ہے۔ نااتفاقی و نفسانیت کے جراثیم نے جب جسد قومی میں سرایت کی نظام ہوش و حواس بگڑ گیا جس دن کہ شاہراہ شریعت سے ہٹے آج تک پھر عافیت میسر نہ ہوئی۔ ہم کو اب عیش و سرور کے زمزمے اور مسرت و انبساط کے نغمے بھی ملول و حزیں کرتے ہیں شیشہ وساغر کی کشش دلفریب دونی خلش و بیزاری پیدا کرتی ہے۔ گلگشت چمن جگر میں درد اور دل میں اضطراب کے نشتر چبھوتی ہے۔ سیر گلستاں کا لطف خلوتکدہ دماغ میں تخیلات کی اعانت سے عجیب تصورات بناتا اور روح میں افسردگی پیدا کرتا ہے۔ عیش و مسرت بھی آکر دل مضطرب کو اور بیقرار کر جاتے ہیں۔ طبیعت میں حسرت و یاس کا ہجوم رہتا ہے۔ بزم کہن کی یاد ہمارے دن کو رات بنائے ہوئے ہے ؎

گئی باغ دہر سے فصل گل نہیں بلبلوں کا وہ شور و غل
نہ وہ چہچہے نہ وہ جام و مُل نہ شراب ہے نہ کباب ہے

شریف احمد مرآد۔

حدیث فکری

میں اپنی خواب غفلت سے بیدار ہوا اور میرے عقل و شعور نے اپنے غلاف سے منھ نکالا! لیکن کس طرح؟ جیسے عروس صبح شب تاریک سے اپنا جلوہ نمایاں کرتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک نئی دنیا میں ہوں میرے پاس لذت بھی ہے اور حیرت بھی، فرحت بھی ہے اور مسرت بھی، چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔ درختوں کی شاخیں رقص میں مصروف ہیں۔ پھولوں کی مہک اور سبزے کی لہک سے دماغ تر و تازہ ہو رہا ہے آنکھیں نظارت حاصل کر رہی ہیں دل تفریح پا رہا ہے۔ یہ نظارۂ جاں بخش دیکھ کر بے اختیار میری زبان سے نکل گیا۔

"اے پاک پروردگار! اے فاطر السموات والارض بے شک، تو ہر تعریف کا مستحق ہے"

میں جو منظر اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں وہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور جو باتیں اس وقت سن رہا ہوں وہ کبھی نہ سنی تھیں۔ یہ امر مجھے ہزارہا مرتبہ پیش آیا۔ لیکن ایسی صورت کبھی نہیں واقع ہوئی۔ یہ خفا اور ظہور کیا ہیں؟ اور اس سے پہلے میرا احساس کہاں تھا؟ یارب! یہ خاموش چیزیں میری کچھ نہیں سنتیں۔ میں اپنے درد دل کس سے پوچھوں اور کون مجھے تسلی بخش جواب دے گا ہاں! میں ان سے پوچھتا ہوں۔ وہ جواب دیتی ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا۔ مگر یا اللہ! میں ایسی چیز کے جمال پر کیونکر صبر کروں اور ان چیزوں سے کیسے قطع نظر کروں جس کا تعلق تیری ذات سے ہے۔ کیا یہ بالکل ایسا ہی ہے، جیسے پتے خشک ہو ہو کر جھڑ جاتے ہیں پھر کونپلیں پھوٹتی ہیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں۔ لکڑیاں بنتی ہیں اور جل کر راکھ۔

ہو جاتی ہیں۔ کیا میں اسے سورج سمجھ لوں جو پہلے اپنی روشنی کو زمین کے ایک رخ پر ڈالتا ہے پھر دوسری جانب۔ غرض اس طرح وہ اپنی جگہ تو بدلتا رہتا ہے لیکن خود متغیر نہیں ہوتا

میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور منتظر تھا کہ شاید کوئی جواب ملے جو زخمِ جگر کا مرہم ہو۔ لیکن سب مبہوت! زمین کی طرف نظر ڈالی وہاں بھی یہی عالم دیکھا یا اللہ! کیا میرے سامنے وہی فضا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں؟ وہی دریا ہے جس کا کوئی ساحل نہیں؟ جس میں کبھی تو تجلیاتِ نور مرکوز ہوتی ہیں اور کبھی حجابِ ظلمت، کبھی روشنی پھیل جاتی ہے اور کبھی گھٹا ٹوپ اندھیرا آجاتا ہے نہیں معلوم یہ منظرِ عظیم کیا ہے۔ اگر ان کے نام سے واقفیت ہوتی تو ممکن تھا کہ راز سربستہ کھل جاتا۔ مگر نہیں! نام سے اُس حقیقت کا پتہ کیا لگ سکتا تھا جس کی سب مجھے تلاش ہے۔ دیکھو پھر روشنی پھیلی، نور نمودار ہوا۔ لیکن کیا اس لیے کہ مجھے پہچانے یا اس لیے کہ میں اسے پہچانوں۔ یہ تعلق میرے لیے تھا یا اس کے لیے یا ہم سب اس نور کے لیے تھے یا یہ نور ہمارے سب کے لیے تھا۔ مگر خیر کچھ بھی ہو۔ ہم سمجھ گئے کہ اے نور اگر تو نہ ہوتا تو ہم کسی کو نہ پہچانتے اور ہم نے اب پہچان لیا کہ تو کیا ہے۔ لیکن تب بھی یہ نہیں پہچانا کہ کیونکر پہچانا۔

آسمان و زمین کی وسعت اور ان کی عظمت کس قدر ہے وہ کتنی وسیع اور کتنی عظیم ہیں۔ لیکن باوجود اس کے میں نے اسکو ایک ایسی لوح پر نقش کیا ہے جو میرے دماغ میں محسوس بھی نہیں ہوتا۔ یہ دریا یا یہ سمندر میرے سامنے موجیں مار رہا ہے اور بہت بڑا ہے لیکن میرے نزدیک اسکی کوئی حقیقت نہیں۔ نہ میں اسکی وقعت کرتا ہوں نہ عظمت۔ لیکن کیوں؟ ہاں شاید اس لیے کہ وہ محدود ہے۔ یہ آفتاب جو ابھی طلوع ہوا ہے لوگ کہتے ہیں بہت بڑا ہے مگر پھر بھی ظلمات میں دیکھ چھوٹا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ خود اسی دریا کا قطرہ ہے

جو غیر محدود ہے۔

میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ تمام بڑی بڑی چیزیں باوجود بڑی بڑی ہونے کے اس تے سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں جو غیر محدود ہے۔ اسلیے جن چیزوں کو میں محسوس کرسکتا ہوں۔ ان سے نہ میری پیاس بجھ سکتی ہے نہ وہ میرے درد کی درماں ہوسکتی ہیں۔ یہ جتنی چیزیں ہم کو بھاتی ہیں، جن کو دیکھ کر ہم خوش ہو جاتے ہیں، جنھوں نے ہم کو موہ لیا ہے، وہ ہماری بھی مسخر ہیں لیکن کیا؟ ہم باوجود اس قدر چھوٹا سا جسم رکھنے کے ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔ نہیں! یہاں پھر حیرت نے دامن پکڑ لیا اور ان درختوں سے جو نئی دلھنوں کی طرح آہستہ آہستہ تھے سوال کیا۔ لیکن یا تو انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یا جواب دیا اور میں اُن کی سرسراہٹ کو سمجھا نہیں پھر میں نے رقص کرنے والے کبوتروں سے دریافت کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ یا اُن کی غٹرغوں میری سمجھ میں نہ آئی۔ بہر صورت مجھے ان چیزوں سے اُنس تھا کیونکہ وہ میری مالوف تھیں، محبوب تھیں، مطلوب تھیں، آخر کار میری محبت ان سرسبز جھومتے والے درختوں سے، گانے والے پتوں سے بڑھی اور یہاں تک بڑھی کہ میں ان کے کلام کی تفسیر کرنے لگا۔ انھوں نے مجھ کو حیات کے معنی سمجھائے اور مجھے میرے نفس کی طرف رجوع کیا۔ یہی میری گم شدہ متاع تھی جو میرے بغل میں تھی لیکن اس کی جستجو نے مجھے سرگرداں کیا۔ اس کی تلاش مجھے محدود عالم کے گوشے گوشے میں پھرا لائی۔ اب میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور اسکی گفتگو پر غور کیا۔ تو اُس نے کہا یقیناً میں اسی چھوٹے ذرہ کا ایک نہایت چھوٹا ذرہ ہوں جو آسمان کے درمیان حرکت کر رہا ہے۔ اور اس ذرہ صغیرہ میں بھی ہزارہا ایسے ذرّے ہیں جو اس ذرّے سے اربوں کی نسبت نہیں رکھتے ان میں سے ہر ایک ذرہ میں حیات موجود ہے، ہاں بالبعض ذرّے ایسے ہیں کہ اگر ان کی وضع میں فساد واقع ہو تو تمام ذروں سے حیات زائل ہو جاتی ہے، اور یہی وہ ذرّہ ہے، جس کے مجموعہ سے جسم انسانی تکون ہوتا ہے، اس بات سے میری سمجھ میں یہ آیا کہ حیات ایک ادراک اور حرکت ہے جو ان تمام ذرّوں میں ساری ہے۔

قسمر

فن طب زمانۂ جاہلیت میں

ان بہت سے علوم و فنون میں سے، جنکی بنیادیں ازمنۂ قدیمہ میں پڑ چکی تھیں، ایک فن طب بھی ہے جس کا سنگ بنیاد اور حجر اساس کلدانیوں کے ہاتھوں رکھا گیا، اور آئندہ چل کر اس پر مختلف زمانوں نے بڑی بڑی عالیشان عمارتیں قائم کیں، کلدانی ہی دنیا میں پہلی قوم ہے جس نے امراض کے علاج کے متعلق غور و فکر، تفحص و تجسس سے کام لیا اور موجد فن طب ہونے کا سنہرا تاج اپنے سر رکھا، اور پھر دنیا کی اور قوموں نے ان سے یہ لطیف فن سیکھا عربوں نے بھی، اس فن کو کلدانیوں ہی سے حاصل کیا، جب یہ یونانیوں کو ملا، تو چونکہ خدائے عز و جل نے ان کے دل و دماغ کو نہایت مناسب بنایا تھا، انھوں نے اسے نہایت مستحکم اور استوار کر دیا اس کے بابوں کی ترتیب دی، اس کے ہر حصہ کو الگ الگ بیان کیا، ان سے رومیوں اور فارس والوں نے لیا، چونکہ ان ممالک کا ہمعصر عرب تھا، عربوں نے کچھ یونانیوں کے طب سے انتخاب کیا، کچھ کلدانیوں سے حاصل کیا اور کچھ خود اپنی اس دماغی قوت سے کام لے کر جو ذات واحد کی طرف سے اس خطۂ زمین کے بسنے والوں کو خاص طور پر عنایت ہوئی تھی، ایجادات و اختراعات کئے ان سوا سے ان کے پاس وہ چیز تیار ہو گئی جسے ہم "زمانۂ جاہلیت کا فن طب" سے تعبیر کرتے ہیں، جو آج تک بوادی اور دیہاتوں کے بسنے والوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

ان کے مطب کرنے کے دو طریقے تھے، ایک تو کاہنوں اور عرافین کا طریقہ، دوسرا دوا اور علاج کا، کاہن اور عرافین، افسوں، جادو، سحر، تعویذ اور گنڈہ وغیرہ سے علاج کرتے تھے (جس کو ہمارے ہاں جھاڑ پھونک کہتے ہیں) یا خانۂ کعبہ میں ذبیحہ ذبح کرنے اور اس میں جا کر دعا کرنے یا مریض سے تاوان دلاتے تھے، غالباً یہی طریقہ ہمارے ہاں صدقہ کی صورت میں ہے وہ جماعات قدیمہ اور امم عتیقہ جو سحر، جادو، اور تعویذ وغیرہ سے علاج کرتی تھیں، مشہور و معروف تھے، اور ان کو اپنے اگلوں سے بہت سے تعویذ اور گنڈے ورثہ میں ملے تھے جن کے ذریعہ سے

وہ مریضوں کا علاج کرتے تھے، جب وہ کسی مریض کا علاج کرنے جاتے تو ان کے ساتھ دو خادم ہوتے تھے، ایک تو دعا اور تعویذ کا دفتر لیے ہوتا تھا، دوسرا بھی دواؤں کا صندوق لیے چلتا تھا، اپنے تعویذ گنڈوں سحر اور جادو میں وہ اپنے کسی معبود خصوصاً ایزیس اور ازیرس یا ودہ کی طرف دھیان کرتے تھے، اور ان کا نام بھی لیتے تھے، دواؤں کے بنانے کے وقت کچھ الفاظ اپنی زبان سے کہتے تھے، مثلاً:-

"یہی کتاب الشفا ہے، پس لیا ایزیس مجھکو شفا نہیں بخشے گا، جس طرح اس نے ہوریس کو ان تمام مصائب اور آلام سے نجات دی ہو اسکو اسکے بھائی ست کی طرف سے پہنچے تھے، جب اس نے اسکے باپ ازیریس کو قتل کیا تھا، پس اے ایزیس تو جو بہت بڑا جادوگر ہے مجھکو شفا بخش مجھکو ہر برائی، شیطانی کام اور ہر قسم کے مہلک امراض سے نجات دے، جس میں تو مجھ کو مبتلا کرتا ہے جس طرح تو نے اپنے بیٹے کو نجات دی ...."

یہی دعا دوا پینے کے وقت بھی پڑھتے تھے، ان لوگوں کے پاس ارواح قبیحہ کے، جو انکے خیال کے مطابق امراض کا سبب بنتی تھیں، نکالنے کی دعائیں تھیں، انھیں خیالات کی بنا پر عربی جن اور شیطان سے نکالنے کے لیے اپنے بتوں کے نام کی دعائیں اور سحر پڑھتے تھے، اور اسی طرح جب انکو وبا کا خوف ہوتا تھا تو وہ گدھوں کی طرح چیختے تھے، اُن کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے وہ وبا سے محفوظ رہیں گے، ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ بادشاہوں کا خون ہلاکت سے نجات دیتا ہے۔

لیکن جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے میں وہ مصریوں اور دوسری قدیم قوموں کے مشابہ تھے، مفرد بوٹیوں اور پینے کی چیزوں خصوصاً شہد سے علاج کیا کرتے تھے یہ شکم کے امراض کے علاج کرنے کا طریقہ تھا امراض کے علاج کی آخری صورت اُن کے ہاں زخم کرنا، فصد لینی اور داغ کرنا (یا چھ کرنا) تھی، انکا قول تھا کہ ہر مرض کا آخری علاج اس عضو پر داغ لگانا ہے جسمیں وہ مرض ہے، بہت سے لوگوں کے علاج کرنے کا قاعدہ یہ تھا کہ اس عضو کو بالکل کاٹ کر جدا کر دیتے تھے، جیسا کہ آج بھی بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر سانپ کے کاٹے ہوئے عضو بدن کو جسم سے الگ کر دینے کا مشورہ دیتے ہیں، جب انھیں کسی آدمی کا کوئی عضو کاٹنا ہوتا تھا تو اسے آگ کے کنارے گرم کرتے تھے اور پھر کاٹ ڈالتے تھے، چنانچہ انھوں نے سحرین عام اور فسا کے بھائیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا، جو آدمی احول ہوتا تھا اسے اطبا حکم دیتے تھے کہ وہ چکی کو چلنے کی حالت میں دیکھے انکا خیال تھا کہ آنکھ ہی سے قائم رہتی ہے، معالجہ کے ان طریقوں میں سے جنکو ہم نے ابھی گنایا ہے ایک عجیب طریقہ یہ بھی تھا کہ جب کوئی عورت ڈرتی تھی تو اسے گرم پانی پلاتے تھے تاکہ اس کا دل ٹھنڈا ہو جائے۔

(محمد اسمعیل)

کلامِ جوہرؔ

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ھل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

غیروں کے ساتھ ہم سے الگ، حیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

کیا زندگی وہ جس میں کوئی آرزو نہ ہو
رہتی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ روکشی
ڈھونڈھیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

خوگرِ جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے، وہاں خوفِ خدا اور سہی

دیتِ عزت کے لیے بھی کوئی رہنے دو خطاب
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

دل و دیں جا ہی چکا جان بھی باقی ہو تو جائے
ترکشِ ناز میں اک تیرِ قضا اور سہی

حکمِ حاکم نہ سہی مرگِ مفاجات سے کم
ملک الموت پہ ایماں کی سزا اور سہی

ہم وفا کیشوں کا ایماں بھی ہے پروانہ صفت
شمعِ محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی

جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دیکھا ہے
اُس گنہگار کو اک روزِ جزا اور سہی

عہدِ اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو
تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

---

[1] مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن)

مکالمۂ محبت

(ماخوذ از نظم سروجنی نائڈو صاحبہ)

(۱)

چاند سے مکھڑے کی جھلک ہم کو دکھا دو تم ذرا ۔ منھ پہ ہے یہ نقاب کیوں اسکو اٹھا دو تم ذرا

پھولوں کے گجرے خوشنما چوٹی میں یہ پڑے ہوئے ۔ بال یہ اسقدر سیاہ کیوڑے میں سب بسے ہوئے

جھالریں ریشمی تری نیند کو جو اڑاتی ہیں ۔ بالوں کی یہ سیہ لٹیں منھ پہ جو ڈھلکے آتی ہیں

طرفہ جھجروں کی یہ صدا اور بھی دلگداز ہے ۔ پاؤں میں چوڑیاں ہیں یہ یا کوئی نے نواز ہے۔

غنچۂ دل کھلے ذرا روح فزا نظر فزا ۔ زلفِ سیہ کا لخلخہ غش میں سنگھائیے ذرا

(۲)

تیرے دکھانے کے لیے چہرہ میں اپنا کھول دوں ۔ میرے دھرم کی ننگ ہے ایسا میں کس طرح کروں

گاؤ کُشی جو کرتے ہیں اُنکی میں آشنا بنوں ۔ بیٹھے بٹھائے اپنے سر کیوں یہ عذاب مول لوں

اپنے حواس میں نہیں ہو گیا ہے سڑی موا ۔ چھوڑ دوں ذات والوں کو دشمنوں کے لیے بھلا

ایسی ہیں نا سمجھ نہیں آ کے تمھاری بات میں ۔ کر کے تمھارا میں کہا بٹہ لگاؤں ذات میں

تری ہی ذات والوں نے خون بہت بہایا ہے ۔ تیری ہی ذات والوں نے دیویوں کو ستایا ہے

برسوں سے ہوتے آئے ہیں جھگڑے لڑائی دشمنی ۔ میرے تمھارے لوگوں میں بن نہیں سکتی ہے کبھی

(۳)

میری ہے آمیں کیا خطا میں نے تمھارا کیا کیا ۔ سوچو تو دل میں مہ لقا ہوتے ہو مجھ پہ کیوں خفا

دیر ہو یا حرم سرا کعبہ ہو یا ہو بت کدہ ۔ مذہب عشق کو بھلا ان سے کہاں کا واسطہ

عشق میں دونوں ایک ہیں نغمۂ سنکھ یا اذاں ۔ شیخ ہو یا ہو برہمن دونوں ہیں ہمقدم یہاں

آنسو اگر بہا دیے آنکھوں نے آکے جوش میں ۔ اشکِ رواں کی شست و شو دھوئیگی ساری کلفتیں

مانو وفا کا تم کہا چھوڑو خیال ذات کا

جانے دو پچھلی باتوں کو آؤ گلے ملو ذرا

وفا صدیقی

غنچہ و شاعر

(شاعر)

بہار باغ کے مہمان شاد کام ہے تو — چمن کے ہاتھ میں عشرت کا ایک جام ہے تو
شمیم گل سے ہے لبریز عطر داں تیرا — ہے عندلیب تری اور گلستاں تیرا
چمن میں اپنا تجھے دل سمجھ رہا ہے کوئی — خوشی سے کانٹوں میں تیرے الجھ رہا ہے کوئی
مگر کہیں نہ غضب ڈھائے یہ جمال ترا — ڈرا رہا ہے مجھے تو غمِ مآل ترا
نظر سے اہلِ جہاں کے نہ ہو گیا روپوش — ہوا تو صحنِ گلستاں میں آ کے جلوہ فروش
صبا کا جھونکا جو تیری طرف کو آتا ہے — تو جھوم جھوم کے کیسا تو مسکراتا ہے
خزاں کا خوف نہ گلچیں کا کوئی ڈر تجکو — مآلِ حسن کی شاید خبر نہیں تجکو

(غنچہ)

مرا وجود مرقع ہے میری حالت کا — یہ انبساط تقاضا ہے میری فطرت کا
مآلِ کار پہ رکھوں نظر تو ہوں مغموم — نہیں اصولِ زیست سے تیری طرح میں محروم
اصولِ زیست سے تو آشنا نہیں ہے ابھی — یہ ایک رمز ہے تو جاننا نہیں ہے ابھی
زیادہ مجھ سے نگہباں ہے مرا رب قدیر — بدل نہ جائے گی گریہ سے کچھ مری تقدیر
ہے وسعتِ خلقِ عالم میں جب مرا انجام — یہ ہچکیاں بھی ہیں مجکو نشاط کا پیغام
جو زخم دل کا مرے رفتہ رفتہ چھلتا ہے — تو برگ برگ مسرت سے اور کھلتا ہے
دکھا دکھا کے تبسم سے جسمِ رنگیں کو — لبھا رہا ہوں میں خود ہی نگاہِ گلچیں کو

غرض یہ ہے مری ہستی کسی کے کام آئے
یہ جسمِ نازک مرا شاخ پر نہ مرجھائے

محمود اسرائیلی

حضرت آفق امروہوی

تڑپ کر یوں اسیرانِ قفس گلشن میں مرتے ہیں
ہوا سے جس طرح برگ خزاں دیدہ بکھرتے ہیں

گلا خود کاٹ کر مقتل میں اپنا آپ مرتے ہیں
تری تیغِ ادا کے آج ہم صدقے اُترتے ہیں

وہی پاتے ہیں کچھ لذت حیات جاودانی کی
جو اپنی جان تیری راہ میں قربان کرتے ہیں

یہ پروانے نے سوز شمع میں دکھلا دیا جل کر
کہ یوں جانبازِ الفت عشق میں جی سے گزرتے ہیں

چراغ طور کے مانند شعلہ دل سے اُٹھتا ہے
چمک جاتی ہے اک تجلی سی جب ہم آہ کرتے ہیں

ہمارا امتحاں لے کر بہت پچھتاؤ گے دیکھو
زباں سے ہم جو کہہ دیتے ہیں وہ کر بھی گزرتے ہیں

ملا کر خاک میں بھی مجکو چین اُن کو نہیں آتا
وہ میری قبر بھی ٹھکرا کے اب برباد کرتے ہیں

میں جتنا الفت و مہر و وفا سے پیش آتا ہوں
وہ اُتنا ہی جور و جفا و ظلم کرتے ہیں

خبر کیا ہے تمھیں صاحب کسی کے درد پنہاں کی
خدا ہی جانتا ہے مجھ پہ جو صدمے گزرتے ہیں

ترے پیچھے ہماری جان بھی جائے تو کیا غم ہے
ہمیں جانبازِ الفت وہ کہیں مرنے سے ڈرتے ہیں

بُرے کو جو بھرے وہ شخص ہے تعریف کے قابل
جو اچھے ہیں آفق اُن کو جہاں میں سب ہی بھرتے ہیں

رزولیوشن محکمہ سرکار عالی محررۂ معتمد عدالت کوتوالی و امورعامہ (صیغۂ تعلیمات)

مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء م ۱۳ آذر ۱۳۲۷ف یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

مقدمہ

ممالک محروسۂ سرکار عالی کے لیے ایک جداگانہ یونیورسٹی کا قیام

کاغذات ذیل ملاحظہ ہوئے۔

(۱) عرضداشت مورخہ ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ (ہجری) مع یادداشت معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ جس میں ممالک محروسۂ سرکار عالی میں اعلیٰ تعلیم کی موجودہ حالت پر نظر کی گئی ہے اور اُسکی ترقی کے لیے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ حیدرآباد کے لیے ایک جداگانہ یونیورسٹی قائم کیجائے جسکی

خاص نوعیت یہ ہو کہ اعلیٰ ترین درجہ تک تعلیم کا ذریعہ اُردو زبان ہو مگر انگریزی ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے برقرار رہے۔

(۲) فرمان خسروی مترشحہ ۴ رجب المرجب ۱۳۳۵ ہجری دربارہ صدور منظوری تجویز مذکورہ

(۳) عرضداشت مع یادداشت معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ دربارہ قیام سررشتہ تالیف و ترجمہ معروضہ ۱۴ شوال ۱۳۳۵ ہجری۔

(۴) فرمان خسروی مترشحہ ۲۵ شوال ۱۳۳۵ ہجری دربارہ منظوری تقرر مہتمم مترجمین مع عملہ۔

(۵) مراسلہ محکمۂ فینانس نشان (۲۵۳۱) مورخہ ۵ آبان ۱۳۲۶ ف۔

حضرت اقدس اعلیٰ نے بذریعہ فرمان مترشحہ ۴ رجب المرجب ۱۳۳۵ ہجری م ۲۶ اپریل ۱۹۱۷ء ازراہ مراحم خسروانہ حیدرآباد میں عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کا حکم نافذ فرمایا ہے اس اسکیم کی کامل صراحت اسوقت تک نہیں شائع ہو سکتی جب تک کہ اسکے تفصیلات و جزئیات طے نہ کر لیے جائیں مگر طریق عمل کے عام اصول طے ہو گئے ہیں اور اب اطلاع عام کے لیے شائع کیے جاتے ہیں فرمان مبارک یہ ہے

حکم

"مجھے بھی عرضداشت اور یادداشت کے مضمون سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ کے لیے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی، دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔ اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو۔ اور دوسرے طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام بھی جاری رہے۔

اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اُردو قرار دیا جائے مگر انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے۔ لہذا میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں حسب مذکور صدر حوالہ عرضداشت ممالک محروسہ کے لیے حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کی جائے۔ اس یونیورسٹی کا نام "عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد" ہوگا۔"

یہ احکام مبارک فرجام اس یقین پر مبنی ہیں جس میں بہت سے اہل تعلیمی ماہرین بھی شامل ہیں کہ طالب علم ان چیزوں کو جو دوسری زبان کے وسیلہ سے سکھائی جاتی ہے اس آسانی سے

ذہن نشین نہیں کرسکتا جس آسانی سے وہ ان خیالات کو ذہن نشین کرسکتا ہے جو خود اُسکی مادری زبان میں سکھائی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ علم جس قدر زیادہ ذہن نشین ہوتا ہے اُسیقدر زیادہ دل میں وہ تحقیق و تفتیش کا ولولہ پیدا کرتا ہے اس ریاست میں جو زبانیں رائج ہیں ان میں سے اُردو زبان عثمانیہ یونیورسٹی میں تعلیم کا ذریعہ قرار دی گئی ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ یہ اس ریاست کی سرکاری زبان ہے بلکہ نیز اس وجہ سے کہ یہی وہ زبان ہے جو کم و بیش تمام ممالک محروسہ میں سمجھی جاتی ہے خاص کر شہری آبادی میں جہاں حضرت اقدس و اعلےٰ کے رعایا کے وہ لوگ زیادہ آباد ہیں جو بالعموم ثانوی تعلیم میں داخل ہوتے ہیں تاہم انگریزی تعلیم تمام طلبہ کے لیے لازمی قرار دی گئی ہے کیونکہ گورنمنٹ کو اس امر کی فکر ہے کہ اس یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہندوستان کے موجودہ یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتوں سے اس زبان کی علمی عملی واقفیت میں کسی طرح کم نہوں جو زندگی کے ہر شعبہ میں ناگزیر ہوگئی ہے حیدرآباد کا دارالعلوم جسمیں اُردو کے ذریعہ سے مشرقی علوم کی اعلےٰ درجہ تک تعلیم ہوتی ہے اور متعدد مدارس فوقانیہ و وسطانیہ جو سارے ممالک محروسہ سرکار عالی میں پھیلے ہوئے ہیں اور جو اعلیٰ علوم کے لیے طلبہ بہم پہنچاتے ہیں ایک دیسی یونیورسٹی کے نشو و نما کے لیے جیسے کہ عثمانیہ یونیورسٹی تجویز ہوئی ہے اچھی بنیاد کا کام دیسکتے ہیں یہ مدارس کُلیتاً از سر نو درست و مضبوط کیے جائینگے اور اُنکے نصاب موجودہ میں ایسی ترمیم و اضافہ کیا جائے گا جس سے مقصود مد نظر حاصل ہوسکے سرکار عالی کو توقع ہے کہ جب یہ مضامین تمام جو ایک دیسی زبان میں سکھائے جائیں گے یہ مدارس تعلیم و تربیت کے لیے زیادہ موزوں ذرائع ثابت ہوں گے حضرت اقدس و اعلےٰ کے اس فیصلہ میں کہ زبان اُردو ذریعۂ تعلیم قرار دیا جائے لابدی طور پر یہ ابتدائی تدابیر شامل ہے کہ زبان اُردو میں علوم جدیدہ اور دوسرے مضامین پر مناسب حال کتابیں مہیا کرنے کے لیے ایک جداگانہ سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا جائے اور قبل اسکے کہ عثمانیہ یونیورسٹی مکمل ہو ایک معتدبہ زمانہ اس میں صرف ہوگا۔

فی الحال سرکار عالی کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ مدراس یونیورسٹی سے قطع تعلق کرلیا جائے اور یونیورسٹی مذکور سے جسقدر تعلق ہے بحالت موجودہ اس میں تبدیلی پیدا کی جائے چنانچہ اُن طلبا کے فائدہ کی خاطر جو اپنی تعلیمی زبان انگریزی رکھنا پسند کرتے اور مدراس یونیورسٹی سے بی - اے کی سند حاصل کرنا چاہتے ہیں نظام کالج اور اُسکے معاون انگریزی مدارس فوقانیہ (انگلش ہائی اسکول) برابر جاری رہیں گے اور اُنھیں نہایت قابل اطمینان اور بہتر سے بہتر حالت میں قائم رکھا جائے گا۔

عثمانیہ یونیورسٹی کا جس میں ایک دیسی زبان یعنی اُردو ذریعۂ تعلیم قرار دی گئی ہے عالم وجود

ایک ایسا کام ہے جسے عام طور پر لوگ تجربہ کیے جانے کے لائق سمجھتے ہیں اور جس کے نتائج دیکھنے کا ہر شخص کو جو ملکی ترقی کا خواہاں ہے یقیناً دل سے اشتیاق ہوگا اور اگر یہ نئی یونیورسٹی ہندوستان کی موجودہ یونیورسٹیوں کی نسبت زیادہ سہولت و خوبی کے ساتھ علوم جدیدہ کو طلبہ کے ذہن نشین کرنے میں کامیاب ہوگئی اور اسی کے ساتھ اُسکے تعلیم یافتہ زبان انگریزی پر بھی وہی قدرت و دستگاہ حاصل کرسکے جو دوسرے یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کو ہوتی ہے تو بے شبہ یہی اصول تعلیم ہندوستان کے دوسری بڑی بڑی زبانوں کے واسطے بھی اختیار کیا جا سکے گا۔

نظر بریں سرکار عالی کو پورا اعتماد ہے کہ تمام ممالک محروسہ میں حضرت اقدس و اعلیٰ خلد اللہ ملکہ کی عقیدت کیش رعایا عثمانیہ یونیورسٹی کا دلی جوش کے ساتھ خیر مقدم کرے گی اور اس نو خیز تحریک کی بار آوری اور کامیابی کے واسطے جو سرکار عالی کے نزدیک ہندوستان کی تعلیمی دنیا میں ایک نہایت پر امید تجربہ ہے ہر طرح سے اسکی تائید و حمایت پر آمادہ ہو جائے گی اس تحریک سے متعلق پہلا عملی کام جو اس وقت تک کیا گیا ہے ایک سررشتۂ تالیف و ترجمہ کا قیام ہے جس میں انگریزی کے آٹھ قابل و لائق اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو زبان اُردو کی انشا پردازی میں روشناس زمانہ ہو چکے ہیں ان میں سے ہر ایک کی ماہوار تدریجی اضافہ کے ساتھ تین سو روپیہ سے پانچسو روپیہ تک قرار دی گئی ہے اور وہ اُردو زبان کے مشہور فاضل مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے کی نگرانی میں کام کرتے ہیں ان میں سے دو صاحب طبیعات اور سائنس کی کتابیں اُردو زبان میں تالیف و ترجمہ کریں گے اور علوم ریاضی فلسفہ سیاسیات معاشیات تاریخ اور قانون باقی مترجمین کے سپرد ہوں گے سررشتۂ ترجمہ و تالیف کے مصارف دائرہ یعنے مترجمین اور عملہ کی ماہانہ تنخواہیں۔ مصارف طبع کتب اور اخراجات متفرقہ کے واسطے بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی نے مناسب رقم ماہانہ کی منظوری صادر فرمائی ہے اور اسکے علاوہ سو ہزار روپیہ کی یکمشت رقم دوسری ضروری اور ابتدائی مصارف کے لیے بھی عطا فرمائی ہے جس میں سے دس ہزار روپیہ اس کام میں لایا جائے گا کہ نصاب تعلیم کی اُردو کتابیں۔ اُن کتابوں کے علاوہ جو ماہوار یاب مترجمین تیار کریں گے علحدہ علحدہ باہر کے لوگوں سے بامعاوضہ ترجمہ کرائی جائیں یونیورسٹی کے شعبۂ فنون (فیکلٹی آف آرٹس) کا نصاب تجویز کیا جا چکا ہے جو ہندوستان کے ممتاز ماہرین تعلیم کی خدمت میں تنقید و تبصرہ کی غرض سے گشت کرایا جا رہا ہے اور شعبۂ الٰہیات (فیکلٹی آف تھیالوجی) کا نصاب تجویز کرنے کے لیے بھی ایک کمیٹی کام کر رہی ہے۔

حسب الحکم

معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ

محجوب ہو، خلق تمہارے اور تمہارے نفس کے درمیان مین پردہ ہے،
تمہارا نفس تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان پردہ ہے،
جب تک تم خلق کو دیکھتے رہو گے، اپنے نفس کو نہ دیکھ سکو گے، اور جب تک
اپنے نفس کو دیکھتے رہوگے، اپنے رب کو نہ دیکھ سکو گے؟

(۷)

احباب کو نصیحت اپنے دوستون سے ہمیشہ ارشاد ہوتا تھا کہ
پہلوں کی پیروی کرو (دین مین نئی بات) بدعت پیدا نہ کرو، اطاعت کرو،
مخالفت سے ڈرو، صبر کرو گھبراو نہین، ثابت قدم رہو، پراگندہ اور مذبذب نہ
ہو، منتظر رہو ناامید نہ ہو، متفق ہو کر ذکر کرو متفرق نہ ہو، یعنی انہماک و اجتماع
خیالات سب طرف سے یکسو ہو کر گناہوں سے بچو ان میں آلودہ نہ ہو، اپنے آقا کے
دروازہ سے غیر حاضر نہ ہو،
جب کوئی بلا تمہیں گھیرے تو سب سے پہلے اسکے دفعیہ مین خود حرکت کرو،
(انتظام) اگر نجات نہ ہو تو حاکموں سے مدد لو، اگر نجات نہ ہو تو اپنے رب کے
سامنے کمال گریہ وزاری و عاجزی سے اپنے آپ کو ڈالدو، اگر شنوائی نہ ہو تو
یہان تک صبر کرو کہ سارے اسباب و حرکات منقطع ہو جائین، تاکہ ایک ایسی
روح ہو کر رہ جاو کہ حق جل و علاہی کا فعل اسے دکھائی دینے لگے، یہانتک کہ
(موحد ہو جاو) اس وقت تم کو یقین ہو جائیگا کہ سوائے اللہ کے کوئی فاعل
نہیں جب اس کو وہ مشاہدہ کریگا، تو اللہ اُس کے کام اور شکل کا کفیل ہو جائیگا
جب وہ کفیل ہو تو اب کیا غم ہے، عیش و لطف کی زندگی ہے اور وہ زندگی ہے
جس سے بادشاہون کو بھی حصہ نہین ملا جب تک تم خلق سے مرو گے تو کہا جائیگا کہ خدا
تم پر رحم فرمائے اور تم کو تمہاری خواہشوں سے موت دے جب تم کو تمہاری

خواہشوں سے موت حاصل ہوگی تو کہا جائیگا کہ خدا نے تم پر رحم فرمایا تمکو تمہار[illegible]
ارادہ اور آرزو سے موت دے جب تم کو تمہارے ارادے اور آرزو سے موت
حاصل ہوگی تو کہا جائیگا کہ اللہ نے تم پر رحم فرمایا اور تم کو (زندہ کیا) تب تم [illegible]
پاک زندگی بسر کروگے جس کے بعد پھر موت کا اندیشہ نہیں پھر ایسے مالدا[ر]
ہوگے جس کے بعد فلاس کا خطرہ نہیں، ایسا عطیہ پاؤگے جس کے بعد [illegible]
نہیں۔ ایسا علم حاصل ہوگا جس کے بعد پھر جہل نہیں،

(۸)

فنا کے متعلق فنا ایک دولت ہے، پس خلق سے فنا ہو جاؤ، اور اپنی خواہشوں سے [illegible]
کہ پروردگار کا حکم ہے۔

(۹)

شرک خواص کا شرک یہ ہے کہ سہو و نسیان سے غلبۂ حال و خوف کے طور
اپنے ارادہ کو حق کے ارادہ کے ساتھ شریک کریں پس رب العزت :
کرنے اور یاد دلانے کے ذریعہ سے ان کی مدد کرتا ہے، تب وہ توبہ کرتے
اور مغفرت چاہتے ہیں، اس لئے کہ ارادہ سے ملایک اور انبیا علیہم ال[سلام]
کے سوا کوئی بچا ہوا نہیں۔ جو مخلوق مکلف ہے وہ بچی ہوئی نہیں صرف
قدر ہے کہ اولیا اللہ کی انفسانی خواہشوں سے حفاظت کی جاتی ہے
ابدال کی ارادہ سے ان کے لئے ارادہ بھی شرک ہو جاتا ہے۔

(۱۰)

دوستوں کو نصیحت اپنے نفس سے باہر نکلو، اس سے دور ہو جاؤ، اپنی املاک سے [illegible]
[illegible] سب کو اپنے آقا کے سپرد کرو، اپنے قلب
[illegible] کی جانب سے دربان بنکر بیٹھو، جس کو وہ اندر بلا[ئے]

کو آنے دو جس کی وہ اجازت نہ دے اس کو دروازہ سے دور کرو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

(۱۱)

ایضاً

بچتے رہو، مائل نہ ہو، ڈرتے رہو بے خم نہ ہو، تفتیش کرتے رہو غافل نہ ہو، ورنہ تم کو اطمینان جس کو سوت کی خاموشی کہا جا سکتا ہے۔ گھیر لے گا، کسی حال یا مقال کو اپنی جانب منسوب نہ کرو۔ اس کی اطلاع سب کو نہ دو، کیونکہ اللہ تعالے ہر روز ایک نہ ایک کام میں ہے،

یعنی تغیر و تبدل میں آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے،

جب تم جس کی خبر دو گے اس سے تم کو ہٹا دیگا، اور جس حال کے ٹھہر جانے کا خیال دل میں لاؤ گے اس سے تم کو الگ کر دیگا۔

پس اب جس کو تم اس کی خبر دو گے، اس کے نزدیک تم شرمندہ ہو گے، بلکہ اس کی نگہداشت کرو، اور اس کو دوسرے تک پہنچنے نہ دو اگر ثبات و بقا ہو تو اس کی عنایت سمجھو، اور شکر و مغفرت چاہو، اگر ثبات و بیداری بقا کے سوا اور کچھ ہو تو اس میں علم معرفت تادیب کی بیداری ہی گی رب العزت کا ارشاد ہے۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا،

ہم کوئی آیۃ منسوخ کر دیں یا ذہن سے اتار دیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی نازل بھی کر دیتے ہیں

جب رب العزت ایک حالت پر تم کو قایم کر دے تو اس کے سوا اور کسی حالت کو خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ نہ چاہو۔

اس مقام پر امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے ایک توضیحی تقریر طبقات الکبریٰ لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ادنیٰ کی طلب کا ممتنع ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ ادنیٰ سے اس چیز کا بدلنا چاہیگا۔ جو اس سے بہتر ہو گی اور اعلے!

کی صورت میں یہ ہے کہ اس کی طالب میں نفسانی خواہش، نارش، راہ پائی گئی ہیں شیخ کی ممانعت اس کے لئے ہے جو ہنوز نفس کی خواہشوں کے اندیشہ سے آزاد نہیں ہوا۔ جو آزاد ہے اس کے لئے ترقی مراتب کا سوال خالص بندگی ہے۔

شیخ کے ارشاد میں یہ اغلاق واقعہ تھا کہ ترقی مراتب کا سوال نہ چاہئے اس کو امام شعرانی نے صاف کر دیا۔ اور درمیان میں شرط تبلادی کہ جو شخص نفسانی خواہشوں سے ہنوز آزاد نہیں ہوا اس کو شیخ کے کلام پر توجہ کرنی چاہئے۔ جو آزاد ہے وہ مستحق سوال ہے۔

(۱۲)

بادشاہوں کے یہاں جانا آنا

اگر تم بادشاہوں کے گھروں میں جاؤ۔ تو اس طرح جاؤ کہ جبر سے لے جائے جاؤ۔ صرف مطلب پر جانا مہلک ہے اس وقت تک تامل کرو کہ داخل ہونے پر مجبور کئے جاؤ۔

نگاہ کی حفاظت

(۱۳)

رب العزت کا نبی کریم کو حکم ہے، کہ " ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجاً منہم زہرۃ الحیوٰۃ لنفتنہم فیہ ط ورزق ربک خیر وابقیٰ

(اے پیغمبر) ہم نے جو مختلف قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی رونق کے ساز و سامان استعمال کے لئے دے رکھے ہیں۔ کہ ان کو ان کے حال میں آزمائیں (اس طرف) تم اپنی نظر نہ دوڑانا۔ تمہارے پروردگار کی دی ہوئی روزی کہیں بہتر ہے اور پائیدہ تر ہے۔

نعمتوں کے حصول اور آفات کے دفع میں خود کو کچھ نہ سمجھو، نعمتیں تو تم کو ضرور ہی پہنچیں گی۔ خواہ تم کو گوارا ہو یا نہ ہو، اور آفات تم میں موجود ہیں،

تم چاہے خوش ہو یا رنجیدہ؛ دفعہ کر دیا نہ کرو)

پس تسلیم اختیار کرو، جو چاہے وہ کرے، اگر نعمتوں کی بارش ہو شکر کرو اس کی یاد میں مصروف و مشغول ہو، اگر کوئی مصیبت و آفات آئیں تو پھر صبر و موافقت و رضا اختیار کرو، اور اس سے مزے لینے اور اس سے معدوم و فنا ہو جانے میں ان حالات کی بنا پر جو تم کو عطا ہوں، ان میں مشغول ہو۔ اور ان میں منتقل ہوتے رہو، یہاں تک کہ رفیق اعلیٰ تک پہنچ جاؤ، یہاں تک کہ صدیقین و شہدا میں شامل ہو جاؤ،

مصیبت سے گھبرانا نہ چاہئے، ہر مصیبت جہنم کی آگ سے کم ہے،

مولا فداہ ای ابی، نے بتایا ہے کہ جہنم کی آگ مومن سے کہے گی کہ اے مومن گذر جا،) ترے نور نے مرے شعلہ کو سرد کر دیا ہے۔ یہ وہی نور ہے جو ہر بندہ کے ساتھ دنیا میں ہے، اور اسی سے وہ نافرمانی کرنے والے سے ممتاز ہوگا، پس مناسب ہے کہ اسی نور سے مصیبت پر قابو پائے۔

کیونکہ مصائب ہلاک کرنے کے واسطے نہیں آیا کرتی ہیں۔ بلکہ آزمائش مقصود ہے۔ جو تکلیف پہنچے اس کا اظہار کسی پر مت کرو، دکھ یا سکھ جو ہو اس پر رازداری سے خاموش شاکر و صابر رہو، کسی پر تہمت مت رکھو کہ فلاں نے مصیبت ڈالی فاعل حقیقی وہی ہے۔"

(۱۴)

نعمت کی حفاظت جبکہ تم عافیت میں ہو، اور تمہارے پاس کسی قسم کی نعمت ہو تو زیادہ طلبی کے لئے اس کو حقیر جان کر اللہ تعالےٰ کی شکایت نہ کرو ممکن ہے کہ وہ تم پر ناراض ہو، جو ہے اس کو بھی تم سے واپس لے لیا جائے۔ جو تم نے کہا وہ سچ ہی ہو جائے۔ اور مصیبت اضافہ کر دی جائے۔ انسان جب اکثر

بلائیں ناشکری سے آتی ہین؛

بادشاہون کی ہم نشینی

بادشاہون کی صحبت کے لایق وہی ہے۔ جو نفسانی خواہشون، ناپاکیون مخالفتون سے پاک ہو پھر جو دوجہان کے بادشاہ کی ہمنشینی چاہتا ہے، اسکو کیسا ہونا چاہئے رب العزت جو دوجہان کا بادشاہ ہے اسکے دروازہ کا قصد اسی کوزیبا ہے جو دعوئ خواہشون سے جدا ہوگیا ہو، حالانکہ بھائی تم رات دن گناہ گن کر نہیں کرتے۔

یہ اس کا ہم پر احسان ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتون سے وہ ہم کو بڑی بڑی آلائشون سے پاک کردیتا ہے، ایک دن کی تپ ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہے، بیماری تم پر اس لئے بھیجی جاتی ہے، مصیبت اس لئے آتی ہے کہ تم اس کی ہمنشینی کے قابل ہوجاؤ، سب سے پہلے بلائیں انبیا پر آتی ہین۔ پھر درجہ بدرجہ دائمی بلا کے ساتھ ولایت کے جو والے مخصوص ہین یہ خاص انہی کا حصہ ہے کیونکہ یہ ہردم کے حاضر باش ہوتے ہین ہر وقت پاک کئے جاتے ہین۔ جب بندہ پر مصیبت آتی ہے۔ تو دل اس کا قوی ہوجاتا ہے۔ اور خواہش کمزور [illegible] یہ دولت ہے،

(۱۶)

کمی وبیشی

اگر تمہارے پاس کمی ہو یا زیادتی اس کا شکر ہر حال مین بجا لاؤ۔ اس کے ازلی حکم مین اعتراض نہ کرو، ورنہ وہ تم کو بدنام کردیگا اس سے غافل نہ ہو، ورنہ تم کو خراب کردیگا؛ اس کے دین مین اپنی نفسانی خواہش کو دخل نہ دو ورنہ تمکو تباہ کردیگا۔

(۱۷)

ظلم

کسی پر ظلم نہ کرو کسی کو برا سمجھنا اور اس سے بدگمان رہنا یہ بھی ظلم ہے،

ممکن ہے تم نے غلط سمجھا ہو، اور تمہارا پروردگار ظالم سے درگذر نہیں کرتا،
جب کسی شخص سے تم کو عداوت ہو تو دیکھو کہ اس کا عمل کتاب و سنت پر ہے
یا نہیں اگر نہیں ہے تو بلاشک اس کو برا سمجھو اگر موافق ہے تو اچھا سمجھو تاکہ
کچھ بھی عند اللہ ہو اور تمہاری ذاتی غرض اس میں کچھ نہ ہو،
کسی کو اس وقت تک برا نہ سمجھو جب تک اس کو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کرتے ؛
دیکھو اپنی آنکھ سے، یا یقین و علم صادق سے ۔

(۱۸)

نفس کی خواہش

رب العزت فرماتا ہے "ولا تتبع الہویٰ فیضلک عن سبیل اللہ" جہاں تک
ہو اس بلا سے بہت محفوظ رہنے کی فکر رکھو،
اپنی نفسانی خواہش پر نہ چلنا ورنہ تم کو خدا کے رستے سے ہٹا دیگی ۔

(۱۹)

عنایت ایزدی

جب رب العزت کسی کو دوست رکھتا ہے، تو اس کے مال اور اولاد میں
افزائش بند کر دیتا ہے، تاکہ وہ تعلق خواہش کو اللہ سے ہٹا دوسرے کی محبت
میں آلودہ نہ ہو،
رب العزت غیور ہے، شرکت کو پسند نہیں فرماتا،
امام شعرانی نے اس مقام کی توضیح میں فرمایا ہے اگر ولی ایسے مقام تک
پہنچ جائے کہ کوئی چیز اس کو خدا سے جدا نہ کر سکے تو اولاد و اموال کا مضائقہ نہیں

(۲۰)

روحانیوں میں تمثیلیت

جب تک تم اپنی ذات سے کسی وجہ سے دشمنی نہ کرو، اپنے کل جوارح و اعضا
جانی نہ انتہا کرو، اپنی ہستی، تمہاری بینائی، گرفت، دوڑ دھوپ، عمل، عقل
ان کل چیزوں سے جدا نہ ہو جاؤ جو کہ روح کے جسم میں پیدا کی گئی ہیں،

تم روحانیت نہیں پا سکتے" جیسا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بتوں کی نسبت کہا تھا اور رب العزت نے اس کو دہرایا (فانہم عدو لی الا رب العالمین)

یہ تو میرے دشمن ہیں، ہاں سچا دوست پروردگار عالم ہے

تم اپنے آپ کو مجموعہ اور اپنے اجزا کو ساری مخلوقات کے ساتھ ثبت سمجھو اور حدود کی پابندی کرو، امر و نواہی کی نگہداشت کے ساتھ اپنے رب کے ساتھ شامل رہو،

اگر امر و نواہی کی حدود میں کچھ کمی ہو تو سمجھو کہ مبتلائے فتنہ ہو، شیطان تم سے کھیل کر رہا ہے بس شرع کی جانب رجوع ہو،

(۲۱)

خداوندی مہربانی

جب رب العزت کسی ایمان دار پر مہربان ہوتا ہے، تو اس کے قلب کے سامنے رحمت احسان بخشش کا دروازہ کھول دیتا ہے، تاکہ وہ اپنے قلب سے وہ نعمتیں دیکھے جس کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی، کان نہیں سن سکتے، ہر ایک عقل اس کے تصور سے قرماندہ ہے یعنی غیب کی چیزوں کا مطالعہ اور مشاہدہ لطافت آمیز کلام اور خوش آیندہ حدہ دلایل اور دعائیں مقبولیت اور تصدیق مواعید، وقار اور حکمت کی باتوں کا خود بخود اس کے دل پر گذر شروع ہو جاتا ہے، اور اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے، یہ حالت دایمی ہے اور ناز ان ہوتا ہے۔

تب اللہ تعالیٰ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اس پر انواع و اقسام کی مصیبتیں آتی ہیں، جان، مال، اولاد کی جانب سے تکلیف پہنچتی ہے، تمام نعمتیں اس سے واپس لے لی جاتی ہیں، بندہ حیران رہ جاتا ہے کہ کیا ہوا، اگر اپنے ظاہر کی جانب دیکھتا ہے تو مسرت کا منظر پیش نظر ہوتا ہے، باطن کو دیکھتا ہے تو غم کے دروازے کھلے پاتا

ظلّ السلطان

اگر آپ بہترین خیالات و مضامین کا آئینہ دیکھنا چاہیں تو ظل السلطان ملاحظہ فرمائیے جو ماہانہ بھوپال سے شائع ہوتا ہے صرف تین روپیہ سالانہ قیمت ہے۔ اس میں زنانہ دلچسپیوں اور اصلاح تمدن و معاشرت اور تعلیم نسواں کے متعلق اعلےٰ مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اور چار سال کے عرصہ میں جس قدر زنانہ تعلیم کا مواد اس رسالہ نے فراہم کیا ہے اُردو میں اسکی نظیر نہیں۔ نمونہ کا پرچہ چار آنہ میں مل سکتا ہے مضمون نگاروں کو معاوضہ اور انعام بھی دیا جاتا ہے اس کے ذخیرہ میں اعلےٰ مرتبت خواتین کی نہایت قابل قدر تصانیف موجود ہیں۔ خصوصاً علیا حضرت فرمانروائے بھوپال اور بیگم صاحبہ جنجیرہ کی تصانیف بھی ملتی ہیں۔ ذیل میں کچھ کتابیں لکھی جاتی ہیں اگر آپ کا کتب خانہ ان گراں بہا تصانیف سے خالی ہے تو آج ہی ان کی طلبی کا خط لکھ دیجیے مفصل فہرست .... کے ٹکٹ پر بھیجی جاتی ہے۔

حضور سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال کی تصانیف

بچوں کی پرورش:۔ بچوں کے متعلق اصول حفظان صحت کی واقفیت اور خطرات کی اطلاع ۲/

تربیت الاطفال:۔ بچوں میں شائستگی تہذیب اخلاق اور دیگر صفات حسنہ پیدا کرنے کے لیے نہایت مفید ہے ۔ ۸/

ہدایت تیمارداری:۔ بچوں کی تیمارداری کے صحیح طریقوں پر واقف کرنے کے لیے یہ کتاب مفید ہے ۲/

ہدایت الزوجین:۔ خانہ داری کا پہلا حصہ جسمیں شوہر اور زوجہ کے شرعی اور قانونی حقوق و اختیارات بتائے گئے ہیں ۸/

حفظ صحت:۔ خانہ داری کا دوسرا حصہ یعنی روزمرہ کے وہ تمام اصول جو عورتوں کی صحت جسمانی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں ۱۲/

معیشت:۔ خانہ داری کے تیسرے حصہ کا جزو اول جسمیں انتظام خانہ داری وغیرہ نہایت تفصیل سے لکھا گیا ہے ۱۲/

معاشرت:۔ خانہ داری کے تیسرے حصہ کا جزو ثانی جسمیں بچوں کی تعلیم۔ آداب ملاقات کے متعلق مفید ہدایات و قواعد .... وغیرہ نہایت شرح و بسط سے لکھے گئے ہیں ۱۲/

سبیل الجنان:۔ ایمان، اسلام، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ پر حضور عالیہ کی نہایت عالمانہ تقریریں ۱۲/

دیگر عالی مرتبت خواتین کی تصانیف

سیاحت سلطانی:۔ .... فرمانروائے بھوپال کے حالات سفر ۱۲/

سیر یورپ:۔ .... بیگم صاحبہ جنجیرہ کے سفر یورپ کا روزنامچہ قسم اعلےٰ ... قسم معمولی ... ۱۲/

تہذیب النسواں:۔ .... کے ساتھ مذہبی احکام نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ... ۱۲/

آغاز اسلام:۔ .... اختصار کیا ہے آنحضرت صلعم کے حالات درج ہیں ۱۲/

خوان دعوت:۔ .... ہیں ۱۲/

سرگذشت:۔ .... کا نقشہ کھینچکر دکھایا گیا ہے۔

کتابوں کے ملنے کا پتہ

مینیجر ظل السلطان بھوپال

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری ۱۹۱۸ء

کافوری جنتری ۱۹۱۸ء

کی نہایت خوبصورت اعلےٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپ رہی ہے اور جنوری ۱۹۱۸ء کے پہلے ہفتہ سے بلا قیمت و محصول ڈاک قدر دانوں کے پاس بھیجی جائے گی اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے لکھے پڑھے شریف اشخاص کے نام اور پتہ لکھ کر بھیج دیجیے مذکورۂ بالا جنتری وقت پر آپ کے پاس روانہ کردی جائے گی۔

ہمیشہ تندرست رہنے کی ترکیب

آپ جانتے ہیں انسان کی زندگی خون سے ہے اس سے خون صاف رکھنا ضرور ہے۔ اسکی ترکیب آسان ہے ڈاکٹر برمن کا آئی اوڈائڈ سالسہ مفید ثابت ہوا ہے اس میں کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے یہ سالسہ صاف کراس میں پوٹاس ای اوڈائڈ وغیرہ کئی ایک آزمودہ ادویات ملا کر بنتا ہے اس لیے تمام سالسوں سے زیادہ مفید ہے گرمی، آتشک گٹھیا وغیرہ یا پارہ ملی ہوئی ادویہ کے استعمال سے خون بگڑ گیا ہو تو اس کو استعمال کیجیے خون بگڑنے کی دو وجہ ہے آتشک و گٹھیا ایسے عارضے ہیں پارہ ملی ہوئی ادویات استعمال کرنے سے خون بگڑ جاتا ہے۔ پوری حالات کی فہرست منگا کر دیکھیے قیمت دو روپیہ (عمہ) محصول چھ آنہ (۶ر)

مسافر حیران ہو گئے

جب انھوں نے کولا ٹانک کی تاثیر دیکھی۔ سفر میں گھوڑے کی سواری ہوئی مگر کچھ بھی تھکن معلوم نہ ہوئی پہاڑوں پر سیلوں چڑھے اترے لیکن ذرا بھی سانس نہ چڑھا کشتی کے لیے سفر کرنے والے پہلوان۔ گانے والے مسافر۔ لکچرار۔ واعظ۔ ایڈیٹر بلکہ مسافری میں کولا ٹانک ساتھ رکھتے ہیں۔ کیونکہ اسکے استعمال سے ان کے پھیپھڑے کی قوت بے نظیر ہو جاتی ہے اور انکے کام میں آخر تک سانس قائم رہتا ہے۔ شراب اور افیون کی عادت کو لا ٹانک بھی چھڑا سکتا ہے قیمت ۲۴ خوراک کی شیشی عہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی دوائیاں ہر جگہ کے دکاندار فروخت کرتے ہیں۔ کہیں نہ ملے تو

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ سے منگائیے۔

فروری سنہ ۱۹۱۸ء

تمدن

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر محمد عباس حسین قاری
نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا
پرنٹر نواب علی
قیمت سالانہ ۳ روپے
نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۵ آنے
مقام اشاعت نیا گاؤں - لکھنؤ

دلچسپ ناول اور افسانے

جمیلہ کی ناکامیابی:- بقول حسرت موہانی اس زمانہ کا بہترین ناول ہے چونکہ علیحدہ نہیں چھپا ہے لیے جو صاحب اس لاجواب فسانے کو پڑھنا چاہیں انکو رسالہ معلومات کی مکمل پنج سو نمبروں کی جلد خریدنا پڑے گی کہ جس میں یہ ناول چھپا ہے قیمت .... عہ

ناولہائے قاری:- قادری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید سعادت شاہد رعنا جو دو بار چھپکر قدر دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعہ کی صورت میں چھپوائے ہیں ۳۰۰ صفحات کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی شامل ہے عہ

جنگ جرمن و بلجیم:- سنہ ۱۹۱۴ء کی مشہور جنگ کے ہولناک کارنامے ناول کے پیرایہ میں قیمت ۱۰/

جرمن محکمہ جنگ کے اسرار:- جرمن محکمہ جنگ کے اسرار کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب ہے قیمت .. عا

چابک سوار معشوقہ:- گھوڑ دوڑ کی بدولت ایک رئیس کی تباہی و بربادی کا عبرت انگیز واقعہ قیمت ۹/

طلسمی فانوس:- انگلستان کے مشہور جادو نگار رینالڈس کے انگریزی ناول کا ترجمہ قیمت عہ

سرگذشت:- رینالڈس کے دلچسپ و دلکش ناول میری پرائس کا ترجمہ قیمت .... ے/

جرمن جاسوس:- جس میں حال کی جنگ یورپ کے متعلق جرمن جاسوسوں کی ان تھک کوششوں کے تمام و کمال حالات جو دول یورپ کے خلاف کی گئیں نہایت پرلطف پیرایہ میں تفصیل وار درج ہیں وہ اسرار جن کے انکشافات کے حالات پڑھکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کتاب میں حسن و عشق کے سچے جذبات بھی موجود ہیں کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے صفحات ۳۹۶ قیمت ے

مار آستین:- بنگال کے جادو نگار بنکم چندر چٹرجی کے بشاپرکشا کا اردو ترجمہ ترجمہ قیمت ... ۸/

بنگالی دلہن: بنکم چندر کا مشہور بہترین ناول جو پرستی اور عورتوں میں جذبات خودداری پیدا کرنیکا آلہ ۱۲/

زہرا:- ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی-اے قیمت ۱۰/

نیرنگی دہر:- مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف النسا کی کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب صفحات ۱۳۲ قیمت ۸/

گودڑ کا لال:- ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا معجزہ داستانہ مصنفہ سید محمد فضل صاحب بی اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت عہ

وکرم اروسی:- مہا کوی کالی داس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مترجمہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی-اے قیمت

تمنائے دید: مصنفہ محمد سجاد مرزا بیگ صاحب ۱۰

حاجی بغلول: مصنفہ منشی سجاد حسین صاحب مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ قیمت ۴

احمق الذین:- " " " ۳

کایا پلٹ:- " " " ۲

ملنے کا پتہ:- منیجر رسالہ "تمدن" نیا گاؤں لکھنو

سفرنامہ یورپ و بلاد روم و شام و مصر:- یعنی منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت للعہ رعایتی للعہ صفحات ۹۷۰

خیال اور انداز بیان

اگر قوت خیالیہ اور قوت بیانیہ یا طرز بیان ایک ہی ہوتا تو آج دنیا میں لٹریچر کی کوئی اور ہی صورت ہوتی قوت خیالیہ قوت متفکرہ۔ قوت متصورہ اور قوت ممیزہ تو بسا اوقات ایک ہی رنگ میں منتقل ہو جاتی ہیں لیکن قوت بیانیہ ان قوتوں سے الگ رہتی ہے اور اسکے تصرفات ایک جداگانہ رنگ میں وجود پذیر ہوتے ہیں کیونکہ اس کا کام بعد کو شروع ہوتا ہے

ہم ایک خیال ایک فکر اور ایک تصور کر لیتے ہیں تب جا کر قوت بیانیہ کی نوبت آتی ہے قوت خیالیہ۔ قوت وہمیہ وغیرہ میں خیالات کی نشو و نما اور احداث کی طاقت ہے لیکن خیالات کا اظہار قوت بیانیہ پر موقوف ہے، درزی بجائے خود اگرچہ ایک فن رکھتا ہے۔ لیکن جب تک کپڑا۔ سوئی۔ دھاگا۔ مشین وغیرہ نہ ہو تب تک وہ نہ تو کتر بیونت کر سکتا ہے اور نہ سی سکتا ہے۔ جب تک ہمارے دل و دماغ میں کوئی خیال متموج نہ ہو تب تک اظہار اور بیان کی نوبت نہیں آتی۔ ہر شخص غور کر کے دیکھ سکتا ہے کہ سب سے پہلے اسکے دل و دماغ میں خیال نشو و نما پاتا ہے اس کے بعد وہ اسکی نسبت کچھ بیان کرتا ہے۔ زید کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ نیکی نیکی کیوں ہے اور بدی بدی کیوں۔ یہ ایک خیال ہی تھا جب اسے معرض اظہار میں

لایا جائے گا تو یہ ایک بیان ہوگا۔

لٹریچر کیا ہے ایک بیان۔ انشا پردازی کیا ہے ایک بیان، لٹریچر اُن مختلف خیالات کا مجموعہ ہے جو انسان کے دل و دماغ میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں اُن افکار اور اُن تصورات کی ایک بیانیہ کیفیت ہے جو ہر وقت نشو و نما پاتے رہتے ہیں، لٹریچر اُن مناظر قدرت اور مظاہر عالم کی وہ کیفیت ہے جسے انسان آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سُن کر اپنے دماغ میں جگہ دیتا اور پھر اپنے رنگ میں اُن کا اظہار کرتا ہے۔

خیالات اوہام تصورات اور افکار و مناظر قدرت ایک ہی قسم کے نہیں ہوتے اُن میں فرق ہوتا ہے کوئی کچھ درجہ رکھتا ہے اور کوئی کچھ کسی کی کچھ تاثیر ہوتی ہے اور کسی کی کچھ بعض خیالات کمزور ہوتے ہیں بعض زوردار اور بعض ناقص بعض کامل بعض مناظر قدرت خوش آیند ہوتے ہیں اور بعض تکلیف دہ بعض ایک حُسن رکھتے ہیں اور بعض مبرا از حُسن اسی طرح قوت بیانیہ یا لٹریچر بھی مختلف رنگ رکھتا ہے۔

ایک قوت بیانیہ ہے اور ایک انداز بیان یا ادائے بیان، قوت بیانیہ ہر شخص کو دی گئی ہے جیسے قوت بیانیہ کے مقدار اور پیمانہ میں فرق ہے ایسے ہی ادائے بیان یا انداز بیان میں بھی فرق ہے ہر شخص کا طرز بیان یا انداز بیان جداگانہ ہوتا ہے ایک کا انداز بیان دوسرے سے نہیں ملتا ہے جس طرح اشکال نقوش خط و خال جدا جدا ہوتے ہیں اسی طرح انداز بیان بھی جداگانہ ہوتا ہے جس طرح شان تحریر جداگانہ رنگ رکھتی ہے اور باوجود ایک ہی اُستاد ہونے کے بھی شاگردوں کے خطوط میں گونہ فرق ہوتا ہے اسی طرح انداز بیان یا ادائے بیان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ یہ امتیاز کبھی بالمقابل دوسروں کے ہوتا ہے اور کبھی ایک ہی شخص دو قسم کے انداز بیان رکھتا ہے اگر چہ اُن دونوں میں بوجہ ایک ہی شخصیت کے گونہ یکسانیت بھی ہوتی ہے مگر پھر بھی کبھی کبھی ایک ہی شخص کے دونوں انداز بیان میں فرق ہوتا ہے۔ ایک شاعر عالم شباب میں جو کلام کہتا ہے بعض دفعہ اُسکا رنگ کلام پیری سے نہیں ملتا جو کلام عالم پیری میں کہا جاتا ہے وہ عالم یاس کے مقابلہ میں کچھ اور ہی رنگ رکھتا ہے۔

جو شاعر دو استادوں سے اصلاح لیتا ہے بعض دفعہ اس کا کلام بھی دو رنگ رکھتا ہے۔ انداز بیان پر مضامین کا بھی اکثر اثر ہوتا ہے اور وقت کا بھی۔ موسیقی میں راگوں کی تقسیم اوقات پر اسی ضرورت سے کی گئی ہے بھیرویں۔ دیس اور جوگ میں ضرور فرق ہے گا خود مضمون ہی شہادت دیتا ہے کہ وہ کون سے رنگ رکھتا ہے اور اس کا وقت کونسا ہے شاعری میں جسقدر مضامین ترکیب پاتے ہیں وہ بھی انداز بیان پر اثر ڈالتے ہیں تغزل میں جو انداز بیان شاعر اختیار کرتا ہے اس کا رنگ مرثیہ اور قصیدہ سے جداگانہ ہوتا ہے واقعات کی وجہ سے بھی بہت کچھ فرق ہو جاتا ہے مثلاً مراثی میں ایک خوش [illegible] کا رنگ بھی کچھ اور ہو جائے گا باوجود اسکے کہ مضامین اوقات اور مختلف [illegible] سے انداز بیان میں فرق آجاتا ہے اور بیان کرنے والا ضرور کسی نہ کسی حد تک [illegible] ہوتا ہے پھر بھی انداز بیان اپنی جھلک مارنے سے باز نہیں رہتا جس طرح شاعر کی تحریر اشارہ دے جاتی ہے اسی طرح ہر شخص کا انداز بیان بھی کچھ نہ کچھ اشارہ کر جاتا ہے شان خط مبصر میں بعض وقت جس طرح نقاط اور [illegible] سے پہچان جاتے ہیں اسی طرح انداز بیان کی شان بھی شناخت کی جاسکتی ہے۔

بعض لوگ گانے والوں کی خاص لے سے پہچان جاتے ہیں کہ فلاں شخص گا رہا ہے یا یہ فلاں کا سُر ہے انداز بیان کسبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر شخص کی طبیعت اور شخصیت کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے۔ یہ کچھ پڑھے لکھوں پر ہی موقوف نہیں ہے ان پڑھ لوگ بھی کوئی نہ کوئی انداز بیان رکھتے ہیں۔ چند ان پڑھ لڑکوں سے کوئی کہانی سن کر دیکھو تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ اُن کے انداز بیان میں کیا کچھ فرق ہے بعض لڑکے اس خوبی سے بیان کریں گے کہ سننے والے اُن کی قوت بیانیہ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہیں گے اور بعض لڑکے مقابلتاً ناقص ثابت ہوں گے۔ بیشک بعض لوگ مشق سے ادائے بیان یا انداز بیان میں خوبی پیدا کر لیتے ہیں اور تقریر سیکھ کر بھی آجاتی ہے لیکن وہی شخص تعریف کے قابل ثابت ہوتا ہے جو ایک طبعی یا وہبی ملکہ بھی رکھتا ہو بیشک ایک شخص [illegible] و بلاغت کی مدد سے فصیح و بلیغ بن سکتا ہے لیکن جو شخص اپنی طبیعت [illegible]

ملکہ رکھتا ہے وہ کچھ اور ہی رنگ رکھے گا۔

تو اگرچہ فصاحت و بلاغت کی تدوین بہت کچھ بعد کو ہوئی ہے۔ شروع میں بعض طبائع ہی کے کلام سے اس کا پتہ بھی لگایا گیا ہے جیسے وسیع و بلیغ طبائع ہی کے تاثرات کے مجموعہ کا نام ہی ضابطہ فصاحت و بلاغت ہے۔ بعض نقاد طبائع ہی نے شروع میں فصاحت و بلاغت کا پتہ لگایا ہے اور اُن ہی کی وجہ سے یہ دائرہ ذیل بنا ہے۔ فصاحت و بلاغت بھی انسان کا ایک طبعی جوہر اور فطری جذبہ ہے بیشک ایسا فطری جذبہ اور طبعی جوہر اکتساب اور مشق سے بھی ترقی پذیر ہوتا ہے لیکن جو لوگ طبعاً ایسا ملکہ رکھتے ہیں وہ اکتساب اور مشق کی وجہ سے اور بھی کمال حاصل کر لیتے ہیں یا یہ کہ اُن کا کمال ایک خصوصیت رکھتا ہے اور اُن کے طبائع میں ایک ایسا ملکہ ترقی پذیر ہوتا جاتا ہے جو اجتہادی رنگ میں بہت کچھ روشن اور کامل ثابت ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اُن غوامض اور اُن نکات پر روشنی پڑتی ہے جو ادبی اور علمی رنگ میں بہ مختلف وجوہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔

انداز بیان اگرچہ ہر شخص سے مختص ہوتا ہے اور ہر شخص کا انداز بیان بجائے خود ایک جداگانہ رنگ رکھتا ہے مگر جیسے کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے ہر شخص کا انداز بیان بہ مناسبت مواقعہ مختلفہ جداگانہ پہچان رکھتا ہے اور خوبی انداز بیان کی بھی یہی ہے کہ بہ مناسبت موقعہ مختص ہو۔

جس طرح انداز بیان مختلف صورتیں اور مختلف کیفیات رکھتا ہے اُسی طرح خیالات کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور اُنھیں صورتوں کے مطابق اُن کی تعبیر اور تفسیر بھی کی جاتی ہے۔ خیالات کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) اعلیٰ۔

(ب) اوسط۔

(ج) ادنیٰ۔

اسی طرح انداز بیان یا [illegible] بیان کی بھی تین اقسام ہیں:۔

(۱) اعلیٰ

(۲) اوسط۔

(۳) ادنےٰ۔

اوران تینوں کے ملانے سے چار صورتیں بنتی ہیں جن کا نام ادبی عناصر اربعہ ہے ان چاروں صورتوں سے دائرہ ادب کا باہر نہیں جاتا یعنے ادبیات ان ہی چار صورتوں میں متدائر ہیں :۔

(الف) اعلےٰ خیال اعلےٰ انداز بیان۔

(ب) اعلےٰ خیال ادنیٰ انداز بیان۔

(ج) ادنیٰ خیال اعلےٰ انداز بیان۔

(د) ادنیٰ خیال ادنےٰ انداز بیان۔

ادبیات کی دو کڑیاں ہیں ان ہی دو کڑیوں سے ادب کی زنجیر ترکیب پاتی اور مکمل ہوتی ہے یا یہ کہ ان ہی دونوں کڑیوں کا نام ادب یا لٹریچر ہے۔ پہلی کڑی خیال ہے اور دوسری کڑی بیان یا انداز بیان ہے جو لوگ اعلےٰ خیال اور اعلےٰ انداز بیان رکھتے ہیں وہ گویا ادبیات کے بادشاہ یا سلطان ادبیات ہیں ان ہی لوگوں کو سلطان الخیال یا سلطان القلم کہا جاتا ہے اور اُن ہی لوگوں کے حق میں یہ کہا گیا ہے کلام الامام امام الکلام۔ جس قدر علوم شریفہ اور فنون لطیفہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں یہ سب اعلےٰ خیالات اور اعلےٰ انداز بیان ہی کی برکت اور وجہ سے ہیں جب ایک شخص اعلیٰ خیال اور اُس کے ساتھ اعلےٰ انداز بیان بھی رکھتا ہے تو وہ ایسے اصول اور ایسے قوانین کی داغ بیل ڈالتا ہے جو علمی اور ادبی رنگ میں ایک قیمت اور خصوصیت رکھتے ہیں۔

انداز بیان سے صرف کلامی یا تحریری اور تقریری انداز بیان ہی مراد نہیں بلکہ اس سے ایک عمدہ اور معقول عمل بھی مراد ہے جیسے ایک شاعر کے دل و دماغ میں ایک خیال نشو و نما پاتا اور شاعر اُسے ترتیب دیتا ہے ویسے ہی ایک صناع اور کاریگر کے دل و دماغ میں بھی ایک خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک عملی رنگ میں اُسے ترتیب دیتا ہے ایک صناع کا ایک صنعت تیار کرنا اُس کا ایک انداز بیان ہے بیان کا مفہوم اظہار ہے عام اس سے

کہ وہ لفظاً ہو یا کسی دیگر صورت اور کسی مصورانہ رنگ میں دیکھو ایک مصور خیال ہی کے تحت کس کس قسم کی تصویریں بناتا ہے اور اُن میں کیسا کمال اور لطافت ظاہر کرتا ہے کسی دوسری شے کی تصویر کھینچنا بھی ایک خیال کا انداز بیان ہی ہوتا ہے تصویر میں مصور جو بال بال اور شان وآن کا انداز دکھاتا ہے وہ بھی اُس کا ایک انداز بیان ہی ہے۔

بعض لوگوں کے دل ودماغ میں خیالات تو اعلےٰ مرکوز اور متموج ہوتے ہیں لیکن وہ چونکہ انداز بیان کامل اور خوب نہیں رکھتے اس واسطے وہ ایسے خیالات کی ترتیب اظہار اور بیان میں کوئی خاص لطافت اور خاص خوبی نہیں پیدا کر سکتے ہر شخص کے دل ودماغ میں بعض دفعہ اچھے اور لطیف خیالات بھی نشوونما پاتے ہیں جو اُن میں سے اعلےٰ انداز بیان رکھتے ہیں اُن کے خیالات عملی رنگ میں شہرت پاجاتے ہیں اور جو ایسا لطیف ملکہ نہیں رکھتے انھیں شہرت نصیب نہیں ہوتی۔

جو شخص خود کو کھینچ کھانچ کر شاعر بناتا ہے اس کے دماغ میں بھی بعض دفعہ اعلیٰ خیالات پیدا ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ لطیف اور اعلےٰ انداز بیان نہیں رکھتا اس واسطے وہ بمقابلہ ایک طبعی اور پیدائشی شاعر کے اُنھیں ایک خوبی کے ساتھ ترتیب نہیں دے سکتا جو لوگ اعلےٰ انداز بیان رکھتے ہیں وہ اس خوبی اور اس کمال کی وجہ سے ادنیٰ خیالات کو بھی ایک اچھے اور دلچسپ پیرایہ میں ظاہر کرسکتے ہیں آپ نے دیکھا اور سُنا ہوگا کہ بعض نغز گو خوش بیان لوگ ایک معمولی سی بات بھی اس خوبی سے بیان کرنے پر قادر ہوتے ہیں کہ باوجود اس جاننے کے بھی کہ یہ ایک معمولی سی بات ہے سامعین پھر بھی لطافت بیان کی وجہ سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔

انداز بیان ایک رنگ سازی ہے دیکھو بعض رنگریز ایک پُرانے کپڑے کو بھی اس خوبی سے رنگتے ہیں کہ وہ ہی تھوڑی دیر کے واسطے خوش نما اور دلاویز معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ خیال بھی ادنےٰ ہوتا ہے اور انداز بیان بھی ادنیٰ ہوتا ہے یہ ایک عام صورت ہے اس صورت میں خیالات اور انداز بیان کی کوئی قیمت نہیں پڑتی اگرچہ دنیا میں اُن کی کھپت بھی ہے مگر اُنھیں کوئی خصوصیت نہیں ہوتی اور نہ اُن کا شمار

نوادرات میں ہوتا ہے کام تو ایسے خیالات بھی دے ہی جاتے ہیں اور اکثر اوقات وہ
بے مصرف بھی نہیں ثابت ہوتے اور لوگ اُنھیں کسی نہ کسی حد تک کام میں لاتے ہیں
لیکن اُن کی قیمت اور وقعت کم ہوتی ہے باوجود اس کے ان کی بھی ضرورت ہوتی ہے
اور اُن میں سے بھی بعض خیالات رفتہ رفتہ اعلےٰ خیالات میں منتقل ہوتے جاتے ہیں اور
اُن کی ہستی بھی کبھی نہ کبھی کوئی درجہ حاصل کر لیتی ہے خیالات تنزل پذیر بھی ہوتے
ہیں اور علو بھی اختیار کرتے ہیں جیسے عادات میں تنزل اور ترقی ہوتی رہتی ہے ایسے
ہی خیالات میں بھی ترقی اور تنزل ہوتا رہتا ہے اور یہی طرح انداز بیان بھی تنزل
اور ترقی پذیر ہوتا ہے - حالات -کیفیات اور اوقات سے بھی خیالات اور انداز بیان
میں کبھی کبھی فرق پڑجاتا ہے آب و ہوا بھی ایک حد تک موثر ہوتی ہے اگر ایک غریب
مفلوک الحال لڑکے کو اچھے کپڑے پہنوا کر گھوڑے پر سوار کرایا جائے تو اُسکی ظاہری حالت
میں ہی فرق نہیں آئے گا بلکہ اسکے خیالات پر بھی کچھ نہ کچھ اثر پڑے گا صحبت سے بھی
خیالات اور انداز بیان پر اثر پڑتا ہے دیکھتے نہیں ہو بعض وحشی لڑکے اچھے گھروں میں
رہ کر اور بعض عام لڑکیاں خاندانوں میں پرورش پاکر کیسی شائستہ اور سمجھدار ہو جاتی ہیں
اور خلاف اس کے بعض دفعہ اچھے گھروں کے بعض کم بخت لڑکے بُری صحبتوں میں رہکر
کس کمزدہ قسم کے ہو جاتے ہیں اگرچہ اُن میں طبعی شرف کچھ نہ کچھ ہوتا ہے لیکن پھر بھی صحبت کا
اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور اگرچہ اسی طرح رذائل کی طبائع میں بھی باوجود اصلاح پذیر
ہونے کے بھی دو کسی نہ کسی حد تک رہتا ہے مگر پھر بھی صحبت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی
ہاں چند عرصہ کے بعد شرافت اور درشتی دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے - ہر انسان
ایک صحیح فطرت رکھتے ہیں اُن کے استعمالی طریقوں کی وجہ سے لوگوں کے خیالات اور
انداز میں فرق آجاتا ہے - بیشک عنادت اور ر[illegible]ت طبع ایک فطری کیفیت ہوتی ہے
مگر اچھی تربیت اُن کی اصلاح میں کچھ نہ کچھ کام دے ہی جاتی ہے ایسا فرق اصرف
استعداد پر ملکات کے مختلف ہونے کی وجہ ہی سے ہوتا ہے - قدرت کی جانب سے یہ
کائنات اور اس کائنات کے مختلف عناصر چند درجہ بندیاں رکھتے ہیں اور ہر درجہ

بجائے خود ایک ضرورت اور ایک کیفیت رکھتا ہے اور دنیا کے کاروبار میں اسکی بھی ضرورت ہے ناک کان آنکھ اور سر کے مقابلہ میں پاؤں کم درجہ رکھتے ہیں مگر کیا پاؤں کی ضرورت نہیں ہے اور کیا بجائے خود ان کی قیمت کم لگائی جا سکتی ہے - ہر کسے را بہر کارے ساختند

سلطان احمد

جذبات ٹیگور

جب میں رات کو اپنے محبوب سے ملاقات کرنے جاتی ہوں پرندو طیور عالم سکوت میں رہتے ہیں - ہوا کی حرکت بند ہوتی ہے اور سڑک کے دونوں طرف کے مکانات چپ چاپ کھڑے ہوتے ہیں -

میری ہی چھاگلوں سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو بتدریج بڑھتی جاتی ہے اور میں خود شرمندہ ہو جاتی ہوں -

جب میں اپنے بالاخانہ پر بیٹھ کر اُسکے پیروں کی آہٹ سُننے کے لیے بے تاب ہوتی ہوں درختوں پر پتّے حرکت بند کر دیتے ہیں اور دریا اپنی روانی بھول جاتا ہے جس طرح ایک سوتے ہوئے سنتری کی تلوار قطع و برید سے بے خبر ہوتی ہے -

جب میرا محبوب مجھے اپنے آغوش محبت میں بٹھاتا ہے میرے بدن میں رعشہ آجاتا ہے - میری پلکیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہونے کی کوشش کرتی ہیں - رات زیادہ تاریک ہو جاتی ہے - ہوا کے جھونکے لمپ کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیتے ہیں بادل ستاروں پر پردے تان دیتے ہیں - میرے سینہ کا ہیرا چمکتا ہے اور ضیا افگن ہوتا ہے - اور میں خود حیران ہوتی ہوں کہ اُسے کس طرح پوشیدہ رکھوں

عبدالشکور

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر کیجیے - مینیجر

ذات

کہتے ہیں کہ منو رشی نے ہندوستان کی درخشاں پیشانی پر ذات کا بدنما ٹیکہ لگایا۔ سوسائٹی کے مختلف مراتب و مدارج قائم کرکے آزاد انسان کو مقید کردیا۔ قانون فطرت کے خلاف جمہور نوع انسانی کو اس شرف سے محروم کردیا جس کا ہر شخص بہ حیثیت بنی آدم حق دار ہے۔ ہم اس مسئلہ کے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں:۔

(۱) ذات کی حقیقت (۲) ذاتوں کی تقسیم (۳) اس تقسیم سے منو کا اصلی منشا کیا تھا۔
(۴) ذات کا پیشہ سے تعلق اور اس کے فوائد (۵) ذات کا وجود کن نقصانات کا موجب ہوا۔
(۶) ہر شخص فطری طور پر کن پیشوں کے بجا لانے پر مجبور ہے۔

ذات کی حقیقت | ابتدا اگر انسان حیوانات مطلق کی طرح وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی معدودے چند ضروریات نے دائرۂ احتیاج کو محدود رکھا۔ جسمانی قویٰ کی یکساں ساخت، حواس خمسہ کی مشابہت۔ المختصر قوت ظاہری و باطنی کی ہم رنگی نے میزان اقتدار کو گھٹنے بڑھنے نہ دیا۔ اور موجوداتِ عالم پر جو شرف اس کو قدرتاً حاصل تھا اس میں مساوات قائم رہی۔ دماغی قوتوں نے اپنا فعل شروع کیا۔ دائرۂ احساسات وسیع ہوتا گیا۔ انسان نے عالمِ نباتات و جمادات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دنیا کی اور ذی روح ہستیاں جن کی باگ فطرت نے انسان کے ہاتھ میں دی تھی اس کی مطیع ہونے لگیں۔ رفتہ رفتہ انسان کو اپنی قدر و منزلت کا احساس ہونے لگا یہاں تک کہ اس کی شانِ امتیاز غیر انسانی ہستیوں سے گذر کر خود نوع انسانی میں بھی اپنا فعل کرنے لگی۔ ہر خاندان کے بزرگ نے ایک شاہانہ حیثیت اختیار کرلی۔ اس کے احکامات واجب التعمیل ہونے لگے۔ خاندان کا ہر فرد اس کے زیر فرمان ہوگیا۔ در اصل ذات کی بنا یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جس طرح ایک خاندانی بزرگ سے اہل خاندان میں فرق مراتب پیدا ہوجاتا ہے اسی طرح ذات اہل قوم میں فرق مدارج قائم کردیتی ہے۔

ذاتوں کی تقسیم | منو نے نوع انسانی کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا:۔

(۱) برہمن (۲) چھتری (۳) ویش (۴) شودر

برہمن:۔ اہلِ علم طبقہ کو برہمن قرار دیا، ان کو مذہبی پیشوا بنایا۔ وزارت کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔ وہ راجہ مہاراجوں کے اتالیق اور ارباب حل وعقد سمجھے جانے لگے۔ اور یہ طبقہ واجب التعظیم والتکریم شمار ہونے لگا۔

چھتری:۔ تحفظ ملک کے لیے ایک خاص گروہ کی ضرورت تھی۔ اور یہ ذمہ داری اس طبقہ کے ذمہ عائد ہوئی ان لوگوں کو سپاہیانہ زندگی گذارنے کی ترغیب دی گئی۔ اور راجہ سے سپاہی تک اس ذات میں شمار ہونے لگے۔

ویش:۔ تجارت کے لیے یہ گروہ منتخب ہوا صنعت وحرفت کے کُل شعبے بھی اسی ذات کے افراد میں منتقل کیے گئے۔

شودر:۔ یہ غریب گروہ اُن ہندوستان کے اصلی باشندوں پر مشتمل تھا جن کو اہل ہنود کی فاتح اقوام نے مغلوب کرکے اسیر بنا لیا تھا۔ ذلیل ترین خدمات ان کے سپرد کی گئیں۔ خاکروب، چمار وغیرہ آج اسی ذات کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔ رفتہ رفتہ ان اصل ذاتوں سے بیشمار فروعی ذاتیں بن گئیں۔

اس تقسیم سے منو کا اصلی منشا کیا تھا

اس سے منو کا منشا یہ تھا کہ نظام عالم میں ابتری پیدا نہو اور ہر ذات کی نسل علیحدہ نشو ونما پاتی رہے تاکہ ان کی نسلوں میں فقدان واقع نہو اور ضروریات زندگی ہمیشہ بآسانی پوری ہوتی رہیں۔ لوگ اہل علم اصحاب کی زرّیں نصیحتوں پر عمل پیرا ہوں اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ ہر متنفس کو ان کی وقعت کرنے پر مجبور کیا جائے مگر درحقیقت اس تحریک سے منو کو مختلف پیشوں کی بقا مقصود تھی۔ مگر یہ مقصد اس طرح بھی پورا ہوسکتا تھا کہ پیشوں کو مختلف افراد پر منقسم کردیا جاتا اور ذاتوں کا تعین نہ کیا جاتا ہم اس لطیف نکتہ پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

ذات کا پیشہ سے تعلق اور اس کے زائد

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ انسان کی جبلت میں خاندانی خصوصیتیں جلوہ نما ہوتی ہیں۔ آہن گر کے بچے کی فطرت میں دستکاری، زرگر کے طفل نوزائیدہ سال کی گھٹی میں سونے کی جھنکار اور سہاگے کی لاگ ہوتی ہے۔ معمار کے

لڑکے کے دماغ میں مثلوں کی تصویریں منعکس ہوتی ہیں اور درودگر کے بچے کا میلان چوبی صنعتوں کی طرف ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت ہی پر کیا موقوف ہے یہ کلیہ علوم پر بھی حاوی ہے۔ خوش نویس کا لڑکا خوشخط اور حکیم کا بچہ اگر کامل حکیم نہیں تو نیم حکیم ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بمقابلہ دوسرے پیشوں کے انسان اپنا آبائی پیشہ جلد سیکھ جاتا ہے اور فطری رجحانات کی مدد سے اس میں جلد ید طولیٰ حاصل کرسکتا ہے۔ ذاتوں کا تعین پیشوں کے تحفظ کا ذمہ دار ہے۔ علم و ہنر کی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نہایت ضروری ہے کہ لڑکا جادۂ معاش میں اپنے باپ کے نقش قدم کو اپنا رہبر بنائے۔ ہندوستان کی مفلوک الحالی کا یہی سبب ہے کہ لوگوں نے اپنے آبائی پیشے ترک کردیے اور سطحی لیاقت علمی حاصل کرکے ملازمت کی جستجو میں سرگرم ہیں اگر اس علم سے صنعت و حرفت میں کام لیتے تو آج جاپان سے زیادہ ترقی کی منازل طے کر چکے ہوتے۔ جرمن کے مدمقابل نظر آتے۔ تجارت میں امریکہ کے حریف ہوتے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اہل علم یا اہل حرفت کے دماغ میں کوئی خاص بات پیدا ہوتی ہے دنیوی مشاغل اسکو اتنی مہلت نہیں دیتے کہ وہ اپنی تحقیق یا ایجاد کو مکمل طور پر دنیا کے سامنے پیش کرسکے اور وہ اس کی زندگی میں ناتمام رہ جاتی ہے۔ ان جواہر ریزوں کے وارث اس شخص کے عیال و اطفال ہی ہوتے ہیں۔ جب یہ اپنا آبائی علم یا پیشہ اختیار کرلیتے ہیں تو تھوڑی سی توجہ کے بعد اس ناتمام شے کو مکمل کرکے ملکی علوم و فنون میں قابلِ قدر اضافہ کرتے ہیں۔ زمانۂ سلف میں صنعت اور دوسرے شعبوں میں اہل ہند نے جو نمایاں ترقی کی تھی اس کا راز یہی تھا کہ ہر شخص اپنا آبائی پیشہ اختیار کرتا تھا۔ ذات کی تخصیص مجبوراً اسکو اپنی ہی سوسائٹی میں جگہ دیتی تھی اور اسکے تخیلات کا مرکز ایک ہی رہتا تھا جس پیشے کی بقا اور اس کی آیندہ ترقی کے لیے ملک اس سے اور اس کی آنے والی نسل سے خدمت لینا چاہتا تھا وہ اس میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔

ذات کا وجود کن نقصانات کا موجب ہوا

ذات کے رواج نے مساوات کو زیر و زبر کردیا جس کا فطری طور پر ہر ایک انسان مطالبہ کرسکتا ہے۔ منو کی اصولی غلطی یہ تھی کہ وہ اس معاملے میں حد اعتدال سے گذر گیا۔ اس نے برہمنوں کی قدر و منزلت اس در..

قرار دی کہ خالق و مخلوق اور عابد و معبود میں حد امتیاز قائم نہ رہی اور اس سے مذہب کو ناقابل بیان نقصان پہنچا۔ پھر شودر یعنی آریہ ورت کے اصل باشندوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جس کو انسانی حمیت اور حق اپنے ہی ہرگز جائز قرار نہیں دیتی۔ دولت علم خاص طبقے کی ملک ہو گئی اور برہمن اس کے وارث بنائے گئے لوگوں کو جبراً جہالت کی ظلمت میں رکھا گیا ان کو ذات کی زنجیر میں ایسا پابستہ کر دیا گیا کہ کسی صورت سے اُس قعر مذلت سے نہ نکل سکتے تھے جس میں ان کو قصداً ڈالا گیا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ذات کا مسئلہ "تناسخ" کے مسئلے کے بالکل برعکس ہے اگرچہ یہ دونوں مسائل اہل ہنود ہی کے وضع کیے ہوئے ہیں۔

انسان فطری طور پر کن پیشوں کے بجالانے پر مجبور ہے

وہ پیشے جن کی فطرت معاون ہے معیوب نہیں۔ اور جو لوگ ان کو اپنا ذریعۂ معاش بنا کر ضروریات انسانی کو رفع کرتے ہیں قابل تنفر نہیں بلکہ لائق ستائش ہیں۔ انسان فطری طور پر بعض ان پیشوں کی بجا آوری پر مجبور ہے جن کو وہ نہایت ذلیل تصور کرتا ہے۔ اس کو خاک روب کا فرض کم از کم یومیہ انجام دینا پڑتا ہے۔ علیٰ ہذا حجام کے پیشے سے بھی اس کو آشنا ہونا پڑتا ہے پھر جب وہ اپنے گھر جاتا ہے تو عورتوں کو مختلف پیشوں میں منہمک دیکھتا ہے۔ وہ کبھی باورچی کا کام کرتی ہیں کبھی درزی کا کبھی خاک روب کا کبھی دایہ کا کبھی رنگریز کا مگر باایں ہمہ ہم انکو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ جو عورتیں زیادہ پیشے جانتی ہیں ان کو باسلیقہ یا بہ الفاظ دیگر سگھڑ کہا جاتا ہے۔ ان میں اور عام پیشہ وروں میں صرف فرق اتنا ہے کہ یہ ان پیشوں کو اپنے اور اپنے لواحقین کی ذات تک محدود رکھتی ہیں اور وہ کسب معاش کے لیے ان کو عمومیت سے کرتے اور اسپر مجبور ہوتے ہیں۔

محمود اسرائیلی

ضروری گذارش:۔ تمدن بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا۔

مینیجر

تم سے خطاب

"تم سے" اس لیے کہ عرصہ کے بعد "تمدّن" کے توسل سے تمھارے جو ہر افکار بے چین دماغ کے لیے باصرہ نواز ہوئے ہیں۔ الفاظ کے معنی۔ اور معنی میں بھرا ہوا جادو۔ مردمکِ دیدہ سے گذر کر میرے دماغ پر منعکس ہوتے ہیں: دماغ پر بھی غلط! دل پر! بلکہ دل و دماغ کے اُس حصہ پر جہاں دردِ دیرینہ نے نظرِ بد سے پناہ مانگ کر گوشہ عافیت اختیار کر لیا ہے! اس حصہ کو میں الفاظ میں بتانے سے قاصر ہوں۔ مگر اس درد کی چسک چارہ گر کے تغافل کے بدولت برابر محسوس کرتا رہتا ہوں! چارہ گر کون؟ تم نہیں: تم تو اس درد کی دوا ہو! یہ اور صورتیں جو تمھاری عدم موجودگی میں چارہ سازی کا دعوے کرتی ہیں! تم میں اور ان میں وہی فرق ہے جو سلطنت مغلیہ کے عالمِ زوال میں بادشاہ اور بادشاہ گر میں رہ چکا ہے! تم تڑپنے سے فطرتاً لذت یاب ہو اور وہ تڑپ سکتے ہیں۔ تم دل سے بولتے ہو وہ زبان سے بولتے ہیں۔ تم دل سے دیکھتے ہو وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تم قلب ہو وہ محض قالب!

✠ ✠ ✠ ✠ ✠

تمھارا قصیدہ لکھنا میرا مقصود نہیں۔ اور تمھارے جانشینوں کی ہجو کرنا بھی۔ حاشا وکلّا۔ میرے پیش نظر نہیں! میں محض اُس درد میں اضافہ کا طالب ہوں جس کو تم نے۔ دانستہ یا نادانستہ۔ پیدا کیا تھا! اُس اخگر کی شعلہ فشانی کا خواہاں ہوں جو سرد مہری یارانِ وطن سے بجھنے کے قریب ہے! مبارک ہیں وہ چند نفوس جو ابتک اس میٹھے میٹھے درد کو کلیجہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر۔ میں اس کے خلاف ہوں! "رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل ٭ جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے" لیکن آنکھ سے نکالنے والی وہ زبان و دہن نہیں جو اگر دگر کے ہیر پھیر پر ہمت و جذبہ کو قربان کر دے۔ نہیں یہ جادو بیانی اگر ممکن ہے تو اسی وقت جبکہ کہنے والے نے فی الحقیقت درد پیدا کر لیا! اور اسکے الفاظ "دہانِ زخم" سے نکلتے ہوں! میں تم کو بھی دیکھتا رہا ہوں اور اب ان کو بھی

قرار دی کہ خالق ومخلوق اور عابد ومعبود میں حد امتیاز قائم نہ رہی اور اس سے مذہب کو ناقابلِ بیان نقصان پہنچا۔ پھر شُدر یعنی آریہ ورت کے اصل باشندوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جس کو انسانی حمیت اور حق پسندی ہرگز جائز قرار نہیں دیتی۔ دولت علم خاص طبقے کی ملک ہو گئی اور برہمن اس کے وارث بنائے گئے لوگوں کو جبراً جہالت کی ظلمت میں رکھا گیا ان کو ذات کی زنجیروں میں ایسا پابستہ کر دیا گیا کہ کسی صورت سے اُس قعر مذلت سے نہ نکل سکتے تھے جس میں ان کو قصداً ڈالا گیا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ذات کا مسئلہ "تناسخ" کے مسئلے کے بالکل برعکس ہے اگرچہ یہ دونوں مسائل اہل ہنود ہی کے وضع کیے ہوئے ہیں۔

انسان فطری طور پر کن پیشوں کے بجالانے پر مجبور ہے

وہ پیشے جن کی فطرت معاون ہے معیوب نہیں۔ اور جو لوگ ان کو اپنا ذریعۂ معاش بنا کر ضروریات انسانی کو رفع کرتے ہیں قابل تنفر نہیں بلکہ لائق ستائش ہیں۔ انسان فطری طور پر بعض ان پیشوں کی بجا آوری پر مجبور ہے جن کو وہ نہایت ذلیل تصور کرتا ہے۔ اس کو خاک روب کا فرض کم از کم یومیہ انجام دینا پڑتا ہے۔ علیٰ ہذا حجام کے پیشے سے بھی اس کو آشنا ہونا پڑتا ہے پھر جب وہ اپنے گھر جاتا ہے تو عورتوں کو مختلف پیشوں میں منہمک دیکھتا ہے۔ وہ کبھی باورچی کا کام کرتی ہیں کبھی درزی کا کبھی خاک روب کا کبھی دایہ کا کبھی رنگریز کا مگر باایں ہمہ ہم انکو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ جو عورتیں زیادہ پیشے جانتی ہیں ان کو باسلیقہ یا بہ الفاظ دیگر سُگھڑ کہا جاتا ہے۔ ان میں اور عام پیشہ وروں میں صرف فرق اتنا ہے کہ یہ ان پیشوں کو اپنے اور اپنے لواحقین کی ذات تک محدود رکھتی ہیں اور وہ کسب معاش کے لیے ان کو عمومیت سے کرتے اور اسپر مجبور ہوتے ہیں۔

محمود اسرائیلی

ضروری گذارش :- تمدّن بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا۔

مینیجر

تم سے خطاب

"تم سے" اس لیے کہ عرصہ کے بعد "تمدّن" کے توسل سے تمہارے پیوا ہر افکار بے چین دماغ کے لیے باصرہ نواز ہوئے ہیں۔ الفاظ کے معنی۔ اور معنی میں بھرا ہوا جادو۔ مردمک دیدہ سے گذر کر میرے دماغ پر منعکس ہوتے ہیں: دماغ پر بھی غلط؛ دل پر؛ بلکہ دل و دماغ کے اُس حصہ پر جہاں دردِ دیرینہ نے نظرِ بد سے پناہ مانگ کر گوشۂ عافیت اختیار کر لیا ہے؛ اس حصہ کو میں الفاظ میں بتانے سے قاصر ہوں۔ مگر اس درد کی چسک چارہ گر کے تغافل کے بدولت برابر محسوس کرتا رہتا ہوں! چارہ گر کون؟ تم نہیں: تم تو اُس درد کی دوا ہو؛ یہ اور صورتیں جو تمہاری عدم موجودگی میں چارہ سازی کا دعوےٰ کرتی ہیں! تم میں اور اُن میں وہی فرق ہے جو سلطنت مغلیہ کے عالم زوال میں بادشاہ اور بادشاہ گر میں رہ چکا ہے! تم تڑپنے سے فطرتاً لذت یاب ہو اور وہ تڑپ سکتے ہیں۔ تم دل سے بولتے ہو وہ زبان سے بولتے ہیں۔ تم دل سے دیکھتے ہو وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں تم قلب ہو وہ محض قالب!

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

تمہارا قصیدہ لکھنا میرا مقصود نہیں۔ اور تمہارے جانشینوں کی ہجو کرنا بھی۔ حاشا و کلاّ۔ میرے پیش نظر نہیں! میں محض اُس درد میں اضافہ کا طالب ہوں جس کو تم نے۔ دانستہ یا نادانستہ۔ پیدا کیا تھا! اُس انگر کی شعلہ فشانی کا خواہاں ہوں جو سردمہری یارانِ وطن سے بجھنے کے قریب ہے! مبارک ہیں وہ چند نفوس جو ابتک اس میٹھے میٹھے درد کو کلیجہ سے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر۔ میں اس کے خلاف ہوں! "رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل ٭ جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے" لیکن آنکھ سے نکالنے والی وہ زبان وہ دہن نہیں جو اگر دگر گر کے ہیر پھیر پر ہمت و جذبہ کو قربان کردے۔ نہیں یہ جادو بیانی اگر ممکن ہے تو اسی وقت جبکہ کہنے والے نے فی الحقیقت درد پیدا کر لیا؟ اور اُسکے الفاظ "دہانِ زخم" سے نکلتے ہوں! میں تم کو بھی دیکھتا رہا ہوں اور سب ان کو بھی

دیکھتا ہوں۔ مجھے ان میں کسی چیز کی کمی نظر آتی ہے کسی ایسی چیز کی جو اس تمام زندگی کی روحِ رواں بھی جا سکے! وہ کیا چیز ہے؟ میں نہیں بتا سکتا! بعض لوگ اُسے "ناعاقبت اندیشی" کہتے ہیں۔ اگر واقعی وہ آتشِ سیال جو تمہارے رگ و پے میں بجلی کی طرح متحرک تھی "ناعاقبت اندیشی" ہے تو میں ایسی "ناعاقبت اندیشی" پر ہزار "مصلحت وقت" کو قربان کر دینا بہتر سمجھتا ہوں!

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

تمہاری شرابِ محبت کے متوالے اب بھی متوالے ہیں! لیکن وہ نشۂ جذبات جو بیک کرشمہ تم نے پیدا کیا تھا اب خمار ہو چلا ہے: خدا مغفرت کرے اُس بے نظیر شخص کی جس نے تمہارے بعد بھی اُس نشہ کو اپنے حتی المقدور خمار نہ بننے دیا۔ مگر اب وہ بھی نہیں۔ اُنہی نظر نہ آنے والے ہاتھ نے اس کو بھی ہم سے چھین لیا جس نے تم کو زندہ در گور کر دیا۔ مگر میں اُس قادر ہاتھ کے ان دونوں افعال میں فرق ہے! اُس مرحوم کا "مردہ در گور ہونا" اُس کا بلاواسطہ اور ناگزیر فعل تھا؛ اور تمہارا۔ معاف کرنا۔ "زندہ در گور ہونا" بالواسطہ ہی: اس "واسطہ" ہی کا تو رونا ہے! اور اس کے رونے والے اب معدودے چند ہیں! وہ بیچارے بلا کسی ذاتی مفاد کے۔ خواہ وہ تخیلہ ہو یا وقار قومی پر مبنی۔ بلا کسی جلبِ منفعت کے، بلا کسی اعلانِ نمایش کے، جب کبھی موقع ملتا ہے صفحۂ قرطاس پر اپنے گرم گرم آنسو بہا دیا کرتے ہیں! کیوں؟ محض اس لیے کہ ان کی اندرونی حدت اُنھیں مجبور کرتی ہے کہ وہ۔ اور کچھ نہیں کر سکتے تو۔ رو ہی لیا کریں! ایسے سیماب صفت لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ بہت تھوڑے!

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

خدا شاہد ہے اور ہر آنکھ دیکھتی ہے۔ کہ تمہارے افعالِ ظاہری کی تحریکِ باطنی ہر نقطۂ نگاہ سے بے لوث نظر آتی ہے! تم کبھی لغو گوئی کے الزام میں طعنۂ ملامت نہیں بنے: تمہاری نسبت۔ برخلاف اور اونچی شان والوں کے کبھی کسی قومی غبن کا اتہام نہیں لگایا گیا: دوست بیچارے تو تمہاری یاد تک کے پرستار ہیں، دشمن بھی اگر کبھی زبان درازی

کام لیتے ہیں تو تم کو "نا عاقبت اندیش" کہتے ہیں اور بس! مگر واقعات عالم عشق صرف
کے لیے نا عاقبت اندیشی کا وجود ایک جزو لاینفک ثابت کرتے ہیں۔ اور تم مجبور ہیں
تو لبریز درد ضرور ہو! پھر اگر کسی غدار شہر میں تمھاری عظمت۔ اور کہیں نہیں تو۔ دلوں
میں ہی باقی ہو تو تعجب کیا؟ اس عظمت و اعز کا اظہار تمھارے کسی بزرگ کے استقبال
میں غیر معمولی طور پر کیا جائے تو حیرت کیا؟ نا فہم انگشت بدنداں ہے اور میں ہنستا ہوں
غماز جلتا ہے اور میں خوش ہوتا ہوں! خوشی کا اظہار میں نہ کرسکوں مگر پھر بھی میرے
چہرہ اور حرکات سے کچھ نہ کچھ ٹپکتا ہے! آہ! زمانۂ ناموافق! تیرا بُرا نہ ہو ظالم ہنسنا تو
درکنار یہاں تو اجازت فریاد بھی نہیں! محض اس جرم پر کہ فریاد کا خیال محض کبھی کبھی
دل و دماغ سے زبان تک آگیا ایسی ناگفتہ بہ سزا ملی کہ بھول جانے کی کوشش بھی
کروں تو نہیں بھول سکتا! سینکڑوں چرکہ ایسے ہیں جو تمھاری نگاہ کے سامنے پہنچے
ہوں مگر۔ خدا عالم ہے۔ تمھارے فریادیوں کو اکثر موقعوں پر اور مختلف صورتوں میں
دیے جاتے ہیں اور ارادۃً دیے جاتے ہیں! یہ کس بیکسی کا مارا ہوا اگر وہ برداشت کرتا
ہے اور صبر کرتا ہے۔ یہ نہ کرے تو اور کرہی کیا سکتا ہے؟ مرگ مفاجات پر کسی کا بھی
زور چلا ہے جو ہم نامرادوں کا چل جائے! صبر۔ اور صبر کے ساتھ یہ دعوے کہ "سب
گوارا ہے جو تم سُنتے رہو فریاد بھی" !!

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

ضرور آئے گا وہ وقت بھی جب حق آفتاب عالمتاب کی طرح رقیبوں کی نظر
خیرہ کردے گا۔ مگر خوف ہے تو یہ کہ اُس نور کا جلوہ حاصل کرنے کے لیے آنکھیں بھی
باقی رہیں گی یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ نظارہ کا وجود ہے تو ناظر کا وجود بھی
یقینی ہے۔ بالکل بجا۔ مگر کیا وہی آنکھیں جو بخارات دماغ سے پیدا ہونے والے
ابر گریۂ بیکسی کا مینہ برسایا کرتی ہیں اُس وقت تک بہ نہ جائیں گی؟ اُن کی
جانشین آنکھوں نے نور حق کو جلوہ گر دیکھا تو کیا دیکھا؟ دکھانے والی قوت کاملہ کی
شان تو جب ہے کہ ان رونے والی آنکھوں ہی کو دکھا دے۔ اور اُس وقت سے پہلے

دکھا دے جبکہ امتداد زمانہ دل سے اضطراب - دماغ سے بے چینی - اور نظر سے گرمی نہ کھو چکا ہو! یہ زمانہ منقلب، یہ دنیا منقلب، یہ سب کچھ منقلب! مگر ظالم انقلاب آخر تیرا ظہور کب ہوگا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ تو میرے دل کے موافق ہی کروٹ بدل - نہیں تو اپنی روشِ تباہ کن کو نہ چھوڑ اور بہ یک گردش مجھے اور کچھ نہیں تو - نیست و نابود ہی کردے : میں نابود ہونے سے راضی مگر انتظار کی تکلیف اب میری قوتِ برداشت سے باہر ہے! میری التجا یہ نہیں کہ مجھے سنبھلنے دے - ہاں یہ ضرور ہے کہ - تڑپا کر نہ مار! ذبح کردے مگر تم جان چھوڑ! اِدھر یا اُدھر جو تیرے من میں آئے!! مگر خدا کے لیے عجلت سے کام لے اور بس!! استقبل قریب میرا مرثیہ لکھے یا مجھ پہ نکتہ چینی کرے مجھے پروا نہیں - مگر میں آخر وقت تک محبتِ باطنی میں ثابت قدم رہنا چاہتا ہوں - اور قوتِ برداشت کے زائل ہو جانے کے خوف سے اُس وقتِ آخر کو جلد بُلانا چاہتا ہوں! کیا یہ تمنّا بھی کچھ خلافِ شانِ تغافل ہے؟

+ + + + +

ہاں اے جوہرِ طبع دکھانے والی شمشیرِ قلم (پھر "تم" سے خطاب ہے) تو سکون اختیار کر! تیرے الفاظ کُہنہ زخم میں پھر وہی لذت درد پیدا کر دیتے ہیں جن کا یہ دل متمنی ہے! پند و نصائح سُنتے سُنتے عاجز آگیا! اب کچھ کُفر کی باتیں سُننے کو بے چین ہوں : "زبان بریدہ سہی مگر گوش بُریدہ" نہیں ہوں! تم جو کچھ کہو سُن لوں گا اور محض اس سُننے سے وہ لذت حاصل ہوگی جو کہنے سے کبھی نہ ہوتی! بس تم کچھ نہ کچھ کہے جاؤ - تم سوائے اُس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے جو میرا دل سُننا پسند کرتا ہے - تم مجسم درد ہو اور درد میں اُلٹ پلٹ سے بھی درد ہی درد پیدا ہوتا ہے!

+ + + + +

میں کیا کہنا چاہتا تھا؟ وہی جو کہہ نہیں سکتا! اور کیا کہہ گیا؟ وہی جو کہہ سکتا ہوں! مگر آہ! جو کچھ کہنا تھا وہ اب بھی باقی ہے اور کہنے کی تحریک عطا کرنے والا ہی جانتا ہوگا کہ کب تک باقی رہے گا! تم زندہ اور صحبت باقی!! جامع المتفرقین کبھی ان قیود کو دفع کرنے کے ساتھ ہی بعد ظاہری بھی دور کر ہی دے گا! گویا - میں تمھارے لیے دست بدعا ہوں؟

شاہدِ گُل

اے بادِ بہاری کے تازہ اور خوشگوار جھونکو! خدا تمہاری مستانہ وار اٹکھیلیوں کو دائم و قائم رکھے، اور تمہارے چلتے پھولتے چمنوں کو دنیا کی ہزاروں بہاریں نصیب ہوں، سینکڑوں شاہدانِ گل اور لاکھوں نونہالانِ گلشن تمہارے آغوش ہائے مسرت بلد سے فیضیاب ہوکر چمنستانِ دہر کی زینت کا مرتبہ پائیں اور رہتی دنیا تک اُن کی گرمیٔ بہارِ حُسن کا دور دورہ رہے۔

اے بہار! یاد ہے تجھے شام کا وہ نامسا عد وقت، ہائے! وہ منحوس گھڑی جب کہ میں نوعروسانِ چمن کی زیبائش اور اُن کی نکہت آگین مہک سے بہرہ اندوز ہوتا ہوا سامنے والی روش پر اکبارگی مبہوت ہوکر رہ گیا تھا، آہ! پھولوں کا وہ دلدوز نظارہ جس کی تاب نہ لاکر میرے پُرارمان قلب میں انتشار کا عالم پیدا ہوتے ہی میرے دستِ تمنا دراز ہوگئے تھے، یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ میرا دل جو ایک مدت سے شاہدِ حقیقی کی تلاش میں اپنی ہستی کو نیست و نابود کیے دیتا تھا اس وقت کامیاب ہوتا ہوا نظر آیا۔

ہاں اے نسیمِ بہار! تیری وہ پُرشوخ ادائیں جب کہ تو تر تم ریز عشق ہوکر بیباکانہ اُن کو اپنے سینے سے لگانے کی کوشش کرتی نشترکا کام دیتی ہیں، تیرے گستاخ ہاتھوں کا اُن کے جسمِ نازک سے مس کرنا اور اُن کا ایک ادائے دلربا کے ساتھ اِدھر اُدھر مُنھ پھیر لینا! میں نے اُسی وقت سمجھ لیا تھا کہ یہ باتیں ایک دُکھے ہوئے دل، آہ! ایک وارفتہ مزاج کی تباہی و بربادی کے لیے کافی ہیں،

بے شک اے نوعروسانِ بہار! تمہاری دلآویز اداؤں پر ہزار جان سے فریفتہ ہوکر میرا غنچۂ دل بھی کھل کھلا اُٹھا تھا، اور خیال کیا تھا کہ تم کسی نازنین کے دستِ حنائی کی زیبائش اور کسی معشوق کے گلے کا ہار بننے کے لائق ہو، تمہاری پاک ہستی

کسی عفت کوش اور حیا پرور وجود ہی کے ساتھ وابستہ ہونے کے قابل ہے، مگر آہ! نسیم صبح کے بدست جھونکوں، اور گستاخ اٹکھیلیوں نے تمھاری بہار حُسن لوٹ کر میری تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔

غضب خدا کا وہ بدذات حُسن کے ڈاکو جو زخم خوردۂ الفت کی نظروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتے ہوں تمھاری مجلس میں باریاب ہوکر تمھارے پہلوؤں میں جگہ پائیں اور تمھارے متمنی، آہ! تمھارے وارفتہ یوں محروم و ناکام رہ جائیں،

ہاں! عصمت و عفّت کی سچی تصویرو، اور دامانِ گلچین کو کُھلا ہوا آغوش سمجھنے والی ہستیو! ذرا خدا لگتی کہنا کہ ان وابستگانِ حُسن کی آشفتہ حالی کہاں تک قابلِ رحم اور کس درجہ قابلِ افسوس ہے، بے شک اپنے شاہدِ حقیقی کو پاکر، میں مطمئن ہو چکا تھا کہ میرے دل کی تپش، میرا اندرونی اضطراب صرف چند لمحوں کا ہے، اُسکا جوشِ شباب اور دلفریب ادائے شرم دیکھکر میں نے دلیا ہی ایک ہمدم جو اُس کی وابستگی کا محلِ صاف ہو مقرر کرلیا تھا، اور چاہتا تھا کہ باغبانوں کے سوا کے ہاتھوں کی دستبرد سے محفوظ رکھ کر، اپنے معشوقِ حقیقی کے لب ہائے شیریں کا انیس بنادوں، مگر کیا سچ مچ میری تمنّائیں، اُس پاک اور سچے وجود کے ساتھ وابستہ ہونیکے قابل تھیں؟ کیا وہ نو بہار بوستاں میرے ہی سکون قلب کے لیے عالمِ وجود میں آیا تھا؟ آہ! ایک تشنہ لبِ محبت اور ایک بدنصیب مقدور کے دل سے کوئی پوچھے کہ ان حسینوں کی برق وش نگاہوں نے اُس کی دیرینہ تمناؤں کو اپنے ایک ہی حملے میں کس طرح ملیا میٹ کردیا، اُس کے انداز بیخودی کو کوئی دیکھے کہ کیونکر ایک جی سے گذرنے والے کے قلب و جگر کو برمایا جاتا ہے،

اُف! بادِ بہاری کا پتوں کی آڑ میں چھیڑنا اور تیرا جوش شرم سے سُرخ ہوجانا، اسی حیا پروری اور پاکبازی نے میرے دل کو بآسانی مسخر کرلیا تھا، مگر افسوس! اس فلک کج رفتار نے بایں پیرانہ سالی سفاک حسینوں کی طرح میرے دل کو بسان طفلانِ اشک بہا دیا،

ہمارے اسلاف کی سیاسی غلطیاں

حریت و مساوات کہنے کو تو صرف دو سیدھے سادے لفظ ہیں مگر غور کیا جائے تو تمدن و تہذیب کی تاریخ ان کی شرح ہے۔ اقوام عالم کے عروج و زوال کے قصص ان کی تفسیر ہیں۔ اور اولوالعزم و نامور اشخاص کے کارنامے ان کی توضیح۔ وہ حریت ہی کی روح تھی جس نے مدافعان تھرماپلی کو حیات جاوید بخشی ہے۔ وہ حریت ہی کا جوش تھا جس نے ایک لوہار کے چمڑے کو ایک پُرشان و شوکت قوم کا لواء قومی بنایا اور درفش کاویانی کا خیال اب بھی سیاسی آزادی کی تحریک کرتا ہے۔ یہ حریت ہی کا صدقہ تھا کہ قوم ڈچ بمقابلہ ہسپانیہ عظمیٰ اپنی مذہبی و ملکی زندگی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئی اور آج زندہ ہے۔ وہ مساوات ہی کا خیال تھا جس نے جولیس سیزر کو اپنے دوستوں کے ہاتھوں قتل کرایا۔ وہ مساوات ہی کا عمل تھا کہ عربوں کی سی شرافت نسب پہ فخر کرنے والی قوم نے غلاموں کی سرداری قبول کی ہے۔ وہ مساوات ہی کا اثر تھا کہ امام شافعیؒ نے صحابیت کی جہالت کو نظرانداز کر کے کہہ [illegible] حال و معین الحال۔ وہ حریت و مساوات ہی کا نشہ تھا جس نے انگریز جیسی عدالت پسند و قانونی قوم کو بادشاہ کشی پہ آمادہ کیا۔ وہ حریت و مساوات ہی کی سحرکاری تھی جس نے بانیان و کارکنان انقلاب فرانس کو کل اقوام یورپ کو [illegible] کی ہمت دلائی وہ حریت و مساوات ہی کا کرشمہ تھا [illegible] عالم میں واقعہ کربلا [illegible] ہے اور ایک طرف حریت و مساوات اور دوسری طرف استبداد و ظلم کا بہترین نمونہ مانا جاتا ہے۔

دنیا کا بہترین لٹریچر وہ ہے جس میں حریت و مساوات کی دعوت و تعلیم دی گئی ہے۔ بائستھنیس کے تلکیس روسو کی معرکۃ الآرا کتاب۔ مازنی کے مضامین کومٹ کے اقوال۔ [illegible] کے ترانے حریت و مساوات کے جذبات سے لبریز ہیں۔ اور اس لٹریچر نے قوموں اور ملکوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ اور نفس انسانی کے بعض [illegible]

کارنامے اس کا نتیجہ ہیں۔

مسلمانوں کا عہد اول حریت و مساوات کی مکمل عملی تصویر ہے اور اسی لیے اس کو خیر القرون کہا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عجمی تمدّن کی یورش اور قدیم عربی تفاخر قومی و خاندانی کے ردعمل نے اس تصویر کو ایسا بگاڑا کہ تھوڑے ہی زمانے میں کیا سے کیا ہو گئی اور امتداد ایام نے نیم متمدن اقوام کے خیالات کے ساتھ مل کر حریت و مساوات کی اس مکمل عملی تصویر کو گویا مسخ ہی کر دیا۔ بایں ہمہ اسلامی روح نے جو تمام تر حریت و مساوات کے جذبات سے سرشار ہے، وقتاً فوقتاً اپنا اثر دکھایا ہے۔ زمانہ نے مسلمانوں کو ہمیشہ موقع دیا ہے کہ اپنی وراثت ملی حاصل کریں مگر مسلمانوں نے عموماً اور ہندی مسلمانوں نے خصوصاً ان خداداد مواقع سے فائدہ اٹھانا ناپسند نہ کیا اور یوں اپنی سیاسی نااہلیت کا ثبوت دیا۔ اسلام نے انسانی روح کو وہ بزرگی و عظمت عطا کی کہ سجدہ صرف خدائے قادر و قیوم کے لیے مخصوص کیا گیا اور شخصیت پرستی کی ہر ممکن ذریعہ سے مخالفت کی گئی۔ مگر حریت و مساوات کی نا قدر دانی نے اسلامیوں کی کایا پلٹ دی۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بعض ایسے حادثات وقوع پذیر ہوئے ہیں کہ بزرگان قوم کی بروقت اولی العزمی تاریخ کا رخ بدل دینے کا باعث ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسلام کے اس خاصہ خصوصی کو اس قدر کمزور بلکہ بیجان کر دیا تھا کہ انھیں ان واقعات سے کوئی تحریک ہی نہ ہوئی اور خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے ہماری قوم محروم ہوتی گئی۔ اس دعوے کے ثبوت میں اسلامی تاریخ سے متعدد واقعات پیش کروں گا۔ اب ایک نادر و عجیب مثال دیتا ہوں۔

سلطان محمد بن تغلق کی قبل از وقت سیاسی و اقتصادی پالسی کی ناکامیابی نے جب اس کے مزاج میں ایک طرح کا غصہ و خشونت پیدا کر دی تو بعض افعال اس سے ایسے سرزد ہوئے کہ امرا و علمائے قوم نے باز پرس مناسب جانی اور جابجا بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اس وقت دکن کو مسلمانوں کے قبضہ میں آئے ہوئے بہت تھوڑا عرصہ ہوا تھا۔ ان کا قبضہ بھی بڑی حد تک سیاسیات حاضرہ کے حلقۂ اثر سے زیادہ

تفاوت ضرور رکھتا تھا۔ فرق یہی تھا کہ جگہ جگہ مسلمان افسر فوجی دستوں کے ساتھ عام نگرانی اور عہود مصالحت کی پابندی و تکمیل کے لیے مقرر تھے۔ یہ افسر امرائے صدہ کہلاتے تھے۔ دکن کے امرائے صدہ نے بھی سلطان کے ناعاقبت اندیش احکام و افعال سے روگردانی اپنے و نیز قوم کے حق میں مناسب سمجھی۔ اور عہد اطاعت و انقیاد سے خود کو آزاد کیا۔ امرائے صدہ دکن نرے سپاہی نہ تھے بلکہ عموماً قلم و علم دونوں میں کمال رکھتے تھے۔ مسلمانوں میں اکثر قلم و شمشیر کا ساتھ رہا ہے۔ رزم و بزم کی صورتی ہمجنسی نے اپنے فدائیوں میں عملاً بھی ہمجنسی قائم کر دی تھی۔ اور ایک ہی اسلامی ہستی میدان جنگ و محفل جنگ میں رونق افروز ہوائی ہے۔

اس زمانہ کے حسب ذیل امیران صدہ کے نام دریافت ہو سکے ہیں۔

اسمٰعیل فتح جسن شاہ۔ سیف الدین غوری۔ ملّا محمد بدخشانی۔ سید صدر الشریف سمرقندی۔ سید محمد بدخشی۔ سید رضی الدین بہرام خان مازندرانی۔ صفدر خان سیستانی۔ مولانا محمد اسحٰق سرہندی۔ فولاد خان سیستانی۔ سید احمد ہروی سید نور الدین شیخ منہاج الدین جنیدی۔ قوام الدین غوری۔ سید تقی اصفہانی۔ سکندر خان۔ قیر خان کلیم اللہ مازندرانی۔ بایزید خان۔ سید جمال الدین ثوابت۔ صلابت خان سیستانی۔ میر زین العابدین۔

ان میں سے بعض کا شمار علما میں تھا۔ جیسے مولانا محمد اسحٰق۔ ملّا محمد۔ سید صدر الشریف سید محمد۔ سید احمد وغیرہ اور سید صدر الشریف اور سید محمد بدخشی علوم نجوم و ریاضی میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ بقیہ امرائے صدہ بھی ضرور تعلیم یافتہ تھے۔ ان کی منصبی حیثیت اس زمانہ کے پولیٹکل ایجنٹوں کی سی تھی اور بغیر علم و تجربہ کے وہ اپنے فرائض منصبی نہ بجا لا سکتے تھے اس لیے ان کے متعلق بے علمی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ ان بزرگوں نے جب بغاوت کا ارادہ کیا ہے تو یہ سوچ لیا کہ بغیر سر دھرے کامیابی محال ہے۔ اس لیے کثرت رائے سے انھوں نے اسمٰعیل فتح افغان کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ غور کیجیے انتخاب ہوا ہوگا تو کیا کچھ بحث و مباحثہ نہ ہوا ہوگا۔ ہر امیر نے اپنے حقوق و اہلیت

جتائی ہوگی۔ کیونکہ سب برابر کے عہدہ دار تھے اور حریت و مساوات کے نشہ سے سرشار۔ اسمٰعیل فتح کی سرکردگی میں ان امرا و علمائے قوم نے سلطان وقت کے خلاف کامیابی حاصل کی اور دکن کو اس عجیب و غریب فرمانروا کی اطاعت سے آزاد کرلیا۔

اس آزادی کی جدوجہد میں حسن شاہ نے بہ نسبت دیگر امرا کے زیادہ حصہ لیا اور افواج سلطانی کی شکست بیشتر اس کی جوانمردی و کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس وجہ سے خلائق کا رجوع اس کی طرف زیادہ ہونے لگا۔ اور یہ حالت منتخب شدہ سلطان کو بھی محسوس ہونے لگی۔ تاہم نہ حسن شاہ نے اپنی ہردلعزیزی و خلائق پذیری کی بنا پر بغاوت کرنے کی جرأت کی اور نہ امرا و علما نے اپنے انتخاب پر نظرثانی کرنا پسند کیا۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہی کہ اس زمانہ کے مسلمان کسی کی شخصیت سے مرعوب نہوتے تھے اور پابند اصول تھے اپنے اپنے عہود کا بڑا پاس تھا اور بغیر کافی وجہ کے نہ فساد کرنا نہایت بُرا سمجھتے تھے لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا پر ان کا پورا عمل تھا مگر اسمٰعیل نے فرائض تاج تخت و عوائد سلطنت کے باحسن وجوہ بجا لانے کی خود میں ہمت و قابلیت نہ پائی اور بے غرض و بےنفس ایسا ایثار نفسی سے کام لے کر جس کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت کم ملتی ہیں اپنے فوائد کو فوائد قومی و ملی پر سے قربان کردیا اور بادشاہت سے استعفا دیدیا۔ امرا و علما کی جماعت نے کثرت رائے سے حسن شاہ کو سرفرازی بخشی۔

امیران صدہ دکن کی پوری جماعت جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا ہے اچھی تعلیم یافتہ تھی اور حکمرانی کا کافی تجربہ رکھتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ بعض امرا علوم مذہبی میں بہرۂ تمام رکھتے تھے اور بعض امرا علوم دنیاوی میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ غرض ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ انتخاب کرنے والی پوری جماعت یہی نہیں کہ اپنے فرائض منصبی سے اچھی طرح واقف تھی بلکہ یہ بھی کہ وہ بخوبی جانتی تھی یا جان سکتی تھی کہ انتخاب سلطان سے کیا مقصد ہے اور قوم و ملک پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ اور غلط انتخاب کے نتائج سے ملک و ملت کو کس طرح محفوظ و مصئون رکھا جاسکتا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ ان امرا نے اپنے بادشاہوں کے انتخاب کے وقت دوراندیشی

وسیاسی پیش بینی سے کوئی کام ہی نہ لیا۔ کیسا نادر موقع تھا جمہوری سلطنت کے
قائم کرنے کا۔ کس قدر عجیب ذریعہ تھا قومی و ملی بادشاہت کے بنا کرنے کا۔ امراے
دکن اسلام کے سیاسی عہد زریں کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے اور ان کے سامنے
وہ معجز نما مرقع بھی تھا جسے مورخان عالم نے ہمیشہ استعجاب و حیرت کی نظر سے
دیکھا ہے اور جس کے متعلق بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ صحیح سچی جمہوریت کا
اول نمونہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ امراے دکن خلافت راشدہ کے طریقہ قیام و انعقاد
وطرح حکومت و اسلوب انتظام اور ان سب کے نتائج حسنہ کا کافی علم رکھتے تھے
مگر سخت ماتم و افسوس کرنے کی بات ہے کہ انھوں نے اس علم سے کچھ کام نہ لیا اور بلاوجہ
وضرورت اس خداداد نعمت عظمیٰ کو جسے علماے سیاسیات آزادی کہتے ہیں اور جو
ہر فرد بشر کا حق طبعی ہے خود اپنے گروہ میں سے ایک شخص پر سے قربان کر دیا۔ اور اپنے
ساتھ قوم کو بھی لے ڈوبے۔ سچ پوچھو تو وہ قوم کے نمایندے تھے اور جب انھوں نے
ایک جابر سلطان کی ناجائز مطلق العنانی سے مسلمانوں کو رہائی دلائی تو ان کا
فرض تھا کہ دوسرے سلطان کی لامحدود فرمانبرداری اور مطلق فرمانروائی میں نہ
پھنساتے۔

اے کاش وہ سلطنت کے لیے کوئی اساسی قانون وضع کرتے اور منتخب شدہ
سلطان کو مجبور کرتے کہ وہ اس قانون کی پابندی کرتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ
سلطان سے عہد لیتے کہ جس طرح ان کی راے سے اسکا انتخاب ہوا ہے اسی طرح
ہر اہم معاملہ سلطنت انکی راے اور مشورہ سے طے ہوا کرے۔ غرض ایک محدود الاختیارات
آئینی بادشاہت قائم ہو سکتی تھی۔ مگر امیران سدہ نے نہ اسکی کوشش کی اور نہ جمہوریت
کے لیے جد و جہد کی۔ انکی یہ فروگذاشت ناقابل معافی ہے اور ان کی یہ غلطی ثبوت ہے انکی
سیاسی نااہلیت کا۔ تاریخ کی ورق گردانی کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کن کن ایام میں ہمارے اسلاف سے
کس کس قسم کی سیاسی غلطیاں سرزد ہوئیں جنکے برے نتیجے دیکھنے کے لیے آج ہم مجبور ہیں۔ مذکورہ
بالا واقعہ بھی ان غلطیوں میں سے ایک ہے اور افسوس ہے کہ ہم سب [illegible] اور پھر اس غلطی سے
بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

ف

معاشرتی جھلکیاں

یا الٰہی کیا ہوئی میری وہ شان آرزو

اب کہاں جاتی رہی وہ این و آن آرزو

دنیا نے جس قدر ترقیاں کی ہیں۔ تہذیب و تمدن کا دائرہ جتنا بڑھتا گیا ہے۔ ایجادات و اختراعات کی دنیا میں جس کثرت سے انقلاب گذرے ہیں۔ یہ سب کچھ اُس برکت عظمٰی اور طاقتِ کبریٰ کے حیرت انگیز کرشمے ہیں جس کو "تعلیم" کے مبارک نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر ملک و قوم سکے تنزل و انحطاط کا حقیقی معیار تعلیم ہی ہوا کرتی ہے اسی کسوٹی سے ہم کسی ملک یا قوم کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور یہی وہ معیار ہے جس سے کسی ملک کا دوسرے ملک سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ہماری معاشرت کو سنوارنے اور ہماری حیات کی ویران گھڑیوں کو پُر لطف بنانے میں جس قدر تعلیمی حصہ کو شمول حاصل ہے وہ اربابِ بصیرت سے مخفی نہیں۔ تاہم ہر عہد میں ایسی فاضل ہستیاں ابنائے زماں کے ہاتھوں مصائب و آلام کے شکنجے میں کھنچی جاتی رہی ہیں۔ جن کی نظیر زمانہ مشکل سے پیدا کرتا ہے۔ افلاطون جیسا علامہ اجل غلاموں میں فروخت ہوا نادرۂ زماں ہستی ارسطو کی توحید پرستی اُسکے لیے مصیبت بن گئی اور نتیجۃً مقدونیا چھوڑنا پڑا۔ حکیم فیثا غورث نے کس نکبت و مفلوکیت سے جان دی۔ اُسقف انطاکیہ نسطورس نامی جس نے سائرل کے مقابلے میں علم مناظرہ بلند کیا تھا شہنشاہ تھیوڈوسس کے حکم سے جلا وطن کیا گیا۔ ایک مصری خاتون ہائی پیشیا نامی جو فضلائے عصر میں سے تھی اور فلسفہ۔ ریاضی۔ ہندسہ اور ہیئت میں درس دیتی تھی بڑی بے رحمی اور بے دردی سے مار ڈالی گئی۔ اور لاش گلی کوچوں میں گھسیٹی گئی۔ گلیلو نے برسوں قید خانہ میں ایڑیاں رگڑیں امام ابو حنیفہؒ کو اینٹ گننے کا ذلیل کام سپرد ہوا۔ ابن رشد نے مدتوں جلا وطنی کی مشکل اُٹھائیں خیر یہ تو مردوں کا ذکر ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ طبقۂ ذکور کے علاوہ گروہ اُناث نے دنیا کی مشین کس قابلیت و اعلیٰ ہنری سے چلائی ہے تعلیمی۔ معاشرتی جنگی میدانوں میں اُنہوں نے قابلیت کو

کس روش پر جولانیاں دکھانے کا موقع دیا ہے۔ عہد ماضیہ میں کینڈیس ملکۂ نخوپیا نے نہایت
تدبر و دانش اور سطوت و جلال سے حکمرانی کی ہے۔ یہ سیاہ فام مخلوق کسی زمانے میں متمدن قوم تھی
دار السلطنت مروئی تھا۔ ہندوستان سے تجارت رکھتی تھی۔ اور اتفاق سے کئی صدیوں تک وہاں
مسلسل عورتوں کی حکومت و سلطنت رہی۔ ہر ملکہ کا لقب کنیڈیس ہوتا تھا۔ شہر مروئی کے کھنڈرات
میں آج تک اس قوم کی گذشتہ عظمت کا دیا ٹمٹماتا نظر آتا ہے۔ استیر ملکۂ اسرائیلیہ کے تدبر
و خردمندی کی قوم یہود ہمیشہ ممنون احسان رہے گی۔ ملت عیسوی کی گردن کبھی ملکہ ہیلینا کے
اکرام و برکات سے اوپر نہ اٹھ سکے گی۔ عرب خنساء و فارعہ کی زلزلہ افگن آتش زبانیوں کو
ہرگز نہ بھول سکے گا۔ اسلامی دور میں زبیدہ خاتون اور خولہ بنت ازور کی خدمات
جلیلہ پر جس درجہ فخر و مباہات کرے کم ہے۔ ہر زمانے کو دیکھ ڈالو۔ اوراق تاریخ الٹ کر دیکھو
کوئی قوم ایسی نہیں ملے گی جس نے صنف نازک کی علمی اخلاقی جنگی معاشرتی اعانتوں کے
بغیر دنیا میں عروج حاصل کیا ہو۔ اور تاوقتیکہ جنس لطیف نے دوش بدوش مردوں کا
ساتھ نہ دیا ہو رفعت ترقی کی عنان ہاتھ آگئی ہو۔ یورپ نے ہرگز اس وقت تک ترقی نہ کی
جب تک کہ طبقۂ اناث تعلیم یافتہ نہ ہو لیا۔ جاپان بالکل نہ ابھرا جب تک کہ عورتیں تعلیمی منازل
نہ طے کر گئیں۔ اسلامی گودوں نے کبھی عبداللہ بن زبیرؓ۔ امیر معاویہؓ جیسی اعلیٰ ہستیاں
پیدا نہ کیں تاوقتیکہ خواتین اسلام علوم و فنون کا منبع نہ بن گئیں۔ دنیا کی معاشرت، مردوں کی
صد ہزار گونہ مساعی کے باوجود بھی کسی طرح سنبھل نہ سکی جب تک کہ طبقۂ اناث نے تعلیم یافتہ
ہو کر ادھر التفات نہ کی۔ ایک زمانہ تھا جبکہ اسلامی تمدن کا خورشید جہانتاب اوج عروج پہ
چمک رہا تھا۔ عباسیوں اور امویوں کی علمی قدر دانیوں نے دنیا کو فضلا و کملا سے پر کر رکھا
تھا۔ ہر طرف سے علم و فضل کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ درس و تدریس کے دریا بہ رہے تھے۔
قرطبہ و بغداد کی یونیورسٹیاں مامون رشید و عبدالرحمن ثالث کی فیاضیاں ساکنان
فلک ناک کو حیرت میں ڈالے ہوئے تھیں۔ بچہ بچہ علمی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک بدوی
بچہ نے عوارض کی پیہم یورش آزمائیوں کے باعث طبیب کا انقطاع تعلیم کی بابت آخری
فیصلہ سن کر صاف کہہ دیا تھا کہ مجھکو ہرگز ایسی حیات درکار نہیں جو جہل و نادانی کی

تفسیر ہو۔ اور علمی حیات پرور مشاغل ترک کرنے پڑیں۔ امیر معاویہؓ کی والدۂ محترمہ نے اس
وقت جب کہ آپ حضرت معاویہؓ کو کھلا رہی تھیں ایک عورت کی دعا سرداریِ مسلمین دینے پر
سخت برافروختہ ہو کر کہا تھا کہ اگر یہ بچہ صرف مسلمانوں ہی کا سردار ہو سکے تو خدا اس کو ابھی اٹھالے
مجھے ایسے قلیل الہمت اور قصیر الحوصلہ لڑکے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ دیکھو اور غور کرو کہ جن بچوں
میں اس درجہ احساس علمی ہوگا۔ جو افراد ایسی مبارک اور بصیرت افروز گودوں میں پرورش
پائے ہوئے ہوں گے۔ وہ دنیا میں کیونکر پست ہو کر رہ سکتے ہیں۔ اسلامی دور کے عہد اولیں
ہی میں خواتین اسلام کے دماغ علمی شعاعوں سے مستنیر و مجلّی ہو چکے تھے۔ بڑے بڑے پائے کی
فضلا [illegible] مخدرات منصہ شہود پر جلوہ ریزیاں کر رہی تھیں آسمان تہذیب ان علمی ستاروں سے
جگمگا رہا تھا۔ حضرت فاطمہؓ اس پایہ کی ناقدہ و شاعرہ تھیں کہ وہ شعرا باکمال جنکی طلاقت
لسانی زبان کی روانی پر حرف زنی کرتی تھی اپنے کلام کے باہمی نزاعات کے فیصلہ کو آپ کی
خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت سکینہؓ بنت امام حسینؑ کا علمی رنگ ان سے بھی زیادہ
شوخ تھا۔ حضرت عائشہ دختر طلحہؓ کی تحیر افزا اور طلسمی قابلیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے
کہ خلیفہ ہشام جب حج کو آیا تو ان کی قابلیت و ہمہ دانی کا شہرہ سن کر اپنی ہمراہی جماعت کاملین
کے ہر شخص کی معلومات علمی سے آپ کے علم و فضل کا موازنہ کیا خوب گرما گرم مباحثے رہے مگر ہر شخص
آپ کے مقابلے میں عاجز ہوا۔ تعلیم نسواں کے مخالف آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ اسلامی دور میں
کس فضل و لیاقت کی عورتیں ہوتی تھیں۔ ابھی دنیا نے اخت المزنی کو نہیں بھلایا جنھوں نے
اپنی شہرۂ عالم قابلیت سے علامہ امام شافعیؒ جیسے وحید العصر اور نابغۂ روزگار کے فتوے میں اصلاح
کی تھی۔ حال میں زیب النساء بیگم کی بدیع المثال علمی مجموعہ آفرینیاں ہم کو یاد ہیں جو علم و فضل
تہذیب و تمدن۔ اخلاق و شائستگی کی دنیا میں وہ مرتبہ رکھتی تھیں جس پر آج بھی یورپین مستورات
مائل ہیں [illegible] کی فصاحت و آتش بیانی کسی مرد سے
کم تھی۔ کیا خنساء [illegible] اپنا جواب پیش کر سکتے ہیں۔ کیا مخفی کا کلام سلاست
و شوخی [illegible] کی سحر کار تصنیفات نے یورپ بھر میں تہلکہ
ڈال دیا تھا اور [illegible] اولو العزم شہنشاہ کو مجبوراً یہ حکم سب سے اول

نہ دینا پڑا تھا کہ میڈم دی اسٹائل خارج البلد کی جائے - اس قابل و فضیلت مآب خاتون کے
لیے دنیا بھری پڑی ہے صرف ایک پیرس اپنے لیے رکھے لیتا ہوں" یہ نہایت قابل خاتون تھی
ہمیشہ نپولین کی تدبیر کا کاٹ کرتی رہی - کیا رابعہ بصریؒ جیسا بلند مرتبہ کوئی پا سکتا ہے جن کے
استقبال کو خود کعبۂ مقدسہ نے اقدام کیا تھا - کیا جنگی کارناموں میں گُل بہشت - غزالہ خود کبھی
مردوں سے پیچھے رہی ہیں - کیا ہمت و صولت اور استقلال و پامردی میں رضیہ - چاند سلطانہ اور
حمیدہ بیگم نے اپنا جواب عورتوں میں تو کیا مردوں میں بھی کبھی پایا ہے - کیا گیتی آرا بیگم بنت مردان شاہ
نے بقول مصنف سیر ایشیا ایک جبریہ فوجی زنانہ سکول ۱۸۰۰ء میں قائم کرکے نسوانی جرأت و
بسالت کی نئی مثال قائم نہیں کی تھی - اور اس کی ذوبن تعلیم یافتہ گیارہ ہزار فوج نے آن کی
آن میں باوجود وزیر کی صد ہزار جاں فروشانہ کوششوں اور لاکھ گونہ مردانہ مدافعتوں سے کے
حیرت انگیز جرأت سے ملک خالی نہ کرا لیا تھا - کیا ابن جوزیؒ کی والدہ نے انتہائی فراست
و عواقب بینی سے کام لے کر صاحبزادوں کی تعلیم پر یکمشت تیس ہزار اشرفیاں خرچ نہ کر ڈالی
تھیں - کیا امام بخاری کی ہمشیرہ نے بھائی کے سفر کرنے کے وقت پوشیدہ طور پر بستر میں اپنا زیور
آیندہ ضروریات کا خیال کرکے نہ رکھدیا تھا - کیا اُن متعدد عربیہ عورتوں کے ایجادات و
اختراعات سے نظریں بند کی جا سکتی ہیں، جن کے نام علامہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں
لکھے اور بڑے فخر سے لکھے ہیں - آخر وہ کون سا میدان ہے جسمیں طبقۂ اناث اپنی جولانیاں
نہیں دکھا چکا - اور وہ کیا عظیم الشان کارنامے ہیں جو دنیا میں صرف مردوں سے زیادہ
منسوب ہیں اور عورتیں اُن کی انجام دہی سے محروم و مجبور ہیں - کہنے کو کوئی کچھ کہہ لے مگر
تاریخ ہمارے سامنے ہے - علم و فضل - سطوت و جبروت - حکمرانی و سلطنت - صولت و شکوہ
ہمت و استقلال - ایجادات و اختراع - شاعری و فصاحت - تدبیر و تسخیر محبت و الفت
کے کسی شعبے میں ہم اُناث کو ہرگز ذکور سے کم نہیں پاتے - اور کوئی راہ ایسی نظر نہیں آتی
جس پر صرف مرد ہی گام زنی کر سکے ہوں اصل حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت کے جابرانہ
جذبہ نے دنیا میں بہت کم اُناث کو ابھرنے اور ترقی کرنے کا موقع دیا ہے - اور ہمیشہ اُن کے
سامنے بزدل بنا دینے والے قصص مختلف رنگوں میں مختلف طرزوں کے ساتھ بیان

کیے گئے ہیں اور یہ خیال فطرتِ نسوانی میں راسخ کر دیا گیا ہے کہ جرات و ہمت صرف مردوں کا حصہ ہے ۔ عورتیں محض مردوں کی تفریحی صحبتوں اور اُن کی نازبرداریوں کے لیے مخلوق ہوئی ہیں ۔ اُن کا کام محض زینت و آرائش اور ہر سال بچے جننا ہے ۔ اسکی بدیہی مثالیں موجود ہیں ۔ چنانچہ آجکل حسن و جمال کی یہ خوبی بیان کی جاتی ہے کہ نزاکت اس درجہ ہو کہ ساعدِ سیمیں کی معمولی گرفت رگوں میں ورد رنگ میں نیلا ہٹ پیدا کر دے اگر اس کے برعکس ہوا تو گویا وہ حسنِ نسوانی کا عقم و عیب متصور ہوگا ۔ گو دو تین صدی قبل کے معیارِ جمال پر نظر ڈالنے سے ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جبکہ ہم نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کی مسلم الثبوت نازنین پری تمثال ملکہ نورجہاں بیگم سے شہنشاہ کو باوجود ہزار گونہ عشق و محبت کے محض اتنی سی کم ہمتی پر ناراض ہوتے ہوئے پاتے ہیں کہ کیمپ میں شیر گھس آنے پر وہ کیوں ڈر کر دوسرے دروازے سے نکل جاتی ہے اور کس طرح ایسی بزدلی دکھانے کی مرتکب ہوتی ہے ۔ اور جب تک بیگم اپنے حسین اور برق پاش نازک ہاتھوں سے شیر کو مار نہیں گراتی کسی طرح شہنشاہ اپنی محبوبِ جاں پرور سے ہمکلام نہیں ہوتا اس کے بعد ایک دفعہ ایک نازک اور گنجان موقع پر دوران شکار میں یکبارگی چار شیر نکلے لیکن نورجہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا ۔ نہایت اطمینان سے دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا ۔ جہانگیر نے فرطِ مسرت سے ہاتھ چوم لیے اور چند بیش قیمت زیور انعام دیے ۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ کتے بلی تک کو مارنا اور بھگانا بھی جرأت و جسارت کا کام سمجھ کر ہماری خواتین مردوں ہی کی اعانت ڈھونڈتی ہیں اور خود کو حلبہ بزدلیوں اور بے ہمتیوں کا مجسمہ خیال کر کے ذرا سے خدشے سے سہم جاتی ہیں نہ مردوں کو کچھ خیال ہوتا ہے نہ عورتیں اپنی حالت کا احساس رکھتی ہیں ۔ صدیوں کی غلامی نے بالکل بے حس بنا دیا ہے ۔ طبقۂ اُناث کی کمزوری کی یہ آخری حد تھی کہ ۵۸۵ء میں خاص روما میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کا مقصد انعقاد یہ تھا کہ آیا عورت میں روح ہے بھی یا نہیں ۔

ایک فلاسفر نے ثابت کیا کہ عورت میں روح ہے اسکو فوراً جلا دیا گیا ۔ ایک علامہ حکیم نے

کہا کہ عورتوں کو بھی دولتِ تعلیم سے مستفیض ہونا لازمی ہے زندہ زندہ دفن کردیا گیا۔ یہی قوتِ متخیلہ کے زبردست کرشمے تھے کہ ایک فریق قعرِ مذلت میں گر گیا۔ اور حیاتِ دنیوی کی سائکل میں صرف ایک پہیہ رہ کر سائکل کو بیکار کر گیا۔ تاریخ شاہد ہے اور ہماری متذکرۂ بالا مثالیں مظہر ہیں کہ کہ جب اور جس عہد میں عورتوں کو موقع دیا گیا ہے وہ ہرگز کسی مرد سے کم ثابت نہیں ہوئیں ایک نورجہاں اور چاند سلطانہ کی ہی نہیں بلکہ دنیا میں ہزارہا عورتوں کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے انسان خصوصاً مرد متحیر رہ جاتے ہیں کہ یا للعجب یہ دلوں کو شکار اور جانوں کو بسمل بنا دینے والی دل آرا اور پیاری مخلوق حجلۂ عروسی سے نکل کر جب اسٹیج عالم پر آگئی ہے تو اس نے وہ سب کچھ کر دکھایا ہے جس کو چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھا تھا۔ غور کرنے کی جگہ ہے۔ کہ ہنوز ہم میں سے ایک گروہ اس بات پر مُصر ہے کہ تعلیم ایک فضول بلکہ خطرناک شے ہے۔ صرف چند مسئلہ مسائل کی کتب کا پڑھ لینا اور قُرقان حمید کا ختم کر لینا کافی ہے۔ اول تو یہ خیال حرف شناسی کی تعریف سے باہر نکلتا۔ دوسرے اس قلیل المقدار علم سے حیوانیت فطری کیونکر دور ہو سکتی ہے۔ عبارت پڑھ لینا محض حصولِ علم کا ذریعہ ہے۔ حساب۔ فلسفہ۔ تاریخ جغرافیہ طب صرف و نحو کو علم کہہ سکتے ہیں اور ان ہی پر عقل و خرد کی افزونی کا مدار اور انسان بننے کا انحصار ہے۔ گو عقل ایک خداداد شے ہے مگر اس کی ترقی بے علم غیر ممکن ہے۔ آسودگی۔ قائم مزاجی۔ استغنا اور سیر چشمی جیسی علم سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ دولت سے ممکن ہے نہ حکومت سے۔ تعلیم یافتہ عورت مطالعۂ کتب کے ذریعے بڑے بڑے عالموں فلاسفروں اور ولیوں سے ہر وقت رائے لے سکتی ہے جب کوئی کتاب ہاتھ میں لی جی بہل گیا اور کوئی نہ کوئی عقل کی بات ہاتھ لگ گئی کس بُری طرح جاہلوں کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ اس کی غیبت اُس کی بدی۔ مجھ سے لڑ تجھ سے بھڑ۔

آخر سوچو تو لہ تعلیم نسواں کیوں عیوب ہے جب کہ جمیع علوم کا نتیجہ اور مقصد یہی ہے کہ انسان ہر چیز کی اصل اور ہر ایک بات کی تہ کو دریافت کرے۔ تہذیبِ نفس حاصل ہو۔ غور کا عادی ہو۔ دنیا کی کشمکشوں اور مشکلوں سے بہتریت کی صائب تدابیر سوچ سکے۔ ارسطو کا قول ہے کہ ہر پتھر میں خوشنما تصویر اور ہر آدمی میں ایک عالم چھپا ہوا ہوتا ہے جس طرح سنگ تراش بھدا پتھر چھانٹ کر عمدہ تصویر نکال لیتا ہے اسی طرح علم آدمی کی برائیاں اور وحشی پن دور کر کے انسان بنا دیتا ہے

معلم ثانی کا قول ہے۔ کہ انسان اصل میں مجسم شر ہے لیکن صرف تعلیم و تلقین سے طبیعت اخلاق کو قبول کر لیتی ہے۔ پروفیسر ذکاءاللہ صاحب تاریخ ہند حصہ اوّل میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب کسی ملک کی تہذیب و شائستگی کا ذکر کرتے ہیں تو اوّل توجہ عورتوں کی لیاقت کی جانب منعطف کرتے ہیں۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہدایت فرمائی ہے۔ کہ تمھارے پاس سب سے تیز ہتھیار تمھارا علم ہے۔ دُنیا میں شکوت زندگی بسر کرنے اور عاقبت سنوارنے کی تدابیر کو جتنا تعلق عورتوں کی ذات سے ہے۔ سچ پوچھو تو مردوں کو اتنا نہیں۔ کیونکہ ادنیٰ سے اعلےٰ تک تمام نسلوں کا جسمانی اخلاقی روحانی نشوونما نہ صرف پیدائش سے سن شعور تک بلکہ پیدائش سے بھی کچھ عرصے پہلے سے ان ہی کے زیر اثر رہتا ہے۔ اگر مردوں کو درستی اخلاق کی احتیاج ہے۔ تو کیا مستورات اس سے مستغنی ہیں اگر شوہروں کو دیندار پرہیزگار اور باخدا بننا چاہیے تو بیبیوں کو کیا معاذاللہ بے دین بدکردار اور خود فراموش رہنا زیبا ہے۔ اگر مرد عقل و دانش۔ نیک نامی و سرخ روئی۔ علم و ہنر۔ خوش حالی و وقار غنا لی کے خواہاں و حاجتمند ہیں تو کیا جنس لطیف کے لیے قدرت نے محرومی کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ حاشا و کلّا۔ کیا وجہ ہے کہ فلاح دارین حاصل کرنے کے لیے جو باتیں خدا اور رسولؐ نے فرمائی ہیں اُنھیں عورتوں سے متعلق نہ سمجھا جائے۔ اور لقوم یعلمون۔ لقوم یتفکرون لقوم یعقلون اور اولوا العلم درجات کی مخاطب وہ نہ سمجھی جائیں۔ یہ نہایت شرم و افسوس کی بات ہے کہ ہم مرد ہو کر پہلے اپنی اصلاح نہ کریں اور ان غریبوں سے فرشتہ سیرت بن جانے کی توقع رکھیں۔ یہ ناممکن ہے کہ جب تک ماں کے اخلاق و عادات عمدہ نہوں۔ بچہ صرف باپ کے اخلاق و آداب کا اثر قبول کر سکے۔ خانہ داری کا فن معمولی فن نہیں ہے کیونکہ وہ اس قدر وسیع ہے کہ اُس کے لیے بہت سے علوم و فنون سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی عورت جب تک کہ وہ تعلیم یافتہ نہو یہ عورت نہیں کر سکتی کہ وہ شوہر کی آمدنی و خرچ کا انتظام اس طریقے سے کر سکے گی کہ گھر کی مالی حالت بھی درست رہے اور کوئی مشکل پیش نہ آئے اور عمدگی کے ساتھ نوکروں کی نگہبانی کر سکے یا تیمارداری کی خدمت بجا لائے اپنے شوہر اور اعزا کے مزاج کے مطابق انتظام کرے۔ اور گھر کو شوہر کے لیے مسرت [illegible] اپنی اولاد کی جسمانی و اخلاقی تربیت اور قوائے عقلی کو مجلّٰی کرے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک خوب صورت مگر جاہل عورت اپنے خاوند کی

وقعت جان سکتی ہے۔ اور اُسکو خوش رکھ سکتی ہے اور وہ تمام حقوق و فرائض ادا کر سکتی ہے جو مذہب و اخلاق نے اُس پر عائد کیے ہیں اور کیا اُسکی نیکی اصلی اور حقیقی نیکی ہو سکتی ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ عزتِ نفس اور عظمتِ روح کی یہی معلم اول ہیں۔ دنیا کی ساری دلچسپیاں ان ہی کے دم سے ہیں۔ آج کی بچیاں کل کی مائیں ہوں گی قوم کا نصف وجود عدم تعلیم نسواں سے بیکار رہ جاتا ہے۔ غضب ہے کہ ۹۵ فیصدی مرد اور ۹۹ فیصدی عورتیں خودرو گھاس کی طرح پیدا ہو کر تعلیمی برکات و فیضان سے محروم رہ کر مٹ جائیں۔ اور احساس تک نہ ہو۔ جہلا کو نہ شرک و کفر کی کچھ تمیز نہ ایمان اسلام کی کچھ محبت جو چاہا بک دیا۔ عورت سے صدور قبائح یا اُس کی طرف نسبت قبائح عرفاً موجب ذلت سمجھا جاتا ہے مرد کے صدور سے نہیں۔ اگر عورت کیلئے معصیت مذموم ہے تو اُسی درجہ میں مرد کے لیے بھی ہے۔ اگر مرد کے لیے تو یہ موجب طہارت و نزاہت ہے تو عورت کے لیے بھی ہے۔ شرعاً دونوں برابر ہیں۔ عرفاً متفاوت۔ اس طرح گویا شرع پر عرف کو ترجیح دینا ہے۔ جس سے اندیشۂ کفر ہے۔ جب کہ علمی فرضیت احادیث صحیحہ سے ثابت اور نصوص باہرہ سے منکشف و مستنظر ہے پھر للتہ اُناث کو اس سے محروم رکھنا صریحاً معصیت کبریٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

مسلمانوں کی عجیب و غریب حالت ہے کہ باپ دادا سے جو سُن لیا وہی اُن کا مذہب ہے وہی اُن کا مشرب۔ اُس سے سر مو تجاوز اُن کی رائے میں کفر و الحاد ہے۔ دلیل و روایت کی کوئی حاجت نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ فرض قضا ہو جائے۔ سنت چھوٹ جائے۔ شریعت و اسلام کی پابندی کا التزام نہ ہو۔ لیکن مراسم مروجہ سے ہٹنا اُن کے لیے صریح کفر ہے

محل تعجب و حیرت ہے کہ جس ملت عالیہ نے صنف نازک کو تمام دیگر مذاہب عالم سے زیادہ حقوق عطا کیے ہوں۔ جس مذہب نے " و لهن مثل الذی علیهن بالمعروف" (جس طرح شوہر کا حق اُن پر ہے اُسی طرح اُن کا حق بھی شوہروں پر ہے) ایک لفظ " مثل " سے عورتوں کو وہ چیز دے دی جو تمام کرۂ ارض میں کسی قوم اور کسی شرایت نے اُن کو نہ دی تھی اور پھر مزید اہتمام و تاکید کے لیے بار بار شوہروں کو " و عاشروهن بالمعروف " (ان کے ساتھ نیکی و شفاقت اور ہمدردی کا سلوک کرو) کا حکم دیا ہو۔ جس دین حنیف نے شوہروں کو

مخاطب کر کے سورۂ بقر میں فامساک بمعروف او تسریح باحسان اور سورۂ طلاق میں
ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن کے صریح و مؤکد احکام دیے ہوں اُس کی آج یہ حالت
ہو گئی ہے کہ صنف نازک کو تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے مساویانہ کے بجائے غلامانہ تعلیم دی جاتی
ہے۔ رسم و رواج کی جکڑ بندیوں سے مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر مساویانہ حقوق کی تفہیم کی جاتی۔
باہمگر ذاتی نفس کی نگہداشت رکھنے کی تاکید ہوتی۔ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتا۔
لتسکنوا الیھا کے مطابق یکساں اُنس و محبت کے ساتھ پُر لطف زندگی بسر کرنے کی سعی ہوتی
بجائے درجہ حاکم و محکوم یا آقا و خادمہ کے یکرنگی اور یک جہتی پائی جاتی۔ تو اُس وقت
شادی ضرور زندگی کا ایک پُر بہار جلوہ کہی جا سکتی اور اُس دن سے یقیناً حیاتِ انسانی
کی بہار شروع ہو جاتی۔ دولھن کی پیراستگیوں سے آخر یہی مقصد ہوتا ہے کہ زمانِ عروسی
میں نئی نئی آرزوؤں اور تمناؤں کی کثرتِ استقامت سے یکایک قائم ہو جانے والی
سحر کار محبت جدید شوقوں اور ولولوں میں ڈوب کر استحکام حاصل کر سکے اور تصادمِ
نگاہ کے ساتھ ایک دوسرے کے دل ہاتھوں سے جاتے رہیں اور موافقت و موانست
کی وہ شمع جیاں اُن دولوں میں روشن ہو جائے جس کا گل ہونا ایک دوسرے کی موت
پہلی ہو۔ تنہائی کی وہ دلفریب و مضطرب راتیں جن میں تجربہ و تصور کی دست درازیاں
کسی کے قیامت خیز اور تباہ کن شباب کو چھیڑ چھیڑ کر تمناؤں اور آرزوؤں کو رات رات بھر
ضبط و صبر اور شرم و حیا سے دست و گریباں رکھ چکی ہوں مختتم ہو کر آئندہ زندگی کے لیے ایک
نشاط آفریں تمہید عشق ثابت ہوں اور نئی نویلی اور پُر شوق دولھن اپنے حسن عالم فریب کا
سرور انگیز تماشا دکھا کر دولھا کے دل محبت کوش پر جادو کے ڈورے ڈال سکے مگر یہاں عجیب
حالت ہے نئی حکمتیں ہیں کہ یہ تمام ایام صرف محض جاہلانہ رسمی شرم و حیا کی نذر ہو جاتے ہیں
اور عروسی رفتار و گفتار، طنازی و شوخی کا وہ حقیقی برقی اثر جو ان جملہ زینتوں اور آراستگیوں
کی اصلی منشا و مدعا ہے اپنا کام نہیں کرنے پاتا۔ یورپ میں شادی کے بعد دولھا دولھن
ایک ماہ کے لیے کسی پُر فضا مقام پر عشرت اندوز زندگی بسر کرنے کو چلے جاتے ہیں۔ وہاں اس
دل آویز وقت کو ہنی مون کہا جاتا ہے اس کا یہی مقصد ہے کہ محبت کی جڑیں مضبوط و عمیق

ہوں۔ افسوس کہ ہم نے اوامر کو نظرانداز کرکے اسلامی شریعت سے سرتابی کی اور جہالت و
سہل انگاریوں نے ہم کو طرح طرح کی مراسم کا پابند بناکر مشکلات و معاصی میں پھنسا دیا
ایک تعلیم یافتہ شوہر کے لیے کم از کم اتنی پڑھی لکھی بیوی تو ضرور ہو کہ ملکی معاملات اور بیرونی
کوائف میں حقیقی دلچسپی لے سکے اور اگر کوئی پرسوز شعر سامنے پڑھا جائے تو بُت کی طرح ہرگز
ساکت و سامت نہ رہ سکے۔ بلکہ فرط ذوق سے صدائے آفرین تو مُنھ سے نکل جائے۔ اخبار یا
دنیا سے ناواقفیت کا پُر استکراہ اور وحشت بار عیب اُس میں نہو۔ اس سے کم لیاقت بیوی کو
کم از کم ہم تو صرف ایک مشین اور فراغت بار تفریحی گھنٹوں کا ایک معمولی و غیر دلچسپ مشغلہ
خیال کرسکتے ہیں جس کا کام محض بچے جننا اور غلاموں کی طرح دن رات گھر بار کا کام
کرتے رہنا ہے۔ انگلستان کے ایک وزیر اعظم نے نہایت درست کہا تھا کہ کسی قوم کے اعلیٰ ترین
تمدن کا اظہار اُس قوم کی عورتوں کی عزت و وقعت سے کیا جا سکتا ہے۔ مگر حیف ہے کہ
اس معیار سے ہماری حالت نہایت تنفر آفریں اور پست ہوگئی ہے۔ پروفیسر لیبو نے کیا
خوب کہا ہے کہ مرد کی تعلیم اُس شخص کی تعلیم کی مثال ہے جو اپنے بعد کچھ نہ چھوڑ جائے۔
اور عورتوں کی تعلیم آئندہ نسلوں کی تعلیم ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہماری نسلیں جاہلوں
کی گود میں پل کر کیا سیکھ سکیں گی اور کیا کرسکیں گی۔ نپولین اعظم کا قول ہے کہ اگر کوئی
ملک آزاد ہونا چاہتا ہے تو وہ اپنی عورتوں کو تعلیم یافتہ بنائے۔ فی الحقیقت یہ قول
غایت درجہ زریں اور نتیجہ خیز ہے تاریخ اس کی صداقت پر شاہد ہے۔ اگر مسلمانوں
کو ذلیل رہنا ہے غلام رہنا ہے تو جو چاہیں کریں ورنہ جب تک اسلامی خواتین علم و ہنر
سے آراستہ نہ ہولیں گی اقوام عالم میں مسلمانوں کو کوئی درجہ ملنا موہوم ہے۔ ہم مکرر کہتے
ہیں کہ اگر صنف نازک کو موقع دیا جائے تو وہ ہرگز کسی مرد سے قصیر و کم نہیں رہ سکتیں۔
گزشتہ کو چھوڑ کر دور حاضرہ پر غور کرو کہ علم و فضل۔ عزم و استقلال ہمت و صولت میں جنس
لطیف کیا مرتبہ حاصل کیے ہوئے ہے بیگم صاحبہ بھوپال کی شہرۂ آفاق قابلیتیں اور معروف
زمانہ فیاضیاں کسی تعارف و توصیف کی محتاج نہیں۔ مسز بیسنٹ کس بات میں کسی
مرد سے کم ہیں۔ کیا آج بیسویں نیشنل کانگریس میں آپ پریسیڈنٹ منتخب نہیں ہو چکی ہیں؟

کیا اس وقت ۲۲ کروڑ نفوس کی ذمہ دارانہ اور اہم نیابت اُن کے سپرد نہیں کی جا چکی ہے؟
کیا اس وقت [illegible] جملہ اقوام میں اُن کا وہی درجہ نہیں جو ایک شمع کو بزم میں اور ایک
تاجدار کو ملک میں حاصل ہوا کرتا ہے؟ کیا دیگر آٹھ مقتدر اور عظیم المرتبت ہستیوں کے مقابلے
میں اُن کا انتخاب اور وہ بھی بس اقلیت ہونے کی حالت میں حیرت انگیز اور ہندوستان کی
تاریخ میں یادگار موقع نہیں۔ کچھ نہیں اگر ہم موقع دیں وقت دیں تو ہم میں بہت سی
مسز بیسنٹ پیدا ہو سکتی ہیں۔ کیا مسز نائڈو کی سحر خیز فصاحت اور بیگم حسرت کا تحیر افزا
استقلال اس بات کا صریح ثبوت نہیں کہ فطرت نے دونوں فریق میں اعلیٰ جوہر ودیعت کیے ہیں
استعمال کرنا نہ کرنا دوسری بات ہے۔ اقوام ہند میں بھی گو جہالت عام ہے مگر مسلمانوں کی حالت
سخت زبوں ہے ہندوؤں میں فی ہزار ۲ عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ پارسیوں میں فی ہزار ۲۴۷
برہمو سماج میں ۴۸۰ سکھوں میں ۱۲ عیسائیوں میں ۱۳۵ ہیں اور مسلمانوں میں فی ہزار صرف
۴۔ سخت افسوس و حیرت کی جگہ ہے کہ وہ قوم علی عہد خیر من صلوٰۃ [illegible] (مسلمانوں) طالب
العلم بین الجہال کالحی بین الاموات کی روشن ہدایتیں رکھنے والی قوم آج علمی مراتب
میں جملہ اقوام عالم سے پست و ذلیل ہو۔ اور پھر بھی اُس کی آنکھ نہ کھلے۔ اسی عالمگیر جہالت کا
نتیجہ ہے کہ شیر خوار بچوں کی اموات کی کثرت ہے۔ یہ شرح اموات ۱۹۱۲ء تک ۱۵۵ فی ہزار
سے گھٹ کر ۱۹۱۴ء تک ۱۰۵ فی ہزار رہ گئی۔ ہند کے بعض حصص میں ۳۰۰ فی ہزار سے
زائد شرح اموات ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا بدقسمت ملک نہ ہوگا جس میں ہند سے نصف بھی
زچہ خانے کی اموات ہوں یہ سب کچھ مقدر کے نہیں بلکہ اپنی جہالتوں کے ثمرے ہیں۔
برادران ہنود مدت سے اس جانب متوجہ ہوئے ہیں۔ میسور میں دس برس سے کالج
نسواں تعلیم دے رہا ہے۔ مدراس میں دو کالج موجود تھے تیسرا زیر تجویز ہے کلکتہ میں
بہت سے پرائیویٹ کالج ہیں۔ ڈھاکہ میں عنقریب کھولا جائے گا۔ بنارس کے پاس
پہلے ہی سے کالج موجود تھا۔ بمبئی میں زیر غور ہے پروفیسر کاروے کی کوششوں نے
ایک زنانہ یونیورسٹی کا بنیادی پتھر رکھ دیا ہے۔ لیکن دیکھئے اس تمنا کی لہریں اپنے
قوی سے مسلمانوں کو کس دن بیدار کرتی ہیں۔ اور ہمارے ناقوس آرزو میں کب شمع

روشن ہوئی ہے۔ دنیا میں بیدار قومیں دن رات صبح شام ترقیات کی افکار میں سرگرداں ہیں لیکن بہتر نکبت سے ہنوز مسلمانوں کا جی اُٹھنے کو نہیں چاہتا۔

کرۂ ارض کی بہت سی اقوام مصائب و شدائد کے تازیانے کھا کر اپنی حالت کا احساس کر چکی ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں یہ قوم باوجود صد ہزار گونہ تکالیف و ستم انگیزیوں کے اب تک ہوشیار نہیں ہوتی۔ اور کس گھڑی کا انتظار کر رہی ہے کیا اسرافیل کا صور بیدار کرنے کے لیے پھونکا جائے گا۔

کسی کا شعلۂ فریاد ہو ظلمت ربا کیونکر گراں ہے شب پرستوں پہ سحر کی آسماں تابی

شریف احمد مراد۔

غزل

سر دریا دۂ الفت فقط ضبطِ فغاں تک ہے
جو سچ پوچھو تو جینے کا مزہ سوزِ نہاں تک ہے

تمھارے دل میں جو کچھ ہے زباں تک آ نہیں سکتا
سبب یہ ہے بڑا ہی فاصلہ دل سے زباں تک ہے

ہمارے سامنے بلبل نہ کر دعوے محبّت کا
یہ سارا ولولہ تیرا بہار بوستاں تک ہے

کیا بیاں اُن کا شکوہ تو وہ منہ پھیر کر بولے
ابھی ہم آزماتے تھے تمھیں الفت کہاں تک ہے

جتانے دو محبت غیر کو کُھل جائے گی حالت
یہ ساری لن ترانی صرف وقتِ امتحاں تک ہے

قدم لیتا ہے اُٹھ کر خاکِ مجنوں آج ناقے کی
سماں ہے پُر اثر بیتاب دیکھو سارباں تک ہے

مجھے فریاد کرنے دو نہ روکو کیا کیر تے ہو
تمھارے حُسن کی شہرت مری آہ و فغاں تک ہے

کہیں کیا بدگمانی کس قدر پیچیدہ رکھنی ہے
یہ سُنتے ہیں رقیبوں کی رسائی پاسباں تک ہے

مگر اُسکے قصہ گو سے سانہ تو کروں یہ ممکن ہے
مگر سُنتا نہیں اب عشق کی وہ داستاں تک ہے

خیالِ حضرتِ زاہد پہنچتا ہے تو جنت تک
تصور ہے وہی پرواز جسکی لامکاں تک ہے

شرر ہے یاد اتنا قدردانِ داغ کہتے تھے
فصاحت شعر اُردو کی اسی شیریں زباں تک ہے

شرر کاکوروی

ایک روحانی بھید

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ جن کی وفات بغداد میں بتاریخ ۳۔ رمضان المبارک ۲۵۳ھ واقع ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک رات نامعلوم کیوں اضطراب و قلق نے ایسا بیخود بنا دیا کہ نماز تہجد تک اُس رات نہ پڑھ سکا۔ خدا خدا کرکے صبح نمودار ہوئی۔ نماز بامداد ادا کرکے تفریح طبع کے لیے گھر سے باہر نکلا اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگا مگر سکون دل نہ نصیب ہونا تھا نہ ہوا۔ آخر حصول عبرت و تنبیہ کے ارادے سے ہسپتال چلا گیا الحمدللہ کہ وہاں کسی قدر فرحت میسر ہوئی میں نے وہاں ایک حسین لڑکی پُرتکلف اور معطر لباس پہنے ہوئے دیکھی۔ جو بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں جکڑی ہوئی تھی مجھے دیکھتے ہی اشعار عربیہ پڑھنے اور بے اختیار رونے لگی اُس کے اشعار کا مفہوم یہ تھا۔

لوگو! میں حقیقتاً دیوانی نہیں ہوں البتہ نیازمست ہوں میں۔ میرا دل ہوشیار ہے۔ میں ایک ایسے دوست کی محبت میں مبتلا ہوں جس کی درگاہ سے سرکشی کرنا جرم عظیم خیال کرتی ہوں۔ مجھے بند کیا گیا ہے حالانکہ کوئی گناہ بجز میری پریشانی آشفتگی و خودرفتگی کے نہیں پایا جاتا میں اپنے پیارے محبوب کی محبت میں گرفتار اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں جس چیز میں میرے لیے نفع و صلاح خیال کی جاتی ہے وہی چیز حقیقت میں میرے لیے موجب ضرر و فساد ہوتی ہے اور اس کے برعکس عکس جو شخص مالک الملوک سے محبت رکھتا ہو اُس کو کسی چیز کا غم نہیں اور نہ اس کو کوئی چیز ضرر پہنچا سکتی ہے حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ لڑکی کے اشعار سُن کر میرا دل بھر آیا۔ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے وہ لڑکی بھی مجھے روتے ہوئے دیکھ کر یہ کہتی ہوئی بیہوش ہوگئی۔ اس وقت تو تو پانی کے آنسو رو رہا ہے لیکن اگر تو دوست کو حق معرفت کے موافق جانتا تو خون کے آنسو روتا۔

جب اُس حالت سے لڑکی کو افاقہ ہوا تو میں نے پوچھا تم نے مجھے پہچانا۔

کنیز۔ جب سے کہ دوست سے واقف ہوئی اُس روز سے کسی چیز سے لاعلم نہیں رہی۔

سرّیؒ:- تم دوست کا ذکر کرتی ہو آخر تمہارا دوست کون ہے۔
کنیز:- جس نے مجھے اپنی نعمتوں سے شناسا کیا اور اپنے عطیات سے مجھے سرفراز و ممنون فرمایا۔ جو سبھوں کی دعاؤں کا مجیب اور تمام بندوں کے دلوں سے قریب ہے۔
سرّیؒ:- تجھ کو یہاں کس نے قید کر رکھا ہے۔
کنیز:- حاسد لوگوں نے۔ اتنا کہنے پائی تھی کہ پھر بیہوش ہو کر گر پڑی۔ کچھ دیر بعد ہوش بجا ہوئے اور اپنے مناسب حال اُس نے نہایت درد انگیز لہجہ میں چند اشعار پڑھے جس سے مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے ترس کھا کر ڈاکٹر ہسپتال سے اُس کی رہائی کی درخواست کی۔ اُس نے فوراً اجازت دیدی۔ میں نے لڑکی سے کہا لڑکی اب تم جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ تم آزاد ہو لڑکی نے کہا۔
میرے دوست نے مجھے اپنے بعض غلاموں کے ہاتھ میں دیدیا ہے اگر وہ اجازت دے تو البتہ جا سکتی ہوں ورنہ صبر میرا مونس ہے۔
اتنے میں اس کا مالک بھی آگیا اور افسر ہسپتال سے دریافت کیا کہ تحفہ کہاں ہے ڈاکٹر نے جواب دیا کہ اندر شیخ سرّی سقطیؒ سے باتیں کر رہی ہے وہ خوش خوش میرے سامنے آیا اور نہایت ادب سے سلام کیا اور بہت زیادہ عزت کی میں نے کہا اے خواجہ مجھ سے زیادہ یہ عورت تعظیم و تکریم کے لائق ہے اُس کے قید کی کیا وجہ ہے۔
خواجہ:- یہ دیوانی ہو گئی ہے دور از عقل باتیں کرتی ہے کھانا پینا چھوڑ بیٹھی ہے خود سوتی ہے نہ مجھے سونے دیتی ہے ہمیشہ متفکر اور روتی رہتی ہے۔ میری ساری عمر کی کمائی یہی ہے میں نے اس کو بیس ہزار درہم میں خریدا ہے مجھے امید تھی کہ اُس کے کمال کی وجہ سے میں بے حد فائدہ اُٹھاؤں گا۔
سرّیؒ:- اس میں کون سا کمال ہے۔
خواجہ: یہ مطربہ ہے۔
سرّیؒ:- اس کو یہ عارضہ کب سے اور کیونکر لاحق ہوا۔
خواجہ:- ایک سال سے زیادہ ہوا کہ ایک روز (عود) کے ساتھ یہ ذیل کے اشعار گا رہی تھی

یکایک عود پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور زار زار رونے لگی۔

وحقك لانقضت الدهر عهدا وكدرت بعد الصفو ودا

یعنی جو عہد کہ تجھ سے کیا تھا عمر بھر نہیں توڑا اور بعد صفائی کے پھولوں کو مکدر نہیں ہونے دیا

اس روز سے اس کی حالت دیوانگی کے مشابہ ہے اشعار پڑھتی اور روتی رہتی ہے میں نے اسکی حالت کو کسی شخص کی محبت سے تعبیر کیا اور اس پر سختی شروع کی لیکن میرا یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوا۔

سری: تحفہ سے مخاطب ہو کر کیا در اصل ایسا ہی ہے

تحفہ: اللہ نے مجھ سے پوشیدہ خطاب کیا وہ میری زبان پر جاری ہوگیا۔ دوری کے بعد اُس نے مجھے نزدیک کیا اور مجھے مخصوص و برگزیدہ بنایا۔

سریؒ: خواجہ سے مخاطب ہو کر تو تحفہ کو آزاد کردے اس کی قیمت بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ مجھ سے لے لے۔

خواجہ: حضور آپ میں اتنی استطاعت کہاں کہ آتنی قیمت ادا فرما سکیں۔

سریؒ: عجلت نہ کر صبر سے کام لے میں اتنی ہی قیمت تجھے لا کر دوں گا اور تحفہ کو آزاد کراؤں گا۔ شیخ فرماتے ہیں یہ کہکر میں اسپتال سے باہر نکلا۔ بخدا اس وقت میرے پاس ایک درہم بھی نہ تھا ساری رات تک تحیر و تضرع نے مجھے سونے نہ دیا۔ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو کر میں نے دعا کی کہ الٰہی سری کی شرم تیرے ہاتھ ہے اور تو ظاہر و باطن کا حال جاننے والا ہے تو اپنے فضل پہ بھروسہ کرنے والوں کو رسوا نہ کر۔ یکایک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی میں نے پوچھا کون ہے۔

آواز: یکے از دوستان تو۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص چار غلام اور ایک مشعلچی ساتھ لیے ہوئے دروازہ پر کھڑا ہے مجھے دیکھ کر اُس نے کہا۔ کہئے سریؒ کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے۔

اجازت پا کر وہ اندر آیا اور میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور اس وقت یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہے اُس شخص نے کہا میرا نام احمد بن مثنی ہے۔ ابھی ابھی مجھے خواب میں یہ آواز سنائی دی کہ جلد پانچ تھیلیاں زر کی سریؒ کو لے جا کر دے تاکہ وہ اس زر سے

تحفہؒ کو خرید لے کیونکہ تحفہؒ پر ہماری خاص عنایت ہے۔ یہ آواز سُن کر میں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر سجدۂ شکر ادا کیا اور صبح صادق کا انتظار کرنے لگا صبح ہوتے ہی نماز سے فارغ ہوکر ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹر نے مجھے غور سے دیکھکر کہا کہ آئیے آپ کو خوشخبری ہو کہ بارگاہ ایزدی میں تحفہؒ کا نہایت بلند مرتبہ ہے میں نے کل ہاتف سے یہ آواز سُنی ہے اِنَّهَا مِنَّا سَأَلَ لَيْسَ يَخْلُوا عَنْ نَوَالٍ یعنی ہمارا سوال اُس دل والے سے ہے جو عطا سے خالی نہیں ہے۔ جب تحفہؒ کی نظر مجھ پر پڑی تو آبدیدہ ہوکر آسمان کی طرف مُنھ کر کے کہنے لگی کہ اے دوست آخر تو نے مجھے خلق میں رسوا کر دیا۔ اتنے میں مالک تحفہؒ بھی آگیا۔ میں نے ہرچند اُسکو معہودہ رقم دینی چاہی مگر اُس نے وہ رقم نہ لی۔ اور کہا کہ میں نے خالصاً للہ تعالیٰ تحفہؒ کو آزاد کردیا۔ اس پر میں نے متعجب ہوکر اُس سے دریافت کیا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے کل زجر و توبیخ کی گئی۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اَللّٰهُمَّ كُنْ لِيْ بِالسَّعَةِ كَفِيْلًا وَّ بِالرِّزْقِ جَمِيْلًا یعنی خدایا تو میرا کفیل رہ اور رزق کی کشادگی میں جمیل۔

شیخ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص یہ بیان کرچکا تو میں نے احمد کی طرف غور سے دیکھا وہ زار زار رو رہا تھا میں نے رونے کا سبب پوچھا اُس نے کہا شائد کہ حق تعالےٰ مجھ سے رضی نہیں اس لیے کہ مجھے حکم دیا مگر قبول نہیں کیا اس لیے میں نے بھی وہ ساری رقم خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ وقف کردی۔ تحفہ نے جو اس وقت یہاں آگئی تھی دونوں کی تقریر سُن کر اپنے کپڑے جو اس وقت اُس کے جسم پر تھے اُتار دیے اور پُرانے ٹاٹ کا لباس زیب تن کر کے رونے لگی۔ شیخ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کہ رونے کا یہ کیا موقع ہے تحفہ نے کہا اُس کے قہر سے اُس کی مہربانی کی طرف بھاگتا ہوں اور روتا ہوں اُس کے قہر سے اُس کے لطف کی جانب جانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر تحفہ ایک سمت ہوا کی طرح چل دی۔ شیخ فرماتے ہیں اس واقعہ کے چند روز بعد میں احمد اور خواجہ تینوں بارادۂ حج گھر سے چلے اثناء راہ میں احمد کا انتقال ہوگیا صرف میں اور خواجہ دونوں مکہ معظمہ پہنچے جب کہ ہم خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے ایک جانب سے کسی زخمی دل والے کی یہ صدائے جگر خراش سُنائی دی۔

شَرِبَ الحُبَّ كَاْسًا بَعْدَ كَاْسٍ فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

حُبُّ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا سَقِيْمٌ تَطَاوَلَ سَقْمُهُ فَدَوَاهُ دَاءُهُ

یعنے اللہ کا دوست رکھنے والا دنیا میں اکثر بیمار رہتا ہے اُسکی بیماری قائم رہتی ہے اور اُسکا علاج علاج بالمثل ہے۔ اس کے بعد چند شعر اور سنائی دیے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

اُس نے شراب محبت کے جام یکے بعد دیگرے پلائے اور پھر نگہبانی کی یعنی مستانِ محبت کو حرکات ناپسندیدہ سے روکا شراب محبت سے جب سیراب ہوا تو متحیر ہو کر آسمان کی طرف چڑھا اور علو ذات کی جانب چلا پھر بجز محبوب کے کسی کی خواہش نہیں رہی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ جس طرف سے یہ آواز آئی تھی میں اُسی جانب بڑھا۔

ایک قتیل تیغ محبت کو دیکھا جو بستر مرگ پر پڑا دم توڑ رہا تھا جب اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہا یا سری میں نے کہا لبیک لبیک اُس نے کہا آپ نے مجھے پہچانا۔

سری رح:۔ نہیں۔

مریض:۔ لا الٰہ الا اللہ۔ افسوس کہ تم نے مجھے بہت جلد بھلا دیا۔ میں وہی تحفہ ہوں۔

سری رح:۔ تحفہ سب سے پہلے تجھے آزادی ملی کیا کیا منافع حاصل ہوئے۔

تحفہ:۔ مجھے اللہ جل شانہ نے قرب اُنس بخشا اور اپنے غیروں سے متوحش کر دیا۔

سری رح:۔ احمد بن مثنی میں اور خواجہ حج کے ارادہ سے چلے لیکن افسوس ہے کہ راستہ میں احمد کا انتقال ہو گیا کیا تجھے معلوم ہے۔

تحفہ:۔ ہاں اللہ تعالے نے اُسکو بخش دیا اور اتنے انعامات اور قیمتی اشیا بخشیں کہ دُنیا والوں کی آنکھوں نے اُن کو دیکھا تک نہیں وہ بہشت میں میرا ہمسایہ رہے گا۔

سری رح:۔ جس نے تجھے آزاد کیا وہ بھی میرے ساتھ یہاں آیا ہوا ہے اس کے جواب میں اُس نے آہستہ آہستہ کچھ دعا کی اور کعبۃ اللہ کے مقابل زمین پر گر پڑی اور دم توڑ دیا

[illegible] احمد [illegible] شعر

[illegible] جویا کے پاس

[illegible] کے پاس

[illegible] اُس پر مضطربانہ گر پڑا۔ تھوڑی

دیر بعد معلوم ہوا کہ اُس نے بھی دنیا کو خیر باد کہا۔

پیاسے نے دریا سے ملاقات کی
خوب تلافی ہوئی مافات کی

شیخ فرماتے ہیں میں اُن لوگوں کی تجہیز و تکفین اور اداے صلوٰۃ کے بعد پیر و خاک کر کے گھر لوٹ آیا۔ اللّٰھمّ وفقنا لما تحبّ و ترضیٰ۔ آمین۔

سید احمد شاہ ابن سید بہادر شاہ [illegible]

غزل

رخِ روشن کے آگے ماند ہیں شمس و قمر دونوں
لب و دنداں سے شرمندہ ہوئے لعل و گہر دونوں

عجب اک کشمکش میں آگئی ہے جان بسمل کی
ادھر قاتل کا شوقِ دید اُدھر [illegible] دونوں

ہزاروں کوششوں کے بعد دل ٹھہرا تھا پہلو میں
مگر اب چار ہونے کو ہیں چشم فتنہ گر دونوں

مرے دل اور جگر تو کشتۂ اندازِ جاناں ہیں
حسینوں کی نگاہوں سے نہیں [illegible] دونوں

مریضِ عشق کا ہو چارہ گر یا ناصح ناداں
خدا لگتی کہیں گے ہم کہ ہیں [illegible] دونوں

نگاہیں دو بدو ہو کر انھیں شرمندہ کرتی ہیں
کسی کی نیچی نظروں میں دکھاتی ہیں اثر دونوں

دعائے مرگ میری التجائے وصل دشمن کی
نصیبوں سے ہوئی ہیں آج [illegible] اثر دونوں

مجھے تارِ نفس سے یہ خبر مل جاتی ہے اکثر
کسی کے عشق کا بھرتے ہیں دم دل اور جگر دونوں

کوئی امید باقی ہو تو ہو کسبِ کمال آساں
برابر ہیں یہاں اہلِ ہنر [illegible] دونوں

نگاہیں مل کے دل کا راز جا کر دل سے کہتی ہیں
خموشی عشق دارد کی [illegible] دونوں

نشیلی آنکھیں ساقی کی یہ کہتی ہیں حریفوں سے
کہ خوں آلود کریں گی بیاضِ [illegible] دونوں

دلِ زاہد پہ ڈورے ڈالتی ہے آنکھ ساقی کی
کریں گی شامِ جنت کا سماں پیشِ نظر دونوں

وہی ہے عارفِ کامل اسی کی آنکھ حق بیں ہے
اگر یکساں دکھائی دیں کسی کو خیر و شر دونوں

کسی کا جذبِ الفت اور دلِ سودا زدہ اپنا
حسن میرے طریقِ عشق میں ہیں راہبر دونوں

حسن [illegible]

شعراءِ عجم و عرب

شعراءِ عجم نے فارسی شاعری میں تخئیل، فلسفہ و اخلاق اور واقعہ نگاری کے مضامین
میں جو بات پیدا کی ہے وہ اُن ہی کا حصّہ تھا۔

فارسی شاعری کا نشو و نما چونکہ تموّل امارت اور شاہی اقتدار کے گہوارہ میں ہوا
اس لیے نازک خیالی کی بے نظیر مثالیں اس میں ملتی ہیں علاوہ ازیں مناظرِ قدرت حسن و
عشق اور نزاکت چونکہ فارس کا ہمیشہ سے حصہ رہا ہے اس لیے تخئیل و جذبات کے جس قدر
مضامین شعراء فارس نے جس خوبی سے ادا کیے ہیں مشکل سے کسی دوسری زبان کو یہ خوبی
حاصل ہوئی ہے۔

قاآنی اپنے ایک شعر میں معشوق کے گیسو و عارض کی تعریف کرتا ہے۔

گیسو کشود و مغزم زاں گشت عنبریں
عارض نمود و چشمم ازاں گشت لالہ زار

عرفی کی نازک خیالی ملاحظہ ہو۔

در چمن باد سحر بوے تو سودا می کرد — گل بہ کف داشت زر و غنچہ گرہ وا می کرد

یعنے بادِ نسیم چمن میں معشوق کی خوشبو فروخت کر رہی ہے۔ اس لیے پھول کے ہاتھ میں زر ہے، اور
غنچہ گرہ کھول رہا ہے۔

معشوق کی کمر کی نزاکت دکھلانے میں گو اکثر شاعروں نے اپنا کمال دکھایا ہے لیکن
تمنّا نے جس نازک خیالی سے کام لیا ہے اُس کی نظیر نہیں ملتی۔

دیدم میان یار و ندیدم دہان یار — تو از ہیچ دید چو درد دیدہ موفتہ

غرض فارسی شعرا نے جذبات، معاملاتِ حسن و عشق میں وہ وہ باریکیاں پیدا کی ہیں جو
بجائے خود اپنا آپ نظیر ہیں۔ لیکن چونکہ ایران میں شخصی حکومت کا ہمیشہ سے زور رہا اس لیے
اسے شاعری وہ آزادی نصیب نہ تھی جو عرب کے شعرا کو حاصل تھی۔

ایران میں شاعری کی نشو و نما حکومت کے زیر سایہ ہوئی، اس لیے کہ سلاطین و امرا ر ایران خود شاعر اور سخن فہم ہوتے تھے اور بقار تام کا ذریعہ ہی شعر کو سمجھتے تھے۔ امرا و اعیانِ دولت اور بادشاہ کی قدر دانی کی یہ کیفیت تھی کہ اکثر شعرا کو مدحیہ قصائد پر ہزاروں لاکھوں اشرفیاں انعام دی جایا کرتی تھیں۔

باوجودیکہ عرفی حسب و نسب کے خیال سے نخوت پرست و مغرور تھا، لیکن خان خاناں نے اس کے ساتھ جو فیاضیاں محض اس کے کمالِ فن کی بنا پر کیں اُس کی نظیر مشکل سے ملے گی اکثر تبہ ایک قصیدہ پر ستر ہزار روپیہ عرفی کو خان خاناں نے انعام دیا۔

نظیری نیشاپوری نے حسب الحکم جہانگیر بادشاہ، ایک عمارت کے کتبہ کے لیے جب یہ شعر پیش کیا۔

اے خاک درت صندل سر گشتہ سراں را | بادہ مژہ جاروب درت تاجوراں را

تو بادشاہ نے اس کے صلہ میں تین ہزار بیگہ زمین عطا فرمائی۔

عہد عالمگیری میں جب نواب جعفر خاں وزیر اعظم مقرر ہوا، مرزا صائب نے یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

دور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است | ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر مے افگند

تو جعفر نے مرزا کو پانچ ہزار اشرفیاں انعام دیں۔

سنہ ۱۰۴۴ھ میں شاہجہاں نے آگرہ میں تخت طاؤسی کی تیاری کے جشن کے دن ایک مدحیہ قصیدہ پر ابو طالب کلیم کو اُس کے جسم کے برابر تلوا کر روپیہ دیا تھا۔

شعرا کو جاہ و منصب بھی عطا کیے جاتے تھے۔ چنانچہ فیضی کو چار ہزاری کا منصب دیا گیا تھا اور اس کے چھوٹے بھائی ابوالفضل کو دو نیم ہزاری منصب عطا ہوا۔ چونکہ ایشیائی درباروں میں خوشامد کے بغیر کوئی شاعر فروغ نہیں پا سکتا تھا۔ اس لیے شعرا امرا و بادشاہوں کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ بسا اوقات یہ تعریف مذہبی نقطۂ نگاہ سے مذہب کی نہایت گستاخی ہوتی تھی جیسا کہ نظیری ایک موقع پر جہانگیر شاہ کے فرمان کو قرآن سے تشبیہ دیتا ہے۔

اصحاب پیساں صحف از اصحاب ستانند گر نیتم از احباب بہ تعظیم نشاں را

اس صلہ میں نظیری کو ایک ہزار روپیہ ایک گھوڑا اور ایک بیش بہا خلعت عطا ہوا۔ شاہزادہ مسعود ابن سلطان محمود جب خراسان سے غزنین آیا تو قریب قریب تمام شعرا نے قصائد تہنیت پیش کیے چنانچہ اس موقع پر اکثر شعرا کو بیس بیس ہزار اور عنصری کو پچاس ہزار درہم عطا کیے گئے۔

غفاری رازی کو سلطان محمود کے دربار سے ہر قصیدہ پر ایک ہزار اشرفیاں مقرر تھیں۔

مولانا جمال الدین جب سلطان محمد تغلق کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر لیگئے جسکا مطلع یہ تھا۔

الٰہی تا جہاں باشد نگہدار ایں جہانباں را محمد شاہ تغلق ابن تغلق ابن سلطاں را

تو سلطان نے فوراً روک دیا اور کہا کہ میں دوسرے شعر کا صلہ دینے سے عاجز رہوں گا۔ یہ کہہ کر اس قدر اشرفیاں منگوائیں کہ مولانا کے برابر ڈھیر لگا دیا۔ مولانا بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے۔ سلطان کو یہ ادا نہایت پسند آئی اور قد آدم اشرفیوں کا انبار لگا دیا۔

دانش مشہدی کو دارشکوہ نے اس شعر پر ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔

تاک را سرسبز کن اے ابر نیساں در بہار
قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

یہ سب کچھ تھا لیکن فارسی شاعری کی عظمت و شان اسی مدح سرائی سے برباد ہوئی اور شاعری وہ شاعری نہ رہی۔ جذبات۔ معاملات اور حسن و عشق کی مؤثر کیفیات کا خاتمہ ہو گیا ذریعہ تھا رکمال [illegible] کا اظہار [illegible] کی خواہش سے فارسی شاعری ذریعہ معاش بنی اور پھر گرتے گرتے گداگری تک پہنچ گئی۔ ایک مرتبہ نظیری نے خان اعظم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر درخواست کی کہ میرے زادراہ کا انتظام کردیا جائے اسی طرح اکثر شعرا مرثیہ گوئی کے ذریعہ سے اپنی ملازمت کی درخواست کرتے رہتے تھے۔

برخلاف اس کے عرب کے شعرا و ایرانی شعرا کی طرح حاکم وقت کی مدح میں قصیدے

لکھنا عار سمجھتے تھے، وہ زر دماں اور گدائی کے خوگر نہ تھے بلکہ وہ ایک فاتح، ایک سپہ سالار ایک جنگ آزما اور صاحب تیغ و قلم ہوتے تھے عربی شاعر اپنے اشعار میں وہی کہتا تھا جو خود کرچکا ہے۔ اس کے چند منظوم الفاظ مقابلہ میں طبل جنگ بیکار ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک شعر سے فوج میں وہ جوش پیدا کر دیتا تھا، جو بڑے سے بڑا سپہ سالار بھی اپنی للکار سے نہیں کرسکتا تھا۔ عرب میں قوم کی باگ ایک شاعر کے ہاتھ میں رہتی تھی، وہ جس طرف چاہتا تھا اپنے رزمیہ اشعار سے قوم کا رُخ بدل دیتا تھا۔

عمرو بن ہند عرب کا ایک مشہور تخت نشین گذرا ہے۔ ایک دن اس نے اپنے دربار میں مقربین سے کہا کہ کیا عرب میں کوئی ایسا ہے جو میری بارگاہ میں گردن نہ جھکائے؟ درباریوں نے کہا کہ شاعر عمرو کلثوم (شاعر) اگر حضور کا مطیع ہوجائے تو پھر کسی کی مجال نہیں جو سر اُٹھا سکے، [illegible] بچہ بچہ کی زبان زد ہے۔

حضرت عثمان علیہ السلام کے خون کی مدعی بن کر جب حضرت عائشہ صدیقہؓ جناب امیر معاویہ سے معرکہ آرا ہوئیں تو قریب تھا کہ ان کی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ لیکن قبیلہ ضبہ کے ایک شاعر نے ان کے اونٹ کی مہار پکڑ کر یہ اشعار پڑھے۔

نحن بنو ضبة اصحاب الجمل ... الموت احلی عندنا من العسل

ننعی ابن عفان باطراف الاسل ... ردوا علینا شیخنا ثم بجل

یعنے ہم قبیلہ ضبہ کے لوگ ہیں، ہم کو موت شہد سے زیادہ میٹھی معلوم ہوتی ہے ہم عثمان کی موت کی خبر برچھی کی زبان سے سناتے ہیں۔ ہمارے شیخ کو ہمیں دیدو پھر کوئی جھگڑا نہیں ان اشعار پر سپاہ جنگ پر آمادہ ہوگئی اور لڑائی کا رخ بدل گیا۔

جب خلیفہ عبدالملک [illegible] قریشی شاعر سے اپنی مدح کے لیے کہا، تو اس نے جواب دیا کہ [illegible] مردوں کی۔

ولید [illegible] بادشاہ [illegible] تک فتح کر لیا تھا، اور جس کے مقابلہ کا دوسرا شخص [illegible] اس نے ایک مرتبہ جمیل نامی شاعر سے

کہا کہ کچھ اشعار سناؤ۔ ولید کا منشا یہ تھا کہ اشعار میری مدح میں ہوں لیکن جمیل نے اپنی شان میں یہ شعر کہا۔

انا جمیل فی السنام من معد   فی الذروۃ العلیا والرکن الاشد

ولید جمیل کا کچھ نہ کر سکا۔

غرض کہ عرب شعراء نے شاعری کو قوت روحانی اور جذبات صحیحہ سمجھکر اس کا استعمال جائز طور سے کیا۔ اور اس سے بڑے بڑے مفید کام نکالے۔ اگرچہ عرب کی شاعری اکتسابی شاعری نہ تھی بلکہ فطری شاعری تھی، اور اسی لیے ابتداءً اس میں ردیف وقافیہ کی پابندی نہ تھی بلکہ طرفین میں سے جس وقت دو فریق ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے تھے اُس وقت دونوں فریقوں کی زبان سے فخریہ کلمات نکلتے تھے، اور وہی اُن کے خیال کے بموجب شعر تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہی فقرے کلام موزوں بن گئے اور بتدریج، ردیف وقافیہ کی پابندی ہونے لگی۔

بثینہ کے آغاز عشق میں جمیل نامی شاعر کہتا ہے۔

واول ماقاد المودۃ بیننا   بوادی بغیض یا بثین سباب

عام قاعدہ ہے کہ ہر پیکر حُسن کے رخسار تلیاں حالت غضب میں سُرخ ہو جایا کرتے ہیں یہی سرخی اپنے دامن رنگیں میں التہاب واحتراق کا وہ اثر رکھتی ہے جو برق جہاں سوز میں بھی نہیں ہو سکتا شاعر اسی کیفیت کو بیان کرتا ہے یعنی کہ شروع میں محبت جس ادا نے پیدا کی، اسے بثینہ وہ تیر غصہ تھا۔

آگے چل کر اسی عاشق کا جوش محبت جب حد صبر و تحمل سے بڑھ جاتا ہے، تو باد نسیم سے کہتا ہے۔

ھبی لی نسمۃ من ریح بثن   ومنی بالھبوب الی جمیل

اے نسیم بوے بثینہ کا کوئی جھونکا لا دے۔ اور جمیل پر اتنا کرم کر کہ بثینہ کی طرف سے نکل کر اُس کی جانب آ۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے

حبیب لیس یعدلہ حبیب   وما لسواہ فی قلبی نصیب

ایک دوست ہے جس کا دوستوں میں نظیر نہیں   اور بجز اُسکے میرے دل میں دوسرے کو دخل نہیں

حبیب غاب عن عینی وجسمی وفی قلبی حبیبٌ لا یغیبُ

ایک دوست ہے جو میری آنکھ اور بدن سے اوجھل ہو گیا ہے، لیکن میرے دل میں ایک دوست ہے جو دور نہیں ہو سکتا

عرب کی اصلی شاعری اگرچہ اسلام سے پہلے شروع ہو کر بنو امیہ کے زمانہ تک ختم ہو چکی تھی لیکن اس کے بعد بھی اسکا جو اصلی رنگ تھا، وہ تخت وحکومت یا مال وزر کی طمع سے بدل نہ سکا کیونکہ عرب کے شعرا کے ضمیر میں حقیقی حریت وآزادی کا مادہ تھا۔ گو اس زمانہ میں عربی حکومت کا دار الخلافہ بغداد قرار دیا گیا تھا، اور اس سے عرب وعجم کے رسوم وعوائد کے اختلاط پر جو اثر ہوا اُس نے عربی شعرا کے تخیلات میں ایک گونہ انقلاب پیدا کیا، لیکن نہ اتنا جتنا کہ ایرانی شعرا مال وزر کی طمع سے متاثر ہوے۔ اس کے ثبوت میں ولید جیسے بادشاہ کے مقابلہ میں جمیل کو دیکھیے جو اس کا ہمعصر تھا۔

حافظ امام الدین

غزل

بتکدے میں بُت کافر ترا جلوا دیکھا
ہم نے اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھا

اپنی آنکھوں سے غضب غم یہ تماشا دیکھا
مُنھ کو آتے ہوے سَو بار کلیجا دیکھا

جو رقیبوں نے کہا اُن سے سُنا محفل میں
جو مقدر نے دکھایا وہ تماشا دیکھا

اپنے دل ہی میں وہ ہم دیکھ رہے ہیں سب کچھ
تو نے جو طور پہ اے حضرتِ موسیٰ دیکھا

اہلِ محشر ہوے یوں دیکھ کے تم کو بیخود
حشر کے دن بھی نہ دیدار تمھارا دیکھا

دمِ گلگشت چمن ہم سے وہ ڈر کر لپٹے
چاندنی رات میں زلفوں کا جو سایا دیکھا

وہی کعبہ میں ہے اے دل وہی بتخانہ میں
ہم نے تو دونوں جگہ ایک ہی نقشا دیکھا

سیکڑوں سجدے کیے اے بُتِ کافر ہم نے
جس جگہ ایک ترا نقشِ کفِ پا دیکھا

کھل گئی آنکھ جو آغوش میں بگڑا کیا کیا
اُس نے ٹوٹا ہوا جب ہار گلے کا دیکھا

سر کو دُھنتا ہے کبھی ہاتھوں کو ملتا ہے کبھی
کیا وفا تو نے پھر اُس شوخ کا جلوہ دیکھا

وفا صدیقی

جلوۂ پیہم

رہوں میں یوں ہی از خود رفتہ یا جینے سے باز آؤں
تمھارے جلوۂ پیہم کی ہوتی ہے اجازت کیا؟

ایک خمار ہے جو کم ہو کر اور تیز ہوتا ہے، اک نشہ ہے جو ترشی ہی سے بڑھتا ہے۔ اک کیفیت ہے بیان سے باہر، اک یاد ہے ہر وقت رہنے والی، اک خیال ہے دل میں چٹکیاں لینے والا، کھٹک ہے پُرلطف، کسک ہے پر کیف!

غرض فرصت جب کبھی ملتی ہے وہی خیال ہوتا ہے، فرصت نہیں ہوتی ہے تو یاد آتے ہی کام چھوڑ کر تھوڑی دیر عالم خیال کی سیر ہوتی ہے، اس پر سے ضروری سے ضروری مشغولیت قربان کیونکہ

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاے ہوئے

سالانہ امتحان کو صرف چند ہی دن رہ گئے ہیں۔ حساب کی خامی بہت کچھ پوری کرنی ہے، ہر قسم کے خیالات دماغ سے نکال کر اقلیدس کے مقالے پیش تھے کہ اسی کتاب پر یہ شعر لکھا ہوا نظر آیا

شبِ ماہ تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا

شعر نہ تھا مرقع تھا ایک دل کش یاد کا، ایک اشارہ مبہم، ایک پُراسرار خاموشی، ایک طلسم حیرت۔ اس میں معلوم نہیں کہاں کی تاثیر کی گئی تھی ایک دفعہ کام سے معطل ہو گیا اقلیدس کی شکلیں لکیریں ہو کر رہ گئیں۔ میں تھا اور بیہوشی، یاد آ گیا جو نہ یاد آنا تھا۔ آنکھیں بیقرار تھیں، دل پریشان، اور میں حیران،

برسات کی چاندنی ایک [illegible] مشہور ہے لیکن اس لطف کو کچھ سرخوشان کیف شباب [illegible] چاندنی پہ سے

[illegible] سے مقابل

[illegible] میں بدگمان تھا

[illegible] دل میں جذبات کے

پیدا کرنے کے لیے کافی تھا، لیکن اپنے ہی پہلو میں اُسی نورانیت کے عکس میں اُسی جوان چاند کے سامنے، وہ تصویر خموش و ساکن مجسمۂ حسن و شباب تھی، جس کی خموشی میں فغانِ تمنا، جس کے سکون میں تحریک بیتابی، جس کے تنفس و تموج میں دعوت مبہم، جس کے خزینۂ شباب پر خود اُسی کا پایاں ہاتھ سرور و تقاضا سے دل کا اعلان کر رہا تھا۔ اُس وقت بے خودی میں ایک کرختگی کے ساتھ اس حسن لطیف کو فنا کر دینے کی خواہش ظلم کے ساتھ مملکت حسن و شباب پر جبر و حکومت کی خواہش کے ساتھ، غیر متحرک اور خاموش لبوں کو اذیتِ لطف پہنچانے کی خواہش کے ساتھ، آلام و افکار دنیا اور ہنگامہ زائی جذبات کی طرف سے مطمئن اور بے خبر جسم و دل کو اپنا شریک حال بنانے کی بیجا خواہش کے ساتھ، دل کو دل کے قریب رکھکر تاکہ اُس کی بیتابی اس کے سکون کو مٹا دے۔ گلاب کی ناشگفتہ کلی یعنی لب نازک کی سی لطیف شے کے نشۂ عیش میں خلل انداز ہوا اور صرف ایک پیار تھا جس میں محبت و قدر دانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

وہ آنکھ بھی کھل گئی جس کا بند رہنا بھی غضب ڈھا رہا تھا، چہرہ کے آس پاس ایک چشم زدن میں [illegible] ایک خوشگوار متانت، ایک پُر لطف تبسم کے ساتھ بشاش ہو گئے۔ اور ایک دبی ہوئی انگڑائی کے بعد لطف و تشکر نے تمام اشارات کو صاف کر دیا۔

باہمہ دعوئے تمکیں تو ان خواستہ ات — گر از پردہ [illegible]
جلوۂ او نہ گذارد کہ برم بہرہ ز وصل — [illegible] ہمہ تن محو تماشا [illegible] چشم

از فرید علیمن

کلامِ اکبر

میں کیا کہوں اُسے اور کیا کروں گلا اُس کا — مجھے ہنوز پتا ہی نہیں ملا اُس کا
کمال شوق سے کرتا تھا میں اطاعتِ نفس — اب اُسکا جبر ہے مجھ پر یہ ہے صلا اُس کا
اگرچہ دل کو ہے سودا اُسے بُرا نہ کہو — کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلا اُس کا

علم پر گو غرور بیجا ہے — جاہلوں سے ہے اجتناب روا

اپنوں کو خوار رکھنا غیروں سے جھک کے ملنا — ایسا جو ہو تو جائز ہے اُس سے رک کے ملنا

ہے عالمِ فطرت پیشِ نظر آیاتِ الٰہی ظاہر ہیں
غافل جو رہیں نابینا ہیں انکار کریں وہ کافر ہیں

اکبر الٰہ آبادی

انسانِ کامل

(چینی ہادی کنفیوشس کے خیالات کی جھلک)

مالکِ انساں اپنی قسمت کا جہاں میں آپ ہے — اپنا ذمہ دار ہر سود و زیاں میں آپ ہے
مستتر اوصاف روحانی ہیں ہر انسان میں — اور ترقی و تنزل اُن کا ہے امکان میں
مرتبہ اُس کا زمین و آسماں سے کم نہیں — عالم اُس کا بندہ ہے وہ بندۂ عالم نہیں
اُسکو قدرت نے دیا ہے امتیاز خوب و زشت — اب وہ کرے جیسی چاہے اپنی فطرت اور سرشت
[illegible] خلوص واقعی جذبات میں — آسمانی قوتیں آجائیں گی خود ہاتھ میں
[illegible] تکمیل [illegible] اپنی [illegible] سکتا ہے وہ — دوسروں کی بھی یوں ہی اصلاح کر سکتا ہے وہ

یہ درستیِ طبائعِ عام مخلوقات کی — تربیت گویا ہے ہر ہر جزو موجودات کی
جبکہ ہو حسنِ عمل جلوہ طرازِ کائنات
کیوں نہ ہو انسانِ کامل وجہ نازِ کائنات

ارشد تھانوی

اطواق الذہب

کیا سُنائیں ہم تمھیں نیرنگیِ عالم کا حال — ہے کتاب اک جام - اس میں دیکھ لو تم جم کا حال
آئینہ حالِ سکندر رہے - عیاں رستم کا حال — ہست ہیں جا - ہر عروجے رازوال ......

غافلو انجام کی تم کو خبر کچھ بھی نہیں — مال کیا اور کیا مآل مال وزر، کچھ بھی نہیں
آرزوے زر سے حاصل جز ضرر، کچھ بھی نہیں — عشرتِ دنیا ہے نیرنگ خیال ....

مال وزر پایا جو ترکہ میں تو اس پر کیا غرور — پاس رہ سکتا نہیں یہ تم اگر ہو بے شعور
آدمی بننا اگر چاہو تو ہے کوشش ضرور — چاہیے کسبِ ہنر کسبِ کمال ....

ایک جا بیٹھے رہے کیوں شکوۂ قسمت کرو — ہاں! اُٹھو چل پھر کے دیکھو کوشش و ہمت کرو
فکر کی زحمت اُٹھاو سعی کی عادت کرو — سعی کا انجام ہے جاہ و جلال ....

بات شیریں ہوتی ہے شیریں تر از قند و نبات — بات شیریں ہوتی ہے شیریں تر از آبِ حیات
خلق سے تو سب سے مل - کر سب سے تو نرمی سے بات — خلق سے پیدا نہ کر رنج و ملال ....

غیر اپنے ہو گئے شیریں ہوا گر اپنی زبان — دوست ہو جاتے ہیں دشمن تلخ ہو جس کی زبان

اپنے قابو میں نہ ہو غصے میں۔ وہ کیسی زباں — کرنہ بیہودہ تو ہرگز قیل و قال.........

نیکیوں سے دل لگاؤ تم یہ عادت خوب ہے — نیک ہو یا بد اُسے نیکی بہت مرغوب ہے
نیک ہو جو شخص اک عالم کا وہ محبوب ہے — نیک ہے محبوب ربّ ذی الجلال.......

کچھ کرو فکرِ تجارت تم میں غیرت ہے اگر — یا ہنر سیکھو کوئی منظور راحت ہے اگر
کچھ نہ کچھ کرتے رہو فکر معیشت ہے اگر — کاہلی سے ہے تمھارا خستہ حال.......

کیجیے احساں مفلسوں پہ پاس دولت ہے اگر — بیکسوں کے کام آؤ تم میں ہمت ہے اگر
اے ذہینؔ خستہ جاں تم میں مروت ہے اگر — خاطرِ احباب کا رکھو خیال.........

سید غلام مصطفیٰ ذہینؔ

فلسفۂ محبت

(انگریزی نظم سے ماخوذ ہے)

چشمۂ شیریں ہوا دریا سے جا کر ہمکنار — اور دریا بہتے ہے بحر میں ہے بے قرار
غنچہ و گل سے نسیمِ صبح اٹھلا کر ملی — پھول کی نکہت نسیمِ صبح سے جا کر ملی
حسن کو دیکھو دلربا سے اپنے ہم آغوش ہے — آہ! پھر محبوب میرا مجھ سے کیوں روپوش ہے

ساحلِ دریا سے پھر موجیں جبیں ملنے لگیں — آہ پھر الفت کی شمشیریں بہم چلنے لگیں
مہر نے بھیجی فلک سے پھر شعاعوں کی لڑی — کوہ کی چوٹی میں موبافِ زری ہو کر پڑی
پھر زمیں پر جلوہ ہائے آسماں پڑنے لگے — مہر کے انوار ذرّوں پر نگیں جڑنے لگے
ماہ کی تنویر نے بوسے سمندر کے لیے — منہ صدف کھولے ہوئے ہے اپنا گوہر کے لیے

غنچہ و گل مسکرائے ٹہنیاں ہلنے لگیں　　　پتیاں گلشن میں جھک جھک کے گلے ملنے لگیں

آہ میں فرقت زدہ کیوں موردِ آلام ہوں

اور ابھی تک آرزوئے وصل میں ناکام ہوں

محمود اسرائیلی

عندلیب

ہو چمن میں کیا بیاں سوزِ نہانِ عندلیب　　　میں کہاں سے لاؤں اے باسط زبانِ عندلیب

کان دھر کر تو سنے گر شاہدِ گل کی طرح　　　خندۂ [illegible] داستانِ عندلیب

چاک ہو جائیں گریباں [illegible]　　　[illegible] ہے سنانِ عندلیب

غیر ممکن ہے کہ کر ڈالے نہ دامن چاک چاک　　　جوشِ گل سے گر سنے کوئی فغانِ عندلیب

گرم بازاری چمن میں ہے [illegible]　　　تنگ آیا ہے مگر سوزِ نہانِ عندلیب

آبِ شبنم سے بھرے ہیں ساغرِ گل [illegible]　　　سوکھ کر کانٹا ہوئی پھر بھی زبانِ عندلیب

گل کو توڑا تو نے گلچیں جان [illegible]　　　گل میں بھی شاید چھپی روحِ روانِ عندلیب

برق کو اہلِ چمن بدنام کرتے ہیں عبث　　　آشیانہ خود بتاتا ہے نشانِ عندلیب

توڑ نا گل کو! نہ اے گلچیں خدا کے واسطے　　　کیونکہ روحِ گل سے وابستہ ہے جانِ عندلیب

عشق کی اُفتاد لے آئی قفس میں باغ سے　　　بن گیا صیاد ظالم پاسبانِ عندلیب

ذکر یہ باسط میں یوں ہی حشر تک کرتا رہوں

کوئی گل رو گر سنے مجھ سے بیانِ عندلیب

باسط بسوانی

غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

نہ پوچھو کیفیت زخم جگر کی ‏ نشانی ہے کسی بیداد گر کی
حیات مختصر چھٹ کر کسی سے ‏ بسر کی اور بہر صورت بسر کی
دیا خط اور رو یا یہ سمجھ کے ‏ یہیں تک زندگی تھی نامہ بر کی
میں اپنی خانہ بربادی پہ خوش ہوں ‏ وطن سے کم ہیں ایذائیں سفر کی
فراق روح و تن ہے باعث وصل ‏ خبر مل جائیگی اُس بے خبر کی
جواب اشک غم تارے تو ٹوٹے ‏ اب آگے جو خوشی ہو چشم تر کی
خدا رکھے مرے زخم جگر کو ‏ حقیقت دیکھ لی تیر نظر کی
ہوے ہم زندۂ جاوید مر کے ‏ کرامت ہے نگاہِ فتنہ گر کی
قیامت کر گیا افسانۂ طور ‏ حقیقت کھل گئی اہل نظر کی
نکالا جزو روح ایک ایک آنسو ‏ حیات ہجر یوں ہی مختصر کی
ہوے پروانے خاک شمع میں دفن ‏ بڑے کام آئی محنت رات بھر کی
صدا نکلی یہ شہ رگ سے دم ذبح ‏ دُہائی ہے کسی بیداد گر کی
جہاں ٹھہرا سمٹ آیا زمانہ ‏ خدائی ہے ترے شوریدہ سر کی

خموشی سے سلامت ہے یہ دُنیا
قیامت ہوگی محشر آہ اگر کی

حضرت بیخود موہانی

صدمے زمانے بھر کے جب اثر کر گئے ‏ زندان آب و گل کے گرفتار مر گئے
تنگی قفس کی۔ دل کی تڑپ۔ دام کی گرفت ‏ ان سب کی کشمکش میں مرے بال و پر گئے
ہم کیا بتائیں بزم تمنا کی واردات ‏ آئے تھے با حواس مگر بے خبر گئے

اجزاء دل کا نام تھا ہستی کائنات ۔۔۔ یہ کیا مٹے جہان کو برباد کر گئے
پھر اُڑ سکیں نہ وقت اسیری کی لذتیں ۔۔۔ ہاں اُڑ کے تا بدام مرے بال و پر گئے
جھلکا نہ ذرہ ذرہ میں میری وفا کا رنگ ۔۔۔ دل کے لہو میں مفت مرے ہاتھ بھر گئے

اب وہ نکل رہے ہیں مگر ٹوٹ ٹوٹ کر
کل تن میں سانس بن کے جو نشتر اُتر گئے

حضرت دلؔ شاہجہانپوری

دل خاک میں اپنا جو نہ ملتا کوئی دن اور ۔۔۔ کرتے ترے ملنے کی تمنا کوئی دن اور
مر مر کے محبت میں ہے جینا کوئی دن اور ۔۔۔ دیکھیں گے ابھی ہم یہ تماشا کوئی دن اور
پھر ذوقِ خلش مشغلۂ حسرتِ دل ہے ۔۔۔ کرنا ہے ہمیں خونِ تمنا کوئی دن اور
ہشیار کہ ہے نشۂ غفلت قلق افزا ۔۔۔ کر لیجیے شغل مے و مینا کوئی دن اور
او دشمنِ دل دیکھ بہارِ گل و ریحاں ۔۔۔ زینت ہے ترا عشوۂ بیجا کوئی دن اور
کہتا ہے یہ باہم مژۂ دل کا تعلق ۔۔۔ کھٹکے گا ابھی خارِ تمنا کوئی دن اور
ممکن تھا کہ تسکیں کا پہلو نکل آتا ۔۔۔ سینہ میں اگر درد نہ اُٹھتا کوئی دن اور
بیکار ہے محشر میں ترا وعدۂ فردا ۔۔۔ آنے کو ہے اس دن کے سوا کیا کوئی دن اور
معلوم ہے جن کو ترے وعدے کی حقیقت ۔۔۔ ہے ان کی نگاہوں میں یہ دنیا کوئی دن اور
چل دی ہے اجل تک مرے بالیں سے پکڑ کر ۔۔۔ رہیے ابھی ممنونِ مسیحا کوئی دن اور
ہر زخمِ دلِ قیس کے لب پہ یہ صدا ہے ۔۔۔ سرسبز رہے دامنِ صحرا کوئی دن اور
کچھ شغل تو ہو گرچہ یہ بے سود عمل ہے ۔۔۔ اُس در پہ رہو ناصیہ فرسا کوئی دن اور
ناکامیِ پیہم مری ہمت کے مخالف ۔۔۔ ہمت کا ہے پیہم یہ تقاضا کوئی دن اور
جی جائیں گے اس آس میں دم توڑنے والے ۔۔۔ اچھا ہے نہیں آپ مسیحا کوئی دن اور
ممنونِ جفا و رہ وہ ہوتے اگر اے دلؔ ۔۔۔ ہوتا نہ مرے عشق کا چرچا کوئی دن اور

حضرت رعب قریشی انصاری

فنائے ہستیٔ موہوم ہے بقا کے لیے نوید عیشِ ابد جانِ مبتلا کے لیے
ہوس پرست بھی مرنے لگے خدا کے لیے ادا تمھاری کھلونا ہوئی قضا کے لیے
تری جفائیں سلامت کہ جستجو تھی ہمیں محل صرف کی سرمایۂ وفا کے لیے
نگاہ گرم کی تکلیف کیوں کرے کوئی مری تپش ہے بہت برقِ ماسوا کے لیے
ہوئے ہم آپ سے بیگانہ پھر بھی یا قسمت تڑپتے ہیں کسی بیگانہ آشنا کے لیے
خجل کریں مرے ہمدرد چارہ سازوں کو یہ ننگ بھی سہی اک دردِ بے دوا کے لیے
رخِ یقیں سے کہیں اٹھ چکے حجابِ گماں کہ ابتدا مری بیکل ہے انتہا کے لیے
بغل میں ایک دلِ آرزو دوست رکھتے ہیں کسی کے حوصلۂ جورِ ناروا کے لیے
طلسمِ زلف سے نکلے بھی دل تو جائے کہاں جگہ بھی ہو کہیں اس محشرِ بلا کے لیے
نہیں تو ننگ خلائق ہیں اے عطائے ازل تلاش کس کی ہے حرمانِ مدعا کے لیے
دبی زبان سے بیداد! مژدہ بیداد ارے سپہر تو سُن لے کہیں خدا کے لیے
تم اور فغاں کا مبدّل بہ خامشی ہونا؟ تہیہ کرتے ہیں تمہیدِ التجا کے لیے
نوید وصل بہ پیغام جز فریب نہیں بہانہ چاہیے صبرِ گریز پا کے لیے
ہو صبر تو دیکھئے کیوں ضبط شیوہ ہائے ستم؟ وفا ہے مضطرب اندازۂ جفا کے لیے
مسیح بھی دم توڑتے ہیں بیتابیوں کے ہنگامے کہ درد پھر نہ ملے گا کہیں دوا کے لیے

حرم نشینوں میں رعب اور یہ کفر کی باتیں!
بتوں کا تذکرہ؟ مردِ خدا! خدا کے لیے

حضرت باسط بسوانی

جبینِ نیاز زمانے کا نقش و نگار رہے باقی مزار ہے نہ نشانِ مزار ہے
بہارِ نیاز سے غم میں ہر دل داغدار ہے گویا خزاں کے دور میں رنگِ بہار ہے

اُس چشمِ مستِ ناز کا عالم نہ پوچھیے
دیکھا تھا ایک روز ابھی تک خمار ہے

دم ہے لبوں پہ۔ جینے کی اُمید دل میں ہے
وڑی سی زندگی کا بڑا اعتبار ہے

اے اہلِ غم بتاؤ کہ وہ روئے یا ہنسے
لے دے کے ایک اپنا چراغِ مزار ہے

تم اور ربطِ غیر سے - میں مانتا نہیں
میری قسم نہ کھاؤ۔ مجھے اعتبار ہے

کم تیر سے نہیں ہے تمہاری نگاہ شوخ
کچھ دل میں رہ گئی ہے تو کچھ دل کے پار ہے

پامال کر چکے مری تربت تو کیا ہوا
میری طرف سے دل میں ابھی تک غبار ہے

کیا لطف دے رہے ہیں اسیری میں داغِ دل
مجھ سے جو پوچھیے تو قفس میں بہار ہے

بادِ صبا بچاتی ہے دامن چراغ سے
کس دل جلے کا یہ ترے دیر مزار ہے

صیاد میرے زخمِ کہن پھر ہرے ہوئے
دل کہہ رہا ہے آمدِ فصلِ بہار ہے

جامہ دری کا مجھ سے سبب ہمنشیں نہ پوچھ
دنیا یہ جانتی ہے کہ فصلِ بہار ہے

لکھتا ہے چشمِ یار کے مضموں نئے نئے
باسطؔ اسی سے شاعرِ جادو نگار ہے

سید اللہ بخش صاحب ادیب

حیرت سے کسی کو تک رہا ہوں
گویا کہ کسی کا آئینہ ہوں

حیرت مری آئینہ ہے میرا
تصویر میں اپنی بن گیا ہوں

کیا پوچھتے ہو ثبات میرا
میں بحرِ فنا کا بلبلا ہوں

پایا نہ کبھی کسی نے مجھ کو
نکلا نہ کبھی وہ مدعا ہوں

ہوں شورشِ کامرانِ حسرت
ہنگامۂ نالہ و دعا ہوں

غم بھی ہے خوشی میں میری مضمر
بہ صورتِ زخم ہنس رہا ہوں

ہے نقشِ حباب میری ہستی
میں اپنے میں آپ ہی فنا ہوں

عالم میں آ دیب ہوں بھی تو میں
پروردۂ حسرت جفا ہوں

حضرت رنجور عظیم آبادی

پلا دو چار جام بادۂ گلرنگ سائل کو ۔۔۔ خدا آباد رکھے۔ پیارے ساقی! تیری محفل کو
ڈبو یا تو نے۔ اے طوفانِ غم! اک کشتیِ دل کو ۔۔۔ کہ جب میں دیکھنا تھا سامنے آغوشِ ساحل کو
کسی صورت جدائی کی یہ شب کاٹے نہیں کٹتی ۔۔۔ گلے کیونکر لگائیں ہم نہ اب شمشیر قاتل کو؟
چمن میں سیر کو کس گل بدن کی آمد آمد ہے ۔۔۔ یہ ہے آج انتظار۔ اے باغباں! کس کا عنادل کو؟
لیے جاتے تو ہو خوش خوش۔ مگر بے احتیاطی سے ۔۔۔ کہیں بے آب کر دینا نہ میرے گوہرِ دل کو

میں اپنی مشکلوں کو مشکلیں رنجور! کیوں سمجھوں؟
اُسے آساں ہے حل کرنا مری ہر ایک مشکل کو

حضرت تیر ارزو جعفری بریلوی

دل میں پھر دردِ محبت کا گزر ہوتا ہے ۔۔۔ ہائے پھر مفت کا جھگڑا مرے سر ہوتا ہے
ہم نے چاہا جسے۔ افسوس وہ ایسا نہ ہوا ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
موت بھی گھات میں وہ بھی سرِ بالیں موجود ۔۔۔ دیکھیں یہ معرکہ کس طرح سے سر ہوتا ہے
لے کے دل بوسہ کی تکرار یہ کہنا اُن کا ۔۔۔ دیکھو دیکھو ان ہی باتوں سے تو شر ہوتا ہے
دل بھی بیتاب جگر کے بھی ہیں ٹکڑے ٹکڑے ۔۔۔ کچھ عجب شوخ نگاہوں میں اثر ہوتا ہے
حالِ دل ان سے بیاں کرکے بھلا کیا لیں گے ۔۔۔ ایسی باتوں کا بھلا اُن پہ اثر ہوتا ہے
دل ہے آمادۂ فریاد جگر بھی بیتاب ۔۔۔ کچھ عجب دردِ محبت میں اثر ہوتا ہے
ایک بوسہ پہ مری جان یہ رنجش یہ ملال ۔۔۔ کوئی اس طرح بھی آمادۂ شر ہوتا ہے

نرگسی آنکھوں پہ ان کی نہ مرو دیکھو تیسر
ان کا بیمار ادھر اللہ نہ اُدھر ہوتا ہے

اگر اللہ سے اپنی مصیبت کو دفع کرنے کی خواہش کرتا ہے تو قبول ہونے کی امید نہیں۔ اگر خلق کی جانب رجوع ہونا چاہتا ہے تو اسکو کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اگر شرعی اجازتوں پر عمل کرتا ہے تو سزا پاتا ہے۔ اس کے ہاں بد اخلاقی مسلط ہو جاتی ہے۔ اگر درگذر چاہتا ہے تو معاف نہیں کیا جاتا اگر بلاؤں پر صبر و شکر کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا نفس پگھلنے لگتا ہے اس کی خواہشیں مرجاتی ہیں۔ ارادے آرزوئیں مٹ جاتی ہیں۔ تمام چیزوں کی ہستی مٹ جاتی ہے یہ حالت اس کی دائمی کردی جاتی ہے بشریت کے اوصاف و شرائط فنا ہوجاتے ہیں صرف روح رہجاتی ہے پس اس وقت وہ اپنے قلب سے یہ پیام سنتا ہے۔ ارکض برجلک ہذا مغتسل بارد و شراب۔

(اپنے پاؤں سے زمین کو ٹھکرا دو تمہارے نہانے اور پینے کیلئے ٹھنڈا پانی حاضر ہے)

پھر وہ تمام نعمتیں جو اس کو پہلے حال میں ملی تھیں مع خلعت کے عنایت ہوتی ہیں اور حق سبحانہ تعالی اس کی تربیت خود فرماتا ہے

فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین

(کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک انکے لئے پوشیدہ رکھی ہوئی ہے)

ان دونوں آیتوں کا لطف حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں آتا ہے۔

(۲۲)

ماسوا اللہ کی محبت یا رجوع جو شخص اللہ تعالی کے سوا کسی کو چاہتا ہے یا اس کی جانب رجوع ہوتا ہے اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کو پہچانتا نہیں قوت ایمانی صبر کی کمی ہوتی ہے۔

جو شخص غیر اللہ سے رجوع نہیں ہوتا اس کی معرفت بلند ہے اور ہمت و قوت ایمانی و صبر بلند ہے اور اللہ تعالی سے زیادہ شرم کرتا ہے۔

(۲۳)

قبولیت یا عدم قبولیت دعا

رب العزت اگر اپنے بندہ کے کسی سوال کو پورا نہیں کرتا تو یہ از راہ شفقت ہے تاکہ بندہ غالب نہ آجائے اور نفس کی کمین میں پڑ کر آداب خدمت سے غافل نہ ہوجائے۔

(۲۴)

شناخت حالات ابتلا

جو ابتلائے عقوبت مقابلہ کے طور پر ہو اسکی علامت یہ ہے کہ بلا پر صبر نہ ہو گھبرائے خلق سے شکایت کرتا پھرے۔ یہ قہر الٰہی ہے۔

جو ابتلا گناہوں کے کفارہ اور کمی کیلئے ہوتا ہے اسکی علامت یہ ہے کہ صبر جمیل اطمینان طاعات میں مستعدی یہ رحم الٰہی ہے۔

جو ابتلا کہ درجات کی بلندی کے لئے ہو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دور ہونے تک خدا کے انہی حکموں سے خوشنودی موافقت نفس کی طمانیت حاصل ہوتی ہے یہ انعام الٰہی ہے۔

(۲۵)

فقر و غنا سے آزادی

جو آخرت چاہتا ہے اس کو دنیا کا زہد ہو جو اللہ کو چاہتا ہے اس کو عاقبت کا بھی اختیار نہ چاہیے جبتک بندہ کا دل خواہشات میں آلودہ رہیگا جیسا کہ حکومت دولت ریاست نکاح اولاد کی خواہش باقی رہیگی۔ اللہ تعالیٰ کے دروازے اس پر کبھی وا نہیں ہوتے۔

کل جہتوں سے زندہ بن جاؤ کسی کو بیش نظر رکھو تمامی توجہات اپنی توحید سے بنا کر دو اور ان کو اپنے یقین سے پھر اپنی فنا سے پھر لینے سے پھر اپنے علم سے مٹا دو تب اپنی چشم سرت سے خدا کو دیکھو گے جس کے بعد پھر فقر و غنا سے آزاد و ملبتر ہوجاؤ گے

(۲۶)

نفس کی زندگی و موت

جس قدر بندہ نفس کو مجاہدات کی تلوار سے ہلاک کرتا ہے اور اس پر غالب آنا چاہتا ہے رب العزت اس کو زندہ کرتا رہتا ہے وہ جسے جھگڑے

کا حرام و مباح خواہشوں اور لذتوں کا مطالبہ کریگا تم اس کے ساتھ پھر مجاہدہ اور مقابلہ کروگے، یہاں تک کہ تم جہاد میں فتحیاب ہو۔

سرور کائنات کا ارشاد ہے رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی جانب لوٹتے ہیں

ہر مومن اس پر مامور ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آئے اس پر غور کرے اس وقت تک کہ اس کی مباح و جائز ہونیکا اس کو یقین نہ ہو جائے مشتاق حرام و حلال کی پرواہ سے بے نیاز رہے

خاتمہ

میرے عزیز دوستو! اس کے مطالعہ سے کیا کوئی گرمی قلب میں محسوس ہوئی اگر ہوئی ہے تو پھر خدا کے لئے تم بھی معرفت سے بہرہ ور ہونیکی کوشش شروع کرو۔

خوب یاد رکھو دنیا اسی وقت زینت ہوگی جب اُسے دین کے زیور سے آراستہ کروگے۔ ورنہ دنیا اور دین دونوں سے محروم رہنا یقینی ہے۔

میں اور تم بلاشک آج اولیاء اللہ سے نہیں مگر ہم کو چاہئے کہ ہم ان سے محبت رکھیں حضرت عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ نے کیا خوب

فرمایا ہے،

وانا لنرجو کل خیر بحبھم وارجا لنا فیھم بتلک المحبة

ہم کو ان کی محبت سے ہر طرح کی بھلائی کی امید ہے کہ اسی محبت کے باعث ہم بھی ان میں داخل کرلئے جائیں۔

موت کا کوئی اعتبار نہیں ممکن ہے یہی سانس تمہارا آخری ہو، مہلت کو غنیمت سمجھو اور اللہ سے قربت ڈھونڈو۔

اچھا رخصت ہوتا ہوں

سید ظفر حسن علوی ابن سید احمد حسین علوی

ناظم دائرۃ الادب دھلی

سکنہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ۱۳ اپریل ۱۹۱۷ء یوم جمعہ

تندرستی کی بہترین باتوں کو بتانے والی لائق مطالعہ

طبی کتب

مصنفہ جناب ویدیا بھوشن پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دھارا لاہور

صرف نام اور قیمتیں لکھی جاتی ہیں مفصل حالات کیواسطے فہرست طبی مفت منگوائیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
کیا ہم لڑکا یا لڑکی اپنی مرضی پر پیدا		رسالہ غذا و صحت	۰۱۲ر	روشن گیان (علم الاخلاق) اردو	۱۲ر
کر سکتے ہیں (دوسرا ایڈیشن)	۰۲ر	کھشی روگ یعنی دق و سل	۰۲ر	〃 〃 ہندی	۱۲
رسالہ حفظ تقدم طاعون 〃	۰۷ر	نوے سال تندرست کیوں دکھیے	۰۱۴ر	رسالہ چیچک	۱۴ر
رسالہ گھر کا حکیم (چوتھا ایڈیشن)	۰۲ر	سورج کے قاصد کرم اور انکی حقیقت	۰۶ر	دانت و انکی امراض و علاج	عہ
کیا میں تندرست ہوں	۰۸ر	میرے ڈاکٹر جی نے مجھے معالجات		رسالہ ملیریا یعنی موسمی بخار	۰۵ر
رسالہ مسلہ (دوسرا ایڈیشن)	۰۱ر	دنیاداری کی تعلیم کیسے دی	۰۲ر	دیرج کے متعلق علمی و طبی تحقیقات	۱
سیر شملہ	۰۸ر	رسالہ سرعت	۰۵ر	ششرت کا ترجمہ حصہ اول	۰۸ر
رسالہ تعلیم و مریض 〃	۰۲ر	رسالہ آتشک (زیر طبع ہے)		گنج مجربات	عمہ
رسالہ زہروں کا علاج نمبر اول	۰۳ر	رسالہ سوزاک	۰۸ر	رسالہ کام و رتی شاستر	سہ
〃 〃 نمبر دوم	عہ	رسالہ مجربات حکمائے ہند نمبر اول	۰۱۰ر	شباب جاودانی	۱۴ر
رسالہ برہمی (دوسرا ایڈیشن)	۰ر	〃 〃 نمبر دوم	۰۷ر	رسالہ وضع حمل	۰۴ر
رسالہ دلچسپ طبی مضامین نمبر اول	۰۴ر	〃 〃 نمبر سوم	ہر	رسالہ میٹھی نیند و فلسفہ خواب	۰۱۲ر
رسالہ صحت کے دس اصول	۰۶ر	〃 〃 نمبر چہارم	ہر	ہپناٹزم یا ذاتی ترغیب	۰۶ر
ہدایت الموسم	۰۱۲ر	〃 〃 نمبر پنجم	زیر طبع	فزیالوجی یا علم افعال الاعضا	۰۸ر
پرورش اطفال	۰۱۴ر	رسالہ درد سر	۰۷ر	تحفہ سرما حصہ ۱	۰۲ر
رسالہ قبض	۰۱۰ر	رسالہ سیٹریا (اختناق الرحم)	۰۸ر	〃 حصہ ۲	۰۴ر

ملنے کا پتہ :- کارخانہ "امرت دھارا" لاہور

نوٹ۔ کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی تیار کردہ ۱۹۱۱ء کی کافوری جنتری خوبصورت اعلےٰ درجہ کے چکنے کاغذ پر چھپی ہے اور بلا قیمت و محصول ڈاک تقسیم ہوتی ہے اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ پر دس متفرق جگہ کے شریف لوگوں کے نام اور پورا پتہ لکھ کر بھیج دیجیے۔ جنتری بواپسی ڈاک آپ کی خدمت میں روانہ کر دی جائیگی

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی کان بہنے کی دوا

کان کا بہنا یعنے کان پک کر اسکے اندر سے مواد کا نکلنا۔ نیا ہو یا پرانا اس دوا کے استعمال سے فوراً ہی آرام ہو جاتا ہے۔ اس علاج میں چونکہ کان کو اندر سے دھو کر اس میں دوا ڈالنی پڑتی ہے اس لیے پچکاری کی بھی ضرورت ہوتی ہے قیمت فی شیشی (۴ر) چار آنہ۔
پچکاری کا پنج (۴ر) محصول ڈاک (۵ر)

ڈاکٹر برمن کا جوہر پیپرمنٹ

یہ غالباً سب ہی لوگ جانتے ہونگے کہ معمولی درد شکم میں جوہر پیپرمنٹ کو استعمال کرتے ہیں مگر بازار کے جوہر میں دوسری چیزیں ملی ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ پورا نفع نہیں کرتا ہے یہ پیپرمنٹ کا خالص جوہر جاپان کے ایک مشہور کارخانہ سے تیار کرا کے منگوایا گیا ہے اور اس لیے آدھے چاول کے برابر پان میں رکھ کر کھانے سے منہ کی بدبو پیٹ کے درد اور ریاح کو دور کر دیتا ہے کافور اور جوہر پیپرمنٹ برابر حصوں میں تیل میں ملانے سے اور وہ تیار شدہ تیل کنپٹی میں لگانے سے درد سر کو دور کرتا ہے ہتھیلی میں تھوڑا سا جوہر ملا کر درد کی جگہ مالش کرنے سے درد کو فوراً آرام ہو جاتا ہے قیمت فی شیشی ۶ر محصول ڈاک ایک سے چار تک ۵ر
ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایڈیٹر صاحب رسالہ [illegible] اسپیشل نمبر [illegible]
دہلی اپنے رسالہ [illegible] میں [illegible] ملک میں بہت سے اشتہاری طبیب [illegible] دوائیاں
[illegible]
[illegible] ڈاکٹر برمن صاحب [illegible]
[illegible]
رسالہ [illegible] ماہ فروری ۱۹۱۰ عیسوی [illegible]
[illegible] کان بہنے کی دوا [illegible]
[illegible] محصول ڈاک ۵ر
[illegible]

معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر- ایم - اے قاری (علیگ) خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

پبلشر محمد عباس حسین قاری — نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا — پرنٹر نواب علی

قیمت سالانہ ۔ے ر   مقام اشاعت نیا گاؤں - لکھنؤ   نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۵ ر

علمی - ادبی - اور اخلاقی کتابین

حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتابین

میلاد نامہ

اگر آپ نے اسے اب تک نہ دیکھا ہو تو جلد طلب فرمائیے رسول اللہ کا ذکر میلاد نامے مین جس شان سے لکھا گیا ہے دیسا کہین اور نہ ملیگا۔ کتاب آنحضرت کے بزرگون کے حالات سے شروع کی گئی ہے اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبائش سے قلمبند کرکے بچپن اور جوانی کے کل واقعات قلمبند کیے ہین پھر تتمہ مین رسالت سے لیکر وفات تک کی کیفیت ہے آخر مین حضور کے اخلاق عادات و لباس و طعام وغیرہ کا حال درج ہے حجم ۱۰ جزو قیمت عہ علاوہ محصول

سی پارۂ دل۔ اس کتاب مین خواجہ صاحب کے وہ تمام مضامین ہین جو آج تک ہندوستان کے مشہور رسالوں اور اخبارون مین چھپے ہین بعض مضامین نادر الوجود ہوگئے تھے اور زیادہ اخرفی قیمت دینے پر بھی دستیاب نہ ہوتے تھے ۱۹۱۱ء مین جو مجموعہ چھپا تھا وہ ناتمام تھا اس مین سب مضامین ہین جو اس تازہ مجموعہ مین ہین قیمت عہر علاوہ محصول

روزنامہ سفر حجاز و شام و مصر۔ خواجہ صاحب کے مشہور و معروف سفر کا تذکرہ جس مین آپ نے مقامات مذکورہ کے عجیب و غریب حالات تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے ہین

(تصویر سے) بلا تصویر عہ

کرشن بیتی۔ ہندوستان کے مشہور اوتار سری کرشن جی کی الفت آج تک اردو زبان مین کوئی اس قابل نہ تھی جس سے مسلمانون کو سری کرشن کا اصلی اور پورا حال معلوم ہوتا ہو موجود کی عکسی تصاویر جو صرف کثیر سے حاصل کرکے اس مین شامل کی گئین ہین۔ یہ باعتبار عبارت آرائی و باعتبار تحقیق حالات خواجہ صاحب کا یہ ایک شاندار کارنامہ ہے نہایت اعلی کاغذ پر خاص اہتمام سے چھپی ہو۔ قیمت عسار

انتخاب توحید۔ اخبار توحید میرٹھ کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے صرف پانچ مہینے جاری رہا مگر مقبولیت کی کیفیت تھی کہ ہندوستان کا کوئی گاؤن ایسا نہ تھا جو ناظرین سے خالی نہ تھا۔ یہی وہ اخبار ہے جس کا ایک مضمون کہو تکبیر کو ہندو مسلمانون نے بطور خود چھپوا کر تقسیم کیا۔ اخبار توحید کے چیف اڈیٹر خواجہ صاحب تھے یہ انتخاب اسی اخبار توحید کے مضامین کا ہے قیمت علاوہ محصول - عہ

الزہرا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قابل قدر سوانح عمری مولفہ جناب مولانا راشد الخیری صاحب دہلوی قیمت ۱۲

حقائق الاسلام۔ اسلام کے عقاید اور ارکان پر جتنے شکوک فی زمانہ وارد کیے جاسکتے ہین اُن سب کا نہایت معقول دلائل جواب عقائد اسلامیہ کو قلب مین راسخ اور ایمان کو مستحکم بنانے والی کتاب ہے مؤلفہ مفتی انوار الحق صاحب۔ ایم۔ اے (ملا فاضل) قیمت عہ

دیوان شبلی۔ یہ مولانا شبلی کی اول فارسی نظمون کا مجموعہ ہے جنھون نے ہندوستان کے قومی جلسون مین گلے بزرگون کی شان و شوکت کو یاد دلایا۔ ان نظمون مین اندلس اور بغداد کے خلفاے اسلام کے دار الحکومت کی شاندار تصاویر کھینچی گئی ہین۔ جن کے مطالعہ سے عہد رفتہ کی شاندار ترقیون کا پتہ چلتا ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ - عہ

ملنے کا پتہ منیجر تمدن بک ایجنسی - نیا گاؤن - لکھنؤ

فلسفہ تقدیر

مسئلہ جبر و اختیار

مشرق کا قدیم فلسفہ بہت آہستہ آہستہ مغربی دنیا میں پھیلتا جاتا ہے جن باتوں کو مشرقی دنیا میں بچہ بچہ جانتا ہے اُن کا نہایت اہم مسائل فلسفہ کی شکل اور مغربی لباس میں چربہ اُتارا جا رہا ہے۔

تقدیر کا مسئلہ کسی قدر پیچیدہ ہے لیکن ہندوستان اور علمائے ہند نے اسکو کیسی آسانی سے حل کرکے عام فہم بنا دیا ہے۔ بعض ممالک میں تقدیر یا قدر کے بالکل غلط معنے سمجھے گئے ہیں۔ تقدیر کی تعریف وہ مرضیٔ الٰہی کرتے ہیں اور اس کی نسبت چون و چرا کرنا سوچنا گناہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ قضیہ ختم کرنے کے لئے یہ کہدینا کافی ہے کہ خدا کی مرضی ہی ایسی ہے۔ اس میں کون دخل دے سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسا ماننے سے تمام مذاہب۔ تمام دین اور دھرم۔ زہد اتقا۔ عبادت اور ریاضت [illegible] پانی پھر جاتا ہے۔ نہ نیکی رہتی ہے [illegible] نہ اچھا [illegible]

کیونکہ جب انسان فعل کا مختار ہی نہین تو وہ ذمہ دار بھی نہیں۔ اور پھر جزا یا سزا کیسی لیکن
کسی انسان کا ضمیر بھی خواہ وہ کیسا ہی دُھندلا ہو۔ ہرگز یہ قبول نہیں کرسکتا۔ کہ جو فعل
اُس سے سرزد ہوا ہے اُس کا ذمہ وار وہ خود نہیں۔ اور اُس کے ارتکاب مین اس کے
ارادہ کا کچھ دخل نہ تھا۔ بلکہ کوئی غیبی طاقت تھی۔ یا شیطان تھا..............
جو اِس سے بطور ایک مشین کے اپنا کام لیکر غائب ہوگیا۔ آجکل ایک انگریزی تصنیف
ہمارے زیرِ مطالعہ ہے جس کا نام تقدیر کی ملکیت ہے۔ ہم چاہتے ہین کہ "تمدن" کے ناظرین
کو بھی اس لطف میں شریک کریں۔ جو ہمیں اسکے مطالعہ سے حاصل ہوا ہے بعض اسکو
مذہبی مسئلہ خیال کرینگے۔ لیکن ہمیں اس کا صرف فلسفیانہ پہلو مدِ نظر ہے کتاب کا مصنف
کوئی ہندو یا بدھ مذہب کا آدمی نہیں ہے۔ لیکن اسکے خیال کی رسائی کی داد دینی
پڑتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ہمیشہ پرالبدہ یا تقدیر پر لوگوں کا یقین چلا آتا ہے۔ یعنی کوئی
ایسی لازوال طاقت ہے۔ جو قوموں اور انسانوں کی حالتوں میں اپنی مرضی سے
ردّ و بدل کرتی رہتی ہے۔ اور یہ عقیدہ ہزارہا سال کے مشاہدات سے پیدا ہوا ہے
لوگ جانتے ہیں کہ بعض واقعات دنیا میں ایسے ہوتے ہیں۔ جن پر اُنکا قابو نہیں
ہے۔ مثلاً پیدا ہونا یا مرنا کسی کے اپنے اختیار سے باہر ہے۔ نہ یہ اختیار میں ہے کہ کہاں
اور کس جگہ پیدا ہو۔ اور نہ یہ قابو کی بات ہے کہ کب اور کس جگہ جان تن سے جدا ہو
بعض دفعہ انسان کسی حصول مقصد کے لئے اپنی تمام عقل اور طاقت خرچ کرتا ہے۔
لیکن کامیابی نہیں ہوتی۔ اور اُسے ماننا پڑتا ہے۔ کہ کوئی ایسی غیبی زبردست طاقت
ہے جو ہمیشہ اپنی مرضی پوری کرتی ہے۔ اور اس کی کوششوں پر ہنستی ہے جسقدر
انسان کی عمر بڑھتی جاتی ہے۔ وہ اس زبردست طاقت کا زیادہ معتقد ہوتا جاتا ہے۔
جس کو وہ آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ مگر اسکی بے انتہا شکتی (طاقت) کو محسوس
کرتا ہے۔ اور وہ اس کو مختلف ناموں سے قدرتِ الٰہی۔ مشیتِ ایزدی پرالبدہ
یا تقدیر کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ مگر اِسوچنے والے دماغ۔ شاعر اور فلاسفر گذشتہ
زمانے سے اس مخفی طاقت کے کاموں کو بڑے غور سے دیکھتے ہیں کہ وہ کسی کو اپنی

مہربانی سے نہال اور کسی کو اپنے عتاب سے پامال کرتی رہتی ہے۔ بلالحاظ قابلیت اور ناقابلیت کے شاعروں۔ اور ڈرامانویسوں نے اپنی تصنیفات میں اس اٹل طاقت کی تصویریں کھینچی ہیں۔ جس کو اُنھوں نے ہمیشہ نیچر میں کام کرتے دیکھا۔

عمر خیام نے ایک رباعی میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ خواہ تو کیسا ہی زاہد یا عابد ہے۔ مگر خط تقدیر کے ایک نقطہ کو مٹا نہیں سکتا۔ نہ تیرے آنسو اسکا ایک حرف دھندلا کر سکتے ہیں۔

غرضیکہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے انسانوں نے قدرت کی اس سب سے بڑی طاقت کا وہ مانا ہے۔ لیکن بخلاف اسکے تعجب یہ ہے کہ انسان کی فعل مختاری اور ذمہ داری کا بھی دنیا مستحکم یقین رکھتی ہے۔

تمام مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا منشا بجز اس کے کیا ہے کہ انسان اپنا رویہ بدلنے میں آزاد ہے۔ یا بالفاظ دیگر اپنی تقدیر بدلنے کا اُسے اختیار ہے اور جب کہ لاکھوں آدمی سچے عقیدہ سے ارکان مذاہب ادا کرتے ہیں۔ تو اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ انکو یقین کامل ہے کہ اپنی کوشش اور اپنی نیکیوں سے اپنی آیندہ حالت درست کرنے کے وہ مختار ہیں۔ لیکن ان دونوں حدود کے درمیان نقطہ اعتدال یہی ہے۔ جو فعل مختاری اور تقدیر کے رشتہ کو پیوستہ کرتی ہے۔ اور وہ سبب اور مسبب یا علت اور معلول کا قدرتی قانون ہے۔ انسان اپنے تئیں سلسلۂ اسباب میں جکڑا ہوا پاتا ہے اسکی زندگی سبب اور مسبب کا نتیجہ ہے۔ یعنی تخم ریزی اور فصل کاٹنے کا غیر متناہی سلسلہ جاری ہے۔ اس کا ہر فعل ایک سبب ہے۔ جس کا نتیجہ لازمی ہے۔ وہ سبب کو اختیار کرتا ہے۔ اور اسوقت وہ مختار ہے۔ لیکن وہ اسکے نتیجہ کو تبدیل کرنے یا پیدا نہ ہونے دینے میں قاصر ہے۔ پس فعل مختاری اسباب پیدا کرنے والی اور مسبب تقدیر ہے۔ یہ سچ ہے کہ انسان اپنا ہی بویا ہوا کاٹتا ہے جس نے خود اپنی خرابی کا بیج ڈالا ہے۔ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ انسان سے اپنے افعال عادتاً سرزد ہوتے ہیں۔ اور اپنے اچھے یا بُرے کیرکٹر کا وہ خود ذمہ وار نہیں ہے۔ لیکن اگر کیرکٹر اسکو

پیدائش کے ساتھ ملا ہوتا۔ تو اس پر کوئی اخلاقی ذمہ داری نہ تھی اور نہ پھر اخلاقی تعلیم و تربیت کی کچھ ضرورت تھی۔ لیکن کیرکٹر کسی فرد بشر کو بنا بنایا نہیں دیا جاتا کیرکٹر خود افعال حمیدہ کا ایک نتیجہ ہے۔ جو اس زندگی میں اسنے جمع کئے ہیں۔ پس انسان اپنی قسمت کا آپ ہی مالک ہے۔ جو کچھ اُسنے کیا اُسکا پھل بھوگتا ہے۔ اسکو اختیار ہے۔ کہ اچھے یا بُرے کام کرے۔ اور اُن کا نتیجہ اُٹھائے۔ اسکو اختیار ہے کہ بُرے کاموں کو چھوڑ دے اور اپنی تقدیر کو آئندہ کے لئے اچھا بنا لے۔ وہ چاہے تو اپنی آئندہ زندگیوں کے لئے خوش نصیبی۔ فارغ البالی۔ ناموری کی بنیاد ڈالے۔ یا مصیبتوں۔ بدنامیوں اور تکلیفوں کا ذخیرہ جمع کرے۔ کیرکٹر خود تقدیر ہے۔ کیونکہ وہ بہت سے افعال سابقہ کے نتیجہ کا نچوڑ ہے۔ اور وہ ان افعال کا نتیجہ اپنے درمیان رکھتا ہے۔ افعال کے نتائج بطور بیجوں کے کیرکٹر میں چھپے رہتے ہیں۔

پس جو واقعات انسان کو پیش آتے ہیں۔ جنکو وہ ناگہانی مصیبتیں خیال کرتا ہے جن سے بچنے میں وہ اپنے تئیں عاجز پاتا ہے۔ دوڑ دھوپ کرنے۔ چیخنے۔ چلانے۔ دعائیں مانگنے سے بھی اُسکا چھٹکارہ نہیں ہوتا۔ . . . .

وہ خود اُسی کے افعال تو ہیں۔ جو اب نتیجہ بن کر اُس کے سامنے آئے ہیں۔ یہ مصیبتیں اور راحتیں جو بغیر مانگے ہوئے اُس سے دوچار ہوئی ہیں۔ یہ اُن [illegible] کی گونج ہیں جو اس گنبد مینائی کے نیچے خود اُس نے کسی وقت میں نکالی تھیں۔ جب کسی شخص کو حقیقت کے اس راز پر آگہی ہو جائے۔ جو دنیا کی تمام [illegible] پر عمل کر رہا ہے۔ اور جو تمام انسانی معاملات میں کار [illegible] رہا ہے۔ تو نیک مرد انسان پھر کسی کو دشمن نہ سمجھے اور نہ کسی سے نفرت رکھے اور نہ حرف [illegible] زبان پر لائے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صرف اس کا کیا ہوا اُس کے سامنے آتا ہے۔ اور خواہ اُس کے کتنے ہی دشمن ہوں۔ لیکن وہ ان پر الزام نہیں لگائیگا۔

بلکہ صبر کے ساتھ اپنے اخلاقی قرضہ کو ادا کریگا۔ اس مسئلہ پر یقین کامل ہو جانے سے وہ آئندہ افعال قبیحہ سے محترز رہنے کی کوشش کریگا۔ جبکہ ایک طرف پچھلا تقابلہ بیباق

کر رہا ہوگا۔ آیندہ کے لئے اپنے حساب صاف رکھیگا۔ اور اس طرح سے گذشتہ گناہوں کا خاتمہ کرکے وہ آیندہ مصیبتوں کے آنے کے اسباب مہیا نہیں کریگا۔

کرم کا قانون

اب دیکھنا چاہیے کہ کرم کا قانون پرالبدہ اور کیرکٹر کے ذریعہ کس طرح عمل کرتا ہے۔ اول تو موجودہ زندگی کو دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ موجودہ زندگی تمام گذشتہ زندگیوں کا عطر ہے۔ جو کچھ انسان نے گذشتہ زندگیوں میں کیا یا سوچا ہے اس سب کا نتیجہ موجودہ زندگی میں اُس کے اندر موجود ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ بعض دفعہ نیک آدمی تکلیف اُٹھاتا ہے اور بُرا آدمی پھلتا پھولتا ہے۔ اور اس نظارہ نے بہت سے آدمیوں کو دہریہ بنا دیا ہے اور بہت لوگوں نے اس سے انکار کر دیا ہے کہ کوئی منصفانہ قانون قدرت کے اندر موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ چالاک اور دغا باز لوگ ہی کامیاب ہوتے ہیں لیکن نہیں اخلاقی قانون در اصل موجود ہے۔ اور وہ ایسی معمولی منطق سے رد نہیں ہوسکتا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان ایک تبدیل ہونے والی اور ترقی کرنے والی ہستی ہے نیک آدمی ہمیشہ نیک نہیں تھا۔ اور بُرا آدمی ہمیشہ سے بُرا نہیں تھا۔ خود اسی زندگی میں دیکھ لو کہ جو شخص آج نیک ہے کسی وقت میں ظالم تھا۔ جو اب مہربان ہے کسی وقت بے رحم بھی تھا۔ جو آج پاک ہے کبھی ناپاک بھی تھا۔ جو اب بیرحم ہے کبھی رحم دل بھی تھا۔ پس نیک آدمی جو آج تکلیف میں ہے۔ زمانہ گذشتہ کے کسی بُرے فعل کی سزا پا رہا ہے۔ اور زمانہ آیندہ میں وہ آجکل کی نیک افعال کا اجر پائیگا۔ اسی طرح بُرا آدمی اپنے سابقہ افعال نیک کا پھل بھگت رہا ہے۔ اور بعد میں موجودہ کرتوت کا مزہ چکھیگا۔ تمام خصائل دماغ کی پختہ عادتیں ہیں۔ جو کام بار بار کیا جائے۔ پھر اُس کے کرنے میں زیادہ توجہ یا ارادہ کا دخل نہیں ہوتا اور فاعل کی خاص کوشش کے بغیر خود بخود ہونے لگتا ہے گویا اُس کا نہ کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے فرض کرو کہ ایک غریب آدمی ہے جسے کوئی کام کرنے کو نہیں ملتا۔ وہ نہایت دیانتدار ہے۔ اندر کام کرنے سے بھی جی نہیں چُراتا۔ مگر کام نہیں ملتا۔ تو اس کا کیا سبب ہے

اسکی وجہ بجز اسکے نہیں ہوسکتی۔ کہ کسی وقت میں اُسے کثرت سے کام ملتا تھا اور کسے وبالِ جان معلوم ہوا۔ اور اُسکے دل میں کچھ نہ کرنے کی تمنا ہوئی اُس نے خیال کیا ہوگا کہ آرام سے بیٹھے رہنا اور ہاتھ پاؤں نہ ہلانے میں بڑا لطف ہے۔ اب اس کی وہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔ لیکن جس میوہ کو اُس نے شیریں خیال کیا تھا۔ وہ تلخ نکلا۔ کچھ نہ کرنے کی حالت اُسے میسر ہوگئی ہے۔ اور وہ اسی حال میں رہیگا جبتک اُسے کافی سبق نہ مل جائے۔ اور یقیناً وہ سبق حاصل کر رہا ہے کہ کاہلی ایک لعنت ہے کام کرنے ہی میں برکت ہے۔ بیکاری ذلت و خواری کا سبب ہو اس کی سابقہ آرزو نے اس کو موجودہ حال میں پہونچایا۔ اور اب اسکے کام کرنے کی زبردست خواہش آیندہ اس کے حق میں مفید ثابت ہوگی۔ اور وہ آیندہ کبھی بھی بیکار رہنے کی آرزو نہیں کریگا اس کی حالت بدل جائیگی۔ اس کو کام مل جائیگا۔ پس اگر وہ شخص علت و معلول کے قانون کو نہیں سمجھتا ہے تو بڑا حیران ہوگا۔ کہ اب کیوں بغیر طلب کئے اُسے کام کثرت سے ملتا ہے اور وہ لوگ جو کام کے متمنی ہیں۔ کیوں محروم رہتے ہیں۔ غرضیکہ بغیر کئے کچھ نہیں ملتا ہے۔ بغیر کسی شئے کی ہستی کے اسکا سایہ بھی نہیں ہوتا جو کچھ کسی فرد و بشر کو کو ملتا ہے۔ وہ اپنے ہی بوئے ہوئے میٹھے یا کڑوے پھل ہوتے ہیں۔ اس دنیا کا نام دار مکافات ہے۔ اچھے اور بُرے کاموں کا نتیجہ یہیں بھگتنا ہوتا ہے۔ جو جعلسازی یا فریب یا ظلم سے دولت حاصل کرتے ہیں۔ وہ آیندہ ذلت اور خواری و مفلسی میں زیست بسر کرینگے۔ اور غریب آمی جو اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ کسی کا حق غصب نہیں کرتا۔ آیندہ راحت اور عزت حاصل کرنا اُسکا حق ہے۔ ظالم اور بیرحم آیندہ زندگی میں بہت تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔

اور شریف اور رحمدل اس جگہ پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں ان کے ساتھ ہر طرف سے مہربانی اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ پس ہر ایک نیکی اور بدی کے ساتھ انعام اور سزا لازم وملزوم ہے۔ اب وہ وقت آنیوالا ہے۔ جب کہ سوشل ریفارمر اپنی پارٹیوں کو خوشی کر کے بڑھکر [illegible] پر متوجہ ہونگے۔ جس طرح کہ افراد جو کچھ بوتے ہیں کاٹتے ہیں۔ اسی طرح

قومیں کرم کے قانون سے باہر نہیں ہیں۔ قومیں وہی بڑی ہو جاتی ہیں۔ جن کے لیڈر زبردست کیرکٹر کے آدمی ہوتے ہیں اور جب لیڈر لائق نہیں رہتے تو اُس قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صاحب اختیار لوگ تمام قوم کے لئے ایک نمونہ ہوتے ہیں تمام قوموں کی ترقی کی بنیاد اُسکے افراد کی شرافت اور خصائل حمیدہ، مشقت پسندی اور عمدہ چلن پر منحصر ہے۔ فلاں قوم بڑی بلند اقبال ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اُس میں کثرت سے ایسے آدمی ہیں جن کے خیالات بلند۔ جن کی عادتیں عمدہ اور وہ بااصول لوگ ہیں۔ (ش۔ د)

زرّیں خیالات

سر والٹر اسکاٹ

(۱)

(۱) اُس قسمت کے مارے عاشق زار کو جسے فلک تفرقہ پرداز نے اپنے محبوب صادق سے ... آہ! ... جدا کرکے دائمی داغِ مفارقت دیا ہو کیونکر کل پڑے اور کس طرح چین آئے؟ کہاں جاکر رہے؟

(۲) کہاں؟ ... اُن سنسان گھنے جنگلوں میں جہاں صرف بادِ صرصر کا دن رات دَور دورا رہتا ہے؟ ہاں! ... وہاں ... جہاں نوخیز گلہائے نرگس سروِ بلند بالا کے نیچے آمدِ خزاں سے پہلے بن کھلے مرجھا جاتے ہیں؟

(۲)

"محبت" کیا جنگل و بیابان کیا امن آفریں دربار و گلستاں۔ کیا جنگی میدان۔ اور کیا نوع انسان بر فرشِ زمیں اور ملائک بر عرشِ بریں۔ سب پر (یکساں) حکومت کرتی ہے۔ کیونکہ خدا سے بالا و برتر سراپا محبت ہے اور محبت بذاتِ خود اُسی کی ایک شانِ واحد کا ظہور ہے!

ولیم کوپر:-

(۱)

(۱) اے غمگین حسرت پرست دل! اپنے آرام و اسباب طرب کو چھوڑ! تیرا ایک رفیق راحت جاں تجھسے جدا ہے! اور... آہ میری بیتابی دمبدم ترقی پذیر ہے!

(۲) اے خاطر مہجور! دیکھ شام کی تاریکی کسقدر سرعت پذیر ہے اور تیرے لئے... آہ! ظلمت فزا شب غم جسکا ختم ہونا محال نظر آتا ہے کس سرعت سے لحظہ بلحظہ نزدیک آ رہی ہے! کیونکہ وہ آفتاب عالمتاب جسکی روشنی سے نظارۂ قدرت درخشاں نظر آتا ہو اسوقت سایۂ مغرب میں گم ہو گیا ہے!

(۳) آہ! اب اُس نظارۂ راحت فزا کی ہوس عبث! خواہش بیکار! میری شمع زیست اسکے پہلے کہ پھر وہی خورشید پر نور نمودار ہو۔ بالکل بجھ جائیگی! (حضرت غالب فرما گئے ہیں ؎)

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک — کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

(۴) دل عشاق کو کبھی نہ تو آہ و زاری شب غم سے فرصت نصیب ہوئی نہ قرار بخش مسرت حاصل ہوئی ؎

یہ ماجرا ہی دنیائے عاشقی میں دنیا — کہ نامرادیہاں کامگار ہوتا ہے

(۲)

آہ! تو میرے دل کو شاد کر یا برباد لیکن مجھسے پہلے فیصلہ کرلے کہ اگر میرا آئینۂ دل شکستہ نہو تو اسے توڑ اور اسے شکستگی کا مزہ چکھا۔ اور پھر اگر تجھسے ہو سکے (تو اپنے اعجاز مسیحائی سے) اُسے جوڑ دے!

(۳)

(۱) آہ! اے قرار دل بیقرار! ای مہمان دلنواز! آ! اور از سر نو اس برباد چمن خانۂ شادمین اپنا چھوٹا سا آشیانہ بنا

(۲) مجھے نہ تو دولت و حشمت کی خواہش ہے نہ شوکت و عظمت کی ہوس۔ نہ میں عیش و طرب کا خواہشمند ہوں۔ اسلئے اے جان جہاں! تو مجھ سے جدا نہو!

(۴)

(۱) میری امید اگرچہ آفتاب کی اُس شعاع کے رقص کی صورت ہے جو موسم [illegible] سے گھرے ہوئے آسمان کی برف آلود زمین پر کبھی کبھی چمک جاتی ہے۔ اور غم و یاس کے منھ پر تھوڑے عرصہ کیلئے تبسم نما راحت و مسرت کی رونق پھیر دیتی ہے!

(۲) آہ! وہ عالم شادمانی چند لمحوں میں کافور ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی میری زیست کا خاتمہ کیونکہ اُس محبوب کی جدائی جسکے ساتھ میری محبت کی تمام اُمنگیں اور تمنائیں پیوستہ ہیں موت سے بدتر ہے اور نہ آنیوالی آرزوئے [illegible]

(ترجمہ انگریزی) — [illegible] مصور

لغت

لفظ (لغت) کے معنے کسی قوم کے وہ الفاظ اور اُن الفاظ کے وہ معانی ہیں جو اُس میں عام طور پر مستعمل اور مروج ہیں اور اصطلاح میں لغت سے وہ الفاظ مراد ہیں جنکے معانی شہرت پذیر نہ ہوں یا جنکا استعمال عموماً کم کیا جاتا ہو۔

اگرچہ کوئی زبان تحریری مجموعہ لغات کا نہ بھی رکھتی ہو پھر بھی اُسکا ایک مجموعہ لغات ہوتا ہے۔ لغات کی تکوین اُن الفاظ کے جمع کرنے سے ہوتی ہے جو کسی قوم میں بولے جاتے ہیں یا جن کے بولنے کا اُس قوم میں رواج ہوتا ہے ہر زبان میں تحریری رنگ میں لغات کا پایا جانا اُس زبان کی ترقی اور نشوونما کا گویا پہلا زینہ ہوتا ہے۔ جو زبان ایسے تحریری مجموعہ لغات سے خالی ہے وہ اگرچہ ایک زبان تو ہوتی ہے لیکن باعتبار تنظیم زبان اس میں ایک نقص ضرور رہیگا اگرچہ انسان بہت سے الفاظ زبانی بھی یاد رکھتا اور رکھ سکتا ہے مگر جب تک تحریر میں اُنھیں نہ لایا جائے تب تک اُن کا ضبط نہیں ہوسکتا یہی ضرورت تھی جسکی وجہ سے لغات لکھنے کی ضرورت کا وقتاً فوقتاً احساس ہوتا رہا۔

لغت سے کیا مراد ہے۔

(الف) الفاظ کا وہ منتشر ذخیرہ جو کسی زبان میں بولے جاتے ہیں۔

(ب) الفاظ کا وہ مجموعہ جسے ایک قوم اپنی زبان میں سے سمجھکر بولتی ہے۔

(ج) الفاظ کا وہ ذخیرہ جس کے معانی ایک یا کئی زبان میں تسلیم کئے جاتے ہیں یا جن کے معانی پر استعمالی رنگ میں کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔

(د) (معانی)

لغوی وہ معانی ہیں جو الفاظ کا وہی مطلب اور وہی مفہوم رکھتے ہیں جو ایک سادہ یا ذاتی رنگ میں اُن سے مخصوص ہیں۔

اصطلاحی معانی سے وہ معنے مراد ہیں جو بعض علمی اور ادبی اعتبارات اور اغراض کی وجہ سے قرار دے لیے جاتے ہیں۔

لغات میں عموماً وہی معانی درج ہوتے ہیں جو عام طور پر ایک لفظ سے منسوب ہیں کبھی کبھی لغات میں وہ معانی بھی درج کیے جاتے ہیں جو خاص طور پر کسی لفظ سے اعتباری رنگ میں خاص کیے جاتے ہیں۔

معانی کا بیان کرنا اور لکھنا ہی ایک لغات نویس کے ذمہ ہمت پر نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ بھی کہ ایسے الفاظ کا تلفظ کس طرح کیا جاتا ہے۔ پیش سے، زیر سے، زبر سے، یا جزم سے وغیرہ وغیرہ اور کبھی کبھی وہ تلفظات بھی دکھائے جاتے ہیں۔ جو اہل زبان میں مختلف فیہ ہوتے ہیں اس مقصد پر جداگانہ کتابیں بھی لکھی جاتی ہیں مگر بعض لغات میں بھی ان کا ایک بڑی حد تک بیان ہوتا ہے اور جو لغت یا لغت نویس اس مقصد پر توجہ نہیں کرتا وہ اپنے لغت کو غیر مکمل رکھتا ہے ایسا لغت غیر مکمل ہوتا ہے۔

بعض لغات میں مذکر اور مؤنث کی بحث بھی کی جاتی ہے۔ لیکن اس بحث کے لئے بعض زبانوں میں جداگانہ راستہ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ مقصد اور یہ بحث بجائے خود ایک خصوصیت اور طوالت چاہتی ہے اور صرف لغات یا سادہ لغات اسکے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اور بخصوص اُن لغات نویسوں کے واسطے یہ مرحلہ نہایت ہی تکلیف دہ ہے جو کسی ایسی زبان کا لغات لکھتے ہیں جو السنہ غیر کی بھی ایک بڑی حد تک محتاج ہے۔ جسکا اپنا یا ذاتی سرمایہ کم ہے زبان اُردو اور انگریزی کی بحث مذکر اور مؤنث ایک تکلیف دہ اور ایک ژولیدہ بحث ہے۔

فارسی، عربی، بھاشا سنسکرت الفاظ اپنی زبانوں میں کسی اور طرح بولے جاتے ہیں اور اُردو میں آکر اُن کی تذکیر اور تانیث کا کچھ اور رنگ ہوجاتا ہے جس رنگ میں فرنچ لیٹن کے الفاظ اپنے اندرونی احاطہ میں بولے جاتے ہیں وہ نقشہ انگریزی زبان میں آکر باقی نہیں رہتا عموماً جب کسی ایک زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ منتقل

ہوتے ہیں یا رواج پاتے ہیں۔ تو اکثر اُن کا تلفظ اور اُنکی تذکیر اور تانیث اپنے اصلی رنگ میں باقی نہیں رہتی۔ عموماً وہ رنگ قبول کرتی ہے جو منتقل الیہ یا غاصب زبان رکھتی ہے اُردو زبان میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں کہ جو عربی فارسی ہندی اور انگریزی میں کوئی اور رنگ رکھتے ہیں اور اُردو میں منتقل ہو کر اُنکا تلفظ اور تذکیر و تانیث کا کچھ اور نقشہ ہو جاتا ہے۔

لغت کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) لغات رسمیہ۔

(ب) لغات اصطلاحیہ۔

(ج) لغات تاریخیہ۔

لغات رسمیہ تو وہ لغات ہیں جن میں وہی معانی لکھے اور بتائے جاتے ہیں جو سادہ اور ذاتی طور پر کسی ایک لفظ سے مختص یا منسوب ہیں جیسے کہ ہر ایک زبان میں عام لغات ہوتے ہیں۔

لغات اصطلاحیہ وہ لغات ہیں۔جن میں وہ معانی لکھے اور بتائے جاتے ہیں جو چند اصطلاحات اور چند مسلمات کے تحت گھڑ لئے گئے ہیں یا یہ کہ جن کے خاص معانی چند یا بعض اغراض کے تحت قرار دیئے گئے ہیں شلاً۔علم، فن، فلسفہ، حکمت، نظر، تنقید، تقریظ، بحث، مناظرہ، مشاہدہ، کون، فساد، مذہب، دین، تحقیق، تفتیش، تدقیق، خفیفت، صوفی، مراتبہ، مجاہدہ، اور معانقہ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے تمام الفاظ لغوی معانی تو کچھ اور رکھتے ہیں اور اصطلاحی کچھ اور۔ لغوی معانی معانی مصطلحہ کے حامل نہیں ہوتے۔لیکن مصطلحہ معانی ایک حد تک معانی لغوی کے حامل ہوتے ہیں کیونکہ اصطلاحی وہ معانی ہوتے ہیں جو ایک خاص رنگ اور ایک خاص بحث کے لئے تکلفاً گھڑ لئے جاتے ہیں یا یہ کہ لغوی معانی کی جو ایک تعبیر اور تاویل کی جاتی ہے اس سے مراد ہے اور جو بحالات ضرورت ضروری ہوتی ہے۔

کیونکہ محض لغوی معانی سے کام نہیں چلتا یا محض لغوی معانی وہ بات پوری نہیں کر سکتے جو ایک غور کرنے یا ایک بحث کرنے والے کے واسطے باعتبار اپنے مقاصد اعلیٰ یا مقاصد خاصّہ یا اغراضِ علمیّہ کے مہیّا ہونے چاہیئے۔

لغات تاریخیّہ وہ لغات ہیں جن میں ایک بحث طلب لفظ کی تاریخ حقیقت اور کیفیت بھی بتائی جاتی ہے مثلاً جب لفظ فلسفہ کی بحث چھڑتی ہے تو اسکا لغات نویس بتاتا ہے کہ یہ لفظ فیلا اور سوف سے بنتا ہے فلسفہ کیا ہے اور کب سے اور کہاں پر اسکی بنیاد پڑی اور کون کون اس میں شہرت پذیر ہیں اور ایک قوم کا فلسفہ دوسری قوم کے فلسفہ سے کیا کچھ نسبت رکھتا ہے۔

تار اور ٹرین کے معانی بتاتے ہوئے اسکا فرض ہے کہ یہ بھی بتائے کہ ان کا بانی کون تھا اور کب ان کی بنیاد پڑی اور اُن کے جاری ہونے پر کیا کچھ وقوعات ہوئے برق کے معانی لکھنے کے وقت علمی رنگ میں جتانا پڑے گا برق کیا ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے اور دنیا کے بعض مدبّر دن اور سائنس دانوں نے اس سے کیا کچھ کام لیا اور اُن کاموں سے دنیا والوں کو کیا کچھ فائدہ ہوا۔

طب کا لفظ کیا معنے رکھتا ہے اور اُس سے کیا کچھ مراد ہے اور کیونکر انسان اس سے واقف ہوا اور اس کا شروع کہاں سے اور کب ہوا وغیرہ وغیرہ۔

گیس، ہیڈ ور دجن، اور نیٹ سوجن، کیا ہیں اور اُن کی حقیقت کیا ہے اور کس شخص نے اور کس زمانہ میں انھیں دریافت کیا۔

فلسفۂ انفرادی اور اجتماعی کیا ہے اور کون کون لوگ اور کس کس زمانہ میں اسکے اندر شہرت اور کمال رکھتے تھے۔

شعر کیا ہے اور کس زمانہ میں اور کیونکر شعر بازی شروع ہوئی اور صحیح معنوں میں کون شاعر ہو سکتا ہے شاعر کون ہے اور متشعر کون۔

تاریخ کیا ہے اور کب سے دنیا میں نکلی اور شروع ہوئی۔

بڑے بڑے شہر دنیا میں کہاں کہاں واقع ہیں اور کب اُنکی بنیاد پڑی اسیطرح

بڑے بڑے لوگوں کی بابت بھی اِس قسم کی بحثیں تاریخی لغات میں کی جاتی ہیں بالفاظ دیگر تاریخی لغات کیا ہے ایک دائرۃ المعارف یا ان سائیکلوپیڈیا۔ ان سائیکلوپیڈیا در اصل ایک لغت ہی ہے۔

رسمی لغات میں تین قسم کے الفاظ درج ہوتے ہیں۔

(۱) جو عام بول چال میں آتے ہیں۔

(۲) جو خواص کی بول چال میں آتے ہیں۔

(۳) جو تصانیف اور تالیفات میں لائے جاتے ہیں۔

تیسری قسم کے الفاظ سے عموماً وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو انھیں تصانیف اور تالیفات میں لاتے ہیں اور بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جن سے استعمالی رنگ میں بعض مصنفین اور مولفین بھی کم واقفیت رکھتے ہیں۔ ایسے الفاظ عموماً منغلق اور سنگین الفاظ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ جب ایک سیاست داں یا ایک فلاسفر یا ایک حکیم ایک نصاب سیاست یا ایک قانون فلسفہ اور قانون حکمت وضع کرتا ہے تو اُسے اپنے بیان یا ایسے ضابطہ کے واسطے اُن ہی معانی عام کے مقابلہ میں اُن اسلئے معانی کی ضرورت پڑتی ہے جو لغات رسمیہ میں درج نہیں ہوتے چونکہ ایسے رسمی معانی بوسعت کام نہیں دے سکتے ناچار اُسے وہی رسمی معانی ایک حد تک مدنظر رکھکر انھیں ایک خاص رنگ میں لیجانا پڑتا ہے اور اسی تاویل اور تعبیر سے وہ اپنا کام نکالنے میں کامیابی خیال کرتا ہے۔ اور اس طریق عمل سے اُسکا کام بہت کچھ یا ایک سہولت کے ساتھ نکل بھی جاتا ہے۔

جسقدر ایسے اصطلاحی معانی بعض رسمی معانی کے بالمقابل وضع کئے گئے ہیں اُنکے مقابلہ سے پتہ لگ سکتا ہے کہ رسمی معانی یا محض لغوی مقصودہ باتیں نہیں پوری کر سکتے تھے جو اصطلاحی معانی کی بدولت نکلتی ہیں۔ اصطلاحی معانی میں باعتبار مقاصد زیر بحث کے ایک کافی وسعت ہوتی ہے اور رسمی معانی میں یہ بات نہیں ہوتی رسمی معانی صرف عام بول چال اور عام کاروبار زندگی کا ہی کام دے سکتے ہیں

مراحل علمی میں اُن سے عموماً کام نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اُن میں وہ وسعت نہیں ہوتی جو علمی رنگ میں ضروری ہوتی ہے علمی رنگ میں اُن سے بعض اغراض کی تابع توڑ پھوڑ کر کام لینا پڑتا ہے اور معمولی کاروبار میں ایسی باتیں عموماً نظر انداز کیجاتی ہیں مثلاً جب ہم لفظ۔

تنقید، نظر، تحقیق اور تفتیش عام کاروباری زندگی میں بولیں گے تو اُن کی بابت مزید بحث اور اسکی تفصیل کی ضرورت نہیں پڑے گی بعض وقت تو یہ خیال بھی نہ رہیگا کہ کون کون سے لفظ بولے گئے ہیں لیکن جب علمی پہلو مدنظر رکھکر ایسے الفاظ اطلاق پذیر ہونگے تو اسوقت کچھ اور ہی کیفیت ہوگی۔

جب زید بکر کو عام کاروبار میں یہ کہے گا کہ ادھر نظر کرو تو اس کا مفہوم محض ایک معمولی مفہوم ہوگا۔ لیکن جب وہ علمی رنگ مین نظر کا لفظ اطلاق کریگا تو اُس مین ایک ایسی وسعت پیدا ہو جائیگی کہ اِس لفظ (نظر) پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی جا سکتی ہے اور جب نظر اور تنقید کا فرق جتایا جائیگا تو بحث کا کچھ اور ہی رنگ ہو جائیگا لوگ دن مین سَو دفعہ لفظ تحقیق اور تفتیش بولتے ہیں لیکن جب یہی دو لفظ عدالتوں کے کمروں میں بولے جاتے ہیں تو اُن کی وسعت کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔ پولیس والے کبھی تحقیق کا لفظ رپورٹ یا چٹھوں میں نہیں لکھیں گے تفتیش ہی لکھیں گے۔

ایک مجسٹریٹ جب کوئی استغاثہ زیر دفعہ ۲۰۲ ضابطۂ فوجداری کسی دوسرے کے پاس بھیجے گا تو ہمیشہ لفظ تفتیش ہی لکھے گا اسی طرح تصور اور تصدیق کے الفاظ عام کاروباری زندگی میں کچھ اور مفہوم رکھتے ہیں اور جب منطق اور فلسفہ و حکمت میں انکا اطلاق ہوتا ہے تو کچھ اور معنے ہو جاتے ہیں اور تصور و تصدیق کی بحثوں پر لکھنے والوں نے صدہا صفحے لکھ ڈالے ہیں۔

جزئی اور کلی دو سادے سے لفظ ہیں اور عام کاروباری زندگی میں اُنکا اطلاق ہمیشہ سادہ طور پر ہی ہوتا رہتا ہے لیکن جب انکی بحث منطق مین ہوتی ہے تو اُن کا رنگ اور وسعت کچھ اور ہی ہو جاتی ہے اسی تعریف اور وسعت کی دو ایسے لفظ ہیں کہ تمام معمولات

میں اُنکا اطلاق معمولاً ہوتا ہے لیکن جب فلسفہ میں ان کی بحث چھڑتی ہے تو یہی دونوں فلسفہ کا شروع اور فلسفہ کی روح رواں ثابت ہوتے ہیں۔

رات دن۔ انسان۔ سو دفعہ لفظ انسان بولتا ہے لیکن جب علمی پہلو سے یہ لفظ زیر بحث آتا ہے تو اسکی تشریح کے واسطے بڑی بڑی کتابوں اور ملفوظات کی ضرورت پڑتی ہے حافظہ ہر شخص رکھتا ہے اور روز اس سے کم و بیش کام بھی پڑتا ہے لیکن جب علمی پیرایہ میں حافظہ کی بحث ہوتی ہے تو علم سائکولوجی کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ ہر گھڑی ہم کسی نہ کسی خیال میں مصروف رہتے ہیں اور ہر گھڑی خیال کا ذکر آتا ہے لیکن جب علمی رنگ میں خیال پر روشنی پڑتی ہے تو کچھ اور ہی سماں نظر آتا ہے روز دل اور ضمیر کا ذکر ہوتا ہے اور ہمیں ان الفاظ کے اطلاق سے کچھ بھی تعجب نہیں ہوتا اور نہ کوئی مشکل پڑتی ہے۔ لیکن جب علمی رنگ میں دل اور ضمیر کی بحث کرتے ہیں تو اُن مشکلات میں پھنس جاتے ہیں کہ جنکا اکثر حصہ اب تک بھی حل نہیں ہوا ہے۔

جسطرح انسان ظاہری اور باطنی کیفیت رکھتا ہے اسی طرح الفاظ کی بھی دو شکلیں ہوتی ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری حالت سے ایک کاروباری حالت مقصود ہے اور باطن سے ایک علمی کیفیت جسطرح انسان خود ترقی کرتا جاتا ہے اُسی طرح اُسکے تحت اور اکات الفاظ نے بھی رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔

وہی زبان ترقی یافتہ یا علمی کہی جا سکتی ہے جس میں اس قسم کے الفاظ کا ذخیرہ وافی اور کافی ہو اور ضرورت پر مانگ تانگ کی نوبت نہ آوے اور علمی رنگ میں کساد بازاری نہ ہو۔

اصطلاحات

اصطلاحات ہمیشہ ادلتی بدلتی اور بنتی رہتی ہیں۔ کیونکہ جوں جوں زبان کے نئے نئے مقاصد اور نئی نئی ضروریات نشو ونما پاتی ہیں ووں ووں مرادی معانی کی بھی ضرورت پڑتی ہے اصطلاحات کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) مفردہ
(ب) مرکبہ

بعض دفعہ ایک مفرد لفظ ہی ایک اصطلاح کا کام دیجاتا ہے۔ جیسے لفظ اُو تنقید اور بعض دفعہ کسی مزید تنقید کی ضرورت پڑتی ہے جیسے علم النفس علم القوسے وغیرہ وغیرہ۔

جس طرح الفاظ ترک ہوتے رہتے ہیں اسی طرح اصطلاحات بھی متروک ہوتی ہیں کیونکہ حقائق اور کیفیات کی بابت ہمیشہ ایک نئے رنگ سے بحث ہوتی ہے اور اس صورت میں ضرورت ہے کہ اصطلاحات میں بھی تبدیلی کی جائے اور وہ نیا پہلو اختیار کیا جائے جو زیادہ تر روشن اور مفید ہو۔

اصطلاح کیا ہے ایک خلاصہ بعض قرار یافتہ صور مطالب اور اغراض کا یا ایک خوش آیند عنوان یا ایک مختصر سا دیباچہ ہی اصطلاح روشن اور مفید ہوتی ہے جو اپنے اندر ایک علمی بحث کے بجائے نمونہ ایک جامعیت اور وضاحت رکھتی ہو۔ نئی اصطلاحات کا بنانا اگرچہ گونہ مشکل رکھتا ہے مگر جب کسی زبان میں علمی مطالب بیان ہوتے ہیں تو اصطلاحات یا تو خود وضع کی جاتی ہیں اور یا دوسری زبانوں سے لی جاتی ہیں۔ دونوں صورتوں میں بہ علمی پہلو ترقی پذیر ہوتی ہیں۔

مرزا سلطان احمد

"مراد عشق"

گلا بیٹھا ہوا، خدمت اذاں کی، وہ بھی کعبہ میں
بھلے کو میں دبالا یا تھا ناقوس برہمن کو

حکومت و سطوت کی عجوبہ آفریں دنیا میں ایک نہیں بلکہ ہزارہا پُرمسرت قصے اور بیشمار تمنا خیز واقعے ابتدائے آفرینش سے عہد حاضرہ تک بروئے کار آتے رہے ہیں اور عدل وستم نے اپنی اپنی جگہ نئے نئے بوقلموں جلوے پھنکر صاحبانِ ذوق کو حیرت و استعجاب میں ہمیشہ غرق و محو رکھا ہے۔ جمہوری دور قریب قریب ایسی جاذب نظر دلچسپیوں سے معرا نظر آتا ہے یا یوں کہو کہ عہد ماضیہ نے اس نوعیت کی دلکشیوں اور شیریں کاریوں کو بصد قدر و اعزاز مثل گلہائے شاداب ایک حد تک چن چن کر اپنے دامن میں رکھ لیا ہے اور کوئی بدلیت طراز اور جدت نواز دلچسپی اور نازآگیں فرحت جو طبائع کے لئے کسی خصوصیت و امتیاز کے ساتھ صفحہ دہر پر باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔ بغداد و قرطبہ کے دنیا کو جگمگا دینے والے پُرنور اور جلیل الشان دربار ملک شاہ و سلیمان اعظم کی حیرت انگیز اور بدیع المثال شوکت آرائیاں۔ غزنی و بخارا کی تحیر فزا اور خرد پرور عہد اکبر، شاہجہاں و عالمگیری کی ضیا بار اور عظمت خیز گھڑیاں اپنے اندر کچھ ایسی کشش مخفی اور شانِ دل آرائی و رنگینی نہاں رکھتی تھیں جس نے ہمیشہ پرمذاق قلوب کو سینوں سے کھینچا اور شوق و شغف سے مالامال کر دیا۔ عظمت مآب و رجبروت پناہ ہستیاں ادنیٰ ترین حرکات و سکنات سے بھی مخلوق کے دل و دماغ کو متاثر و متحیر کرتی رہی ہیں اور اُن کی معمولی اور غیر قابل التفات باتیں بھی دلچسپی و دلآویزی سے کبھی خالی نہیں پائی گئیں دربار [illegible] جبار اولیں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد مسعود و میموں کا ایک انتہائی دل پسند و دل[illegible] تذکرہ محبت" آج ہم ان صفحات پر ثبت کر کے قدر فرمایانِ محبت کے لئے ایک جدید سامان [illegible] مہیا کرتے ہیں جسکے مرقع رنگیں میں عشق و محبت کی ایسی

غرابت انگیز اور عجیب النوع نگاریں تصاویر نظر آئینگی جو ارباب نظر کی دائمی مسرتوں اور شادکامیوں میں معتدبہ اضافہ کرسکینگی ؎

مریض عشق کو کچھ ہوش وقت واپسیں آیا
ذرا آنکھ اُس نے کھولی جب سنا کوئی حسیں آیا

ایک روز دمشق میں دربار خلافت لگا ہوا تھا۔ اور امیر معاویہ سریر عظمت پر بیٹھے ہوئے امور جہانبانی انجام دے رہے تھے کہ دور سے ایک پریشاں اور آشفتہ صورت عرب افتاں وخیزاں آتا ہوا معلوم ہوا جسکی حالت گہوارۂ اضطراب بنی ہوئی سوز دلی اور التہاب قلبی کا پرحسرت نقشہ پیش کر رہی تھی۔ اور اندرونی کرب والم کوائف اضطراری بن بن کر اُسکے اضمحلال پرور چہرہ کا رنگ متغیر کئے دیتے تھے مصیبت وفلاکت نے خلشِ نہاں سے اعانت یاب ہوکر روح تک کو افسردہ و بےحال کر دیا تھا۔ یاس ونومیدی کی ہوائیاں اُسکی حسرت وحسیات سے کھیل رہی تھیں۔ جب یہ سوختہ جاں دربار میں حاضر ہوا تو امیر نے اُسکو مصائب زدہ خیال کرکے استفسار حال کیا۔ اور اضطراب وخلش کا سبب پوچھا۔

عرب نے انتہائی ضبط وقرار سے جواب دیا کہ ؎

نہ پوچھو کچھ مصیبت دردمندانِ محبت کی
خدا پر خوب روشن ہو کہ جس مشکل سے کٹتی ہے

مزید توضیح وصراحت سے اس نے اپنا حالِ حسرت انگیز اس طرح بیان کیا کہ اے امیرالمومنین مجھپر سخت ظلم ہوا ہے مروان بن حکم نے اس درجہ مجھکو رنج پہونچایا ہے اور ایسی ستمگری سے میری حسرتوں کو پامال کیا ہے کہ اگر وہ مجھکو ہلاک بھی کرڈالتا تب بھی اس جور وتعدی سے اسکا کردار ظلم ضمیر منتہا و زنہ کہلایا جاسکتا۔ جو مجھپر روا رکھی گئی ہے۔ اُس نے میری پریکا حور تمثال محبوبہ بیوی کو جبر و زور مجھ سے چھین لیا۔ میرا صبر وقرار جاتا رہا عیش وآرام لٹ گئے۔ میں تباہ وبرباد ہوگیا۔ یہ کہتا جاتا تھا اور اس اندوہ الم سے آنسو بہاتا تھا کہ امیر کے سینے میں ایک آگ سی لگ اٹھی اور کہا کہ یا اخی یا اعرابی صبر کرو اور سنبھلو اور اپنی تفصیلی
[illegible] نے اس طرح سارا [illegible]

شروع کیا کہ یا امیرالمومنین میری ایک محبوبہ اور جاں نثار بیوی تھی۔ جسپر میں ہزار جان سے والہ و شیدا تھا۔ اُسکے عارضِ جان پرور کی ضیا میری حیات میں شگفتگی و شادابی پیدا کیا کرتی تھی اُسکی شیریں ادائی اور نازنینانہ محشر خرامی نے مجھے متوالا و دیوانہ بنا دیا تھا۔ اسکے نازپیکر عشووں اور روح افزا اندازوں نے میری زندگی کو چمن زار انبساط بنا رکھا تھا۔ اسکے حسن کی آب و تاب نے دلاویزی و دلستانی کے قیامت خیز جلوے دکھاکر میرے دل و دماغ کو مسحور کر لیا تھا۔ میری تمام مسرتیں اُسکے دم سے وابستہ تھیں۔ ہماری زندگی نہایت لطف و عافیت سے گذرتی تھی اتفاقاً میری ہاتھوں کی باگ قدرت نے میری قسمت کے ہاتھ میں دیدی۔ تقدیر نے پلٹا کھایا۔ عسر و افلاس نے اسقدر ستایا کہ تمام اثاث البیت جاتا رہا۔ یار دوست خویش و اقارب نے روگردانی کرلی جنکو میری صحبت سے لطف حاصل ہوتا تھا اب وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے۔ جور افلاک نے یہاں تک کیا کہ میری فانوسِ زندگی کی روشن و سرور انگیز شمع کو پردہ جدائی میں مستور کردیا اور اسکا باپ زبردستی میری فلاکت و عسرت دیکھکر اپنی مہ جبین بیٹی کو لیگیا اور یکایک وہ ضوفشاں چراغ جسکی حیات بخش روشنی ایک مدت تک مجکو زندگی اور نشاط پہونچاتی رہی تھی میری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ میں بدلِ پرغم و باآہِ سرد جہاں پناہ کے نائب مروان کے دربار میں فریاد سنج بخت ہوا میرے طلبید خسر نے قطعاً میری وابستگی و شناسائی سے انکار کیا میری التجا و استدعا پر صحت و شہرت کے لئے وہ نیر تابانِ جمال حکماً طلب ہوا۔ جیسے ہی کرۂ عدالت میں یہ شعلۂ حسن چمکا خود مروان کے ہوش و حواس پر برقِ جمال چمک کر گری اور وہ اپنا دل و ایمان اُس ملکۂ صبرسوز پر کھو بیٹھا۔ مگا مجھکو محبوس کرکے جیل میں ڈالدیا گیا۔ اور میری اُمیدوں کا آفتاب سیاہ ہوکر رہگیا ؎

جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی
جو سہارا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا

مروان کے ایک ہزار دینار اور دس ہزار درہم دینے کے وعدہ پر میرے خسر نے اپنی جادو نظر بیٹی کو اُسکے حوالے کردینا منظور کرلیا۔ بعد ادائیگی زر۔ اقتدیہ برگشتہ نصیب پھر بلایا گیا۔ اور مروان نے انتہائی غضب ناکی سے حکم دیا کہ سیدہ کو فوری طلاق دو [illegible] سے

اور پروانہ شمع سے مفارقت گوارا کر سکتا ہے۔ میں نے انکار کیا۔ آن کی آن میں حکم آیا کہ سپاہیوں کا گروہ میری عقوبت پر متعین ہوا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچا کر جبرًا مجھسے طلاق حاصل کر لیگئی تا انقضائے میعاد عدت میں قید رکھا گیا۔ زاں بعد مروان نے نکاح کر لیا اور مجھکو تڑپنے کیلئے آزادی ملگئی ؎

اگر دُکھ ہوں زمانہ بھر کے آزادی سے اُٹھ جائیں
غم فرقت اُٹھا سکتی ہے کیونکر طبع انسانی

یہ کہا اور دفور اضطراب سے بیتاب ہو کر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ حواس درست ہوئے تھے کہ ماہی بے آب کی طرح درد فرقت سے بیقرار فرش پر تڑپنے لگا۔ امیر نے تسلی دی اور ایک غیظ آلود تہدیدی خط مروان کو تحریر کیا اور لکھدیا کہ اگر حور وش سعیدہ کو یکدم طلاق دیکر قسیط ونصر کی معیت میں ہماری طرف نہ بھیجا گیا تو تیرے جسم کا گوشت پارہ پارہ کرا کے چیل کووں کو کھلاؤں گا۔ مروان یہ خط پڑھکر رو دیا اور سعیدہ کو مجبورًا اضطراب والم کے ساتھ روانہ کر دیا اور تحریر کیا کہ اے امیر المؤمنین عجلت کاری نہ کریں آفتاب عالمتاب طلعت ریزیاں کرتا اور اپنے بلاخیز حسن سے دنیا کو نقش حیرت بناتا ہوا آپ کی پاس پہونچتا ہے بے نقاب حاضر ہونے پر راز حسن معلوم ہوگا۔ گو میں اسکی عالم آشوب اداؤں سے بیخود و وارفتہ ہو گیا تھا مگر تا اینندم میرا دامن گلہائے وصال سے بری رہا۔ اگر آپ بھی اسکو دیکھ پائیں گے تو یقین ہے کہ دل ہزاروں حسرت اندوز آرزوؤں کا مسکن و دامن ہوجائیگا۔ اس لازوال تمثیل حسن کا ثانی اغلب ہے کہ جب وائس میں منظر آئے جب خط ... پاس پہونچا اور وہ قیامت کا عالم دربار خلافت میں حاضر ہوئی۔ تو تمام دربار اسی جمال افروز کی کرنوں سے جگمگا اٹھا۔ امیر دنگ رہ گیا اُسنے اس آن و ادا کے حسین صحیفہ فطرت کا اس سے قبل کبھی مشاہدہ نہ کیا تھا حسن وجمال خط وخال اور ناز و نزاکت میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ فصاحت و شیریں نوائی میں جواب نہ تھا۔ ملائک فریب اور نزاکت بار حسن کو شباب کی متوالی آب و تاب نے اور چمکا دیا تھا۔ اسکی جبین ناز سے کرنوں دُرر گراں بہا کا پُر بہار جلوہ تھی۔ جب بات کرتی تھی منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ ہزاروں گوشوں سے اُٹھنے والی رنگین آرزوئیں ... تمثال حسن ... کی

حسرت میں سر ٹکرا کر رہ جاتی تھیں۔ آخر کار امیر نے فرقت نصیب عرب کو مخاطب کرکے بہ سنجیدگی
کہا کہ اگر منظور کرسکو تو اس گلعذار شعلہ رخ کے عوض تین نوجوان دوشیزہ لونڈیاں جنکی شکلیں آفتاب
کی طرح تاباں و درخشاں ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہزار دینار دیتا ہوں اسکے علاوہ خزانۂ
سرکار سے زرِ نقد ہر سال بطور انعام کے بھی ملتا رہیگا۔ حرماں مقدر عرب اس دلشکن امر کو سنکر
اسقدر بیتاب ہوا اور کچھ ایسی ناامیدی و حسرت سے بیچین ہوکر رویا کہ یاس و حرماں کی تصویر
آنکھوں میں کھنچ گئی اور طائرِ روح آتشِ عشق سے حرارت اندوز ہوکر قفسِ عنصری میں پھڑپھڑانے
لگا۔ اور رو رو کر بہزار ادائے منت معروض کیا کہ امیر المومنین ظلم مروانی کی فریادرسی کے لئے
تو آپ کے پاس آیا تھا لیکن جورِ معاویہ کا نالہ کہاں کروں؟ خدائے لایزال آپکو حیاتِ ابدی
و سرورِ سرمدی سے وابستہ و پیوستہ رکھے۔ آلام و شدائد کی سخت کاریوں نے مجھے بیحال
کر دیا ہے۔ رات دن اُس سرمایۂ حیات کا جان پرور ذکر زبان پر رہتا ہے۔ میری پیاری دلنواز
محبوبہ کی مفارقت سے میرے رنج و غم کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ لہٰذا اُس سرو زریں کو مجھسے جدا
نہ کریں ورنہ یہ شوریدہ بخت قمری آسا فراقِ ظلمت کا اداسی خیز طوق ڈالکر آن کی آن میں
دم توڑ دیگا۔ ایک دلدادۂ محبت اور وارفتۂ عشق پر رحم کریں اور میرے نو بہار و شگفتہ پھول کو
رہائی دیکر میرے حوالہ کریں۔ امیر المومنین اگر میری نازنین کے معاوضہ میں مجھے خلافت و سلطنت
بھی دیں تو میں ہرگز قبول نہ کروں۔ جسکا کنایۂ شوق سیدہ جیسی ماہ پارہ و مہ جبین سے شیریں کام
و مسرت یاب ہو اُسکی نظروں میں ایک سلطنت کیا وقعت رکھتی ہے۔ میری ملکۂ شوق و
آرزو کی ایک شیریں ادا اُنکے جلوہ کا بھی تو آپکی خلافت و سلطنت مقابلہ نہیں کرسکتی۔
اسکی دلاویز و دلستاں اداؤں میں برقی کشش و جذب کے ساتھ ہر لحظہ میری تمنا پرور حیات کو شگفتگی
و شادابی کا مقناطیسی اثر ایک عجیب مست و متوالی آن کی جلوہ پاشیوں سے پہونچاتی رہتی
ہیں جنکی دلآرائی و دلربائی کے ساتھ ایک سلسلۂ غیر منقطع میں میری رگہائے حیات ایک نازک
نسبت و وابستگی سے زنجیر بستہ ہیں جن کانوں میں اپنی محبوبہ کی حال کی نغمہ خیز آواز
گونج [illegible] کہ سوا اسوقت جملہ زنان
عالم کو [illegible] سیدہ سے

استصواب کرتے ہیں۔ اگر اس نے تم سے نکاح کرنا منظور نہ کیا تو ہم اسکو اپنے سلک ازدواج میں منسلک کرینگے ورنہ بصورت اقرار وہ تمہارے چمن آرزو کا پھول بنادی جائیگی۔ عربؔ نے بخوشی اسکو منظور کرلیا۔ اور کہا آپ اس سے دریافت کریں۔ امیر نے اس جمیلہ سے کہا کہ اے سیدہ تجھکو امیر یزید ہے جو صاحب تخت و تاج اور اس تمام شان وشکوہ اور ایوان وقصور کا مالک ومختار ہے اور سارا خزانہ تیرے قدموں پر تیری عالم آرائی کی بدولت نثار کرسکتا ہے یا مروان کو قبول کرتی ہے جو ظلم کوش اور بیگانۂ معدلت ہو یا تو اس عسیر الحال فلاکت زدہ غریب اور بھوکے کو چاہتی ہے۔ جسکی مفلسی وتنگ حالی کا نقشہ تیری توبہ شکن نظروں کے آگے ہویدا وعیاں ہے۔ نازنین حسینہ وجمیلہ نے غایت درجہ آزادی وصاحب دلی سے جواب دیا کہ امیر المومنین یہ مفلس وغریب عرب مجھے اپنے جملہ خویش واقارب۔ امیر المومنین اور مروان بن حکم سے جو صاحب دام و درہم اور ارباب عیش ومسرت ہیں زیادہ محبوب وعزیز ہے۔ میں خداوند ارض وسما کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ میں کسی طرح اسکا ساتھ چھوڑ کر مسرور وشادکام نہیں رہ سکتی۔ اور ہرگز میں اسکا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔ کیا ہوا کہ زمانے نے اسکے ساتھ بیوفائی کی اور اسکے وہ عشرت اندوز اور زر پاش دن نہیں رہے۔ میں اسی کی صحبت شوق میں رہی اور آیندہ بھی انشاء اللہ تعالی تا دور حیات اس رفیق زندگی کا انبساط آگیں اور نشاط افزا ساتھ نہ چھوڑوں گی محبت ایک لازوال شے ہے اور اسکا لطف خاص اور مزۂ اصلی کچھ وہی دو قلب اٹھا سکتے ہیں جنکو محبت وعشق کی آگ نے یکساں سوز وساز کے ساتھ پھونکدیا ہو۔ اور عشق وعاشقی کی لطیف تپش زائیوں اور محبت وانس کی پر حسرت تلخکامیوں نے دوئی کے جملہ حجاب اٹھادیئے ہوں ؎

مپندار اینکہ مہرش از دل عاشق رود ہرگز

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

میں نے اسکے ساتھ عیش ونشاط سے جاں نثارانہ دن گذارے اور جبکہ مصائب وشدائد کی سنگ باریوں نے اسکے شیشۂ دل کو پاش پاش کردیا ہے تو یہ امر نہ صرف آئین وفا سے بعید ہے بلکہ قوانین عشق ومحبت کے قطعاً [illegible] ہے کہ محض [illegible] عسرت محبوب اسکا محبت بار اور [illegible] چھوڑ دوں۔ امیر معاویہ نے اس عدیم المثال مہ جبین کی عقل ودانش اور شوہر سے

اُسکی وفاداری و محبت کا مشاہدہ کرکے ششدر رہگئے اور دونوں کشتگانِ محبت کو زر و مال
سے مالا مال کرکے بصد عیش و کامرانی روانہ کیا۔ طبیعت کی بے اختیاری اور حسن و محبت کی پرستش
امیر معاویہؓ ہی پر کیا منبی ہے۔ اسکی مضطربانہ سحر کاریاں ہر قرن ہر عہد اور ہر ملک میں مختلف نوعیتوں
کے ساتھ مختلف رنگوں میں اپنے جلوے دکھا یا کی ہیں حسن ہمیشہ ایک سیف بے نیام رہا ہے
محبت نے دائم بیقراریوں کے کانٹے بادیہ پیمایانِ عشق کی آبلہ پائی کی تواضع کے لئے بچھائے
ہیں" چتر نار اور شور کریں لاکھن میں چوٹ" کے مصداق حسن کی دیویوں نے بیشتر اوقات
ہزاروں میں اپنے وار کیے ہیں۔ وہ شہنشاہان باسطوت اور سپہ سالاران پرشکوہ جن کی
شمشیر خارا شگاف نے بحر و بر میں زلزلے ڈالدیے ہیں اکثر اُنکی تلواروں کے قبضے ان نازک
اندام گلرویوں ہی کے ہاتھ میں رہے ہیں۔ پیٹر اعظم کھترائن کی پیاری چتون پر دل دیے
بیٹھا تھا۔ نپولین اعظم ملکہ جوزیفائن کا قتیل محبت تھا۔ جولیس سیزر کو کلوراپٹرا کی جمال فریب
غارتگری نے شہید عشق کیا تھا۔ انطونی جیسا سپہ سالا حکمراں اس خونیں دریا کی ایک موج
بیقراری تھی سلیمانِ خانِ اعظم کا دل بھی صمصام محبت سے دو نیم تھا۔ ہارون رشید کا دل نیم بیدہ
خاتون کی نازبرداریوں کے لئے وقف تھا خسرو شیریں کا اسیر گیسو تھا جہانگیر کو نور جہاں کے
انداز خریدہ چکے تھے۔ شاہجہاں اعظم ارجمند بانو بیگم کی شمع حسن کا تا زیست پروانہ رہا حسن
گیسو بدوش کا ترکش لیکر جب اٹھتا ہے تو مراتب و مناصب اور امیر و غریب کی تمیز و تخصیص نہیں
رہ سکتی۔ وار پڑتا ہے اور لاکھوں میں پڑتا ہے۔ نگاہ ناز اور شمشیر شجیع بے پناہ ہوتی ہے۔ انکے
نخچیر ہزار کمینگاہوں اور لاکھ مورچوں میں بھی سر دل و جان کو مصئون و مامون نہیں رکھ سکتے
مگر یہ زخم کچھ ایسے لذت بھرے اور لطف انگیز ہوتے ہیں کہ انکی لذات ساوقہ اور حلاوت
متاثرہ سے وہی دل مزہ شوق کی وارفتگیاں بوجہ احسن پا سکتے ہیں جو اس درد محبت اور
جراحت عشق کے لذت چش ہوں۔ مبارک ہیں وہ قلب جو محبت کی لذت رنج و تیاب ہوں سے
تپش درد محسوس کریں اور پرستش کے لائق ہے وہ خوش نصیب آنکھ جو عشق کی جہاں افروز
شیریں انتشار زائیوں سے مرشک حسرت بہا بہا کر سیلاب آرزو میں ایک خفی و ہلکی جنبش پیدا
کردے عشاق ہی کچھ اس رنگیں و پرلطف مزوں سے دلچسپیاں حاصل کرسکتے ہیں جو انہوں نے دیگر لیں

سے منتشر ہو جانے والی تمنائیں بکھر بکھر کر ایک سرگشتۂ شوریدگی کے لئے جمع کر دیا کرتی ہیں اور جبکہ عالم تصور کی مبہوت وارفتگیوں کے دلفریب و خاموش ہجوم میں صد لئے پازیب کی روح پرور نغمہ ریزیاں جب قم باذن اللہ کہتی ہوئی اُٹھتی ہیں تو وہ وقت اپنی تمام شیریں کاریوں اور شگفتگیوں کے ساتھ دلدادگان عشق پر کچھ ایسا پربہار جادو ڈالجاتا ہے کہ وہ اپنی تمام زندگی اس لطف و حلاوت کی مزہ یابیوں میں صرف کر دیتے ہیں مگر جی سیر نہیں ہوتا۔ جنون کدۂ اضطرار کی شورشوں میں نگاہِ ناز کی لطیف سفاکیاں ہزار رعنائی و دلآرائی جب کسی بسمل محبت پر قیامت خیز اداؤں کے دلآویز وار کر کے اسکی اضطرار بخشی کا فیصلہ کرتی ہیں۔ تو دنیا کی کوئی گوہر سنج مسرت اور بہار پیرا لذت اُس زخم شگفتگی کی بیتابانہ لطافتوں اور شیریں کامیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جسکے دامنوں میں امرت کی لہریں ہمیشہ کھیلا کرتی ہیں اور بادہ گلرنگ کی سرمستیوں کی متوالی موجیں اُٹھ اُٹھ کر داماں دل کو ستم پروردۂ درد بنایا کرتی ہیں۔ محبت کی ایک نظر اولیں دنیا و مافیہا کی جملہ عشرتوں اور نشاط افروزیوں کی قیمت ہوتی ہے ؎

مزہ پہلی نظر کا عاشق بیمار سے پوچھو
ادا ان مست آنکھوں کی کسی میخوار سے پوچھو

عشق حقیقی کے در وازے بھی اس کلید زریں سے وا ہوا کرتے ہیں اور عارفان دل دوست کی مجلی ہوئی آرزوئیں بھی جب تک اس آغوش ناز میں کچھ دنوں نہیں کھیل لیتیں کنگرہ حقیقی تک رسائی دشوار و محال ہوتی ہے غور کرو کہ جس افسردہ دل کو کبھی یہ انبساط زا وقت نہ نصیب ہوا ہو کہ کسی بند نقاب کے ڈھونڈنے کے تصور میں اپنے خرمن ہوش و خرد پر بجلیاں گرائے جس پژمردہ طبیعت نے اپنی عزیز و شیریں راتیں کسی نرگسی چشم و خواب آلود کی یاد میں نہ بسر کی ہوں اسکو معشوق حقیقی کی یاد میں عیش کی راتیں کب میسر ہو سکتی ہیں جس جامد دماغ نے اپنے سرمایۂ حیات و عمر کو کسی پیکر ناز کی کج ادائیوں اور بے نیازیوں پر نثار نہ کر دیا ہو وہ خودی و نخوت کے بت کو کیونکر توڑ سکتا ہے جس ناآشنائے حسن کو کسی مہ جبین پر یجمال کی صدائے شیریں نے مبہوت و لایعقل نہ کیا ہو اسکو ازلی ساز عشق کی نغمہ سرائیاں کسطرح

پرکیف وجد میں لاسکتی ہیں۔ غرضکہ جس آشفتہ بخت کو کسی شعلہ رخ کی نگاہ ناز مست و بیخود نہ بناسکی ہو اسکو جلوۂ طور کی لن ترانیوں سے کیسے غش آسکتا ہے۔ جس بدنصیب ازلی کا دل کسی مست حسن اور نازنین مہ وش کو دیکھکر صدہا آرزوؤں کا انجمن زار سوز و ساز نہ بنا ہو وہ حقیقی جلوہ آرائیوں سے کیا لطف اٹھا سکتا ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جو فتیلہ جل چکا ہو وہ فوراً آگ پکڑلیتا ہے اور نئے فتیلے کو دیر تک آگ دکھلانی پڑتی ہے۔ اور پھر بھی مشکل سے جلتا ہے۔ عشق و محبت ہی کا فرشتہ اپنے مافوق الفطرت بازوؤں میں وہ زبردست و قوی طاقت رکھتا ہے جسکی تلوار کا وار اولیں ہی خون کے تاروں سے بندھے ہوئے رشتوں اور دنیا کی دلفریبیوں کی جکڑی ہوئی زنجیروں کو معاً دو ٹکڑے کردیتا ہے۔ دل تاوقتیکہ لذت آشنائے درد نہ ہو برف کی ایک قاش ہے جسکو پانی بنتے دیکھا مگر آگ میں جلتے کبھی نظر نہ آئی۔ عشق گو کسی عنوان ہو منزل حقیقت کا ہمیشہ سے پہلا قدم ہے۔ یہ تو وہ ممتاز و عظیم المرتبت دروازہ ہے جس سے گذرے بغیر انسان انسان ہی نہیں ہوسکتا۔ جسکے دل میں درد۔ جگر میں کسک اور آنکھ میں آنسو نہیں اُسکو انسانیت اور معانی انسانیت سے کیا تعلق۔ اصل پوچھو تو دنیا عاشقوں ہی کی ہے اور اسکی دلچسپیوں اور دلآرائیوں سے کچھ انہی کے قلب لطف اُٹھاسکتے ہیں۔ ایک محروم المحبت اور مایوس العشق کے لئے صفحۂ دہر ایک دنیائے یاس ہے۔ وہ مثل اس بدبخت متنفس کے ہے جسکی سماعت و بصارت جاچکی ہو اور کوئی حس زمانے کی اشتداد فرمائیوں نے اُس میں باقی نہ رہنے دی ہو۔ ہر ذرہ اور ہر دلچسپی اُسکے لئے ایک ظلمت زار اور داسی ہے۔ بہالم آسا وہ عالیشان عمارتوں جانفزا مرغزار و دلستان سیرگاہوں اور نظر فریب دلچسپیوں کو ایک ہی نظر غلط انداز و لاحاصل سے دیکھ سکتا ہے اور وجدان محبت اور کیف عشق کی عدمیت و کمی ہر گونہ اسکو انسانیت سے علحدہ و جدا رکھتی ہے۔ ایک فلاسفر کہتا ہے کہ عورت نصف العیش ہے اور عالم کی تمام دلچسپیاں اور شگفتگیاں بغیر اس جان پرور مایۂ حیات کے بیکار و یاس خیز ہیں۔ دوسرے فلاسفر کا ایک دقیق قول ہے کہ عورت میں ایک سحر ہے جسکو گنوار آدمی تمیز نہیں کرسکتا۔ ان ہر دو اقوال کی صحت و صداقت لاریب بے نقاب ہیں مگر وہی راز محبت ان نادر ین اقوال میں بھی نہاں و مضمر ہے۔ مرد و عورت فطرتاً مرد کے لئے مرکز محبت اور اسرار عشق نہانی

گئی ہے۔ لیکن شواہد و نظائر ناطق ہیں کہ اس عہد میں خصوصًا صدہا استثنائی حالتیں موجود ہیں اور اکثر اوقات باوجود حسن وجمال کے غیر پسندیدگی کی نمایاں مثالیں دیکھی گئی ہیں۔ اس تہ میں وہی رمز محبت کام کر رہا ہے اور عشق و اُنس نہاں وعیاں اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ بات یہ ہی کہ اگر دل و دماغ کیف انگیز ذوق محبت سے خالی ہوں تو حسن وجمال اپنی تمام سحر کاریوں کو بوجہ عدم اہلیت استعداد و قدر محفوظ کر لیتا ہے اور جب کبھی کوئی غریق محبت یا صاحب ذوق سامنے آ جاتا ہے حسن کی شعاعیں محبت کی لطافت انگیزیوں کے باعث بلا موانع فورًا پردہائے قلب پر اثر انداز ہو کر جذباتِ محبت میں العشق نار یحرق ما سوی المعشوق کی کبھی نہ بجھنے والی آگ لگا دیتی ہیں اور عالم از خود رفتگی میں دین و دنیا کے خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ جب کبھی تلاطم کردہ جذبات کی طوفان خیزیاں سکون یاب ہوتی ہیں تو صرف ایک "پیاری تصویر" خانۂ دل میں آویزاں نظر آتی ہے جسکو بار بار جی چاہتا ہے کہ کلیجہ سے لگائیں پلکوں پر بٹھائیں مگر جب قابو نہیں چلتا تو دل بیتاب بیچین ہو جاتا ہے۔ اور عشاق بیقرار ہو کر پھر اُسی محویت مسترہ میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ عرف عام میں عاشق ہونا اور "دل دینا" مترادف ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل کسی کو نہیں دیا جاتا بلکہ علیٰ قدر ظرف عشق یا قدر حسن کا مادہ لطیف جو وہبًا دل میں مودع ہوتا ہے اُسکو حسن کی تیز اور دلاویز شعاعیں جنبش میں لے آتی ہیں اور جب ایک مرتبہ یہ ذرات عشق دل میں حرکت پا جاتے ہیں تو پھر کوئی قوت اس شیریں تحرک کو مایوس جنبش نہیں کر سکتی۔ آوارگانِ کوچۂ محبت سے جسقدر اضطراری اور جنوں خیز حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ وہ سب قاطبۃً اسی جنبش لازوال کی منت کشِ احسان ہوا کرتی ہیں عشق و محبت کے مؤثرات طبعی کے مختلف دماغی درجات بھی عقلا نے قرار دیئے ہیں جو جامد۔ حاس۔ مترنم اور ہالک کے منفرد اقسام پر مشتمل ہیں۔ جامد سنگ منجمد کی طرح اثرات سے بے نیاز ہے۔ وہ محض یہ سمجھتا ہے کہ آنکھیں صرف دیکھنے کو عطا ہوئی ہیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اُنکے تاثرات کیا؟ اور نتیجہ کا مرتب ہونا کیسا؟ حاس وہ دماغ ہے جو متاثر ہونے کی قابلیت تو رکھتا ہے مگر مصلحت اندیش ہے اپنی توجہ کسی شے کی جانب سے قصدًا ہٹا بھی سکتا ہے اس دماغ کے لوگ بہت ہیں مگر یہ بھی قابل پسند نہیں مترنم دماغ بدرجۂ کمال حس رکھتا ہے جسکو وہ حسین سمجھتا ہے خواہ وہ کتنا ہی تباہ کن کیوں نہ ہو مگر اسکو ہمیشہ قابل قدر سمجھے گا۔ عداوت و محبت دونوں میں

شدت برتتا ہے کسی حسین کو دیکھکر چپکے سے آہ کر لینا اُسکے لئے ایک ناگزیر امر ہے ہر شئے کو وہ
شاعرانہ نگاہ سے دیکھتا ہے اور خفیف سی تحریک بھی اُسکے دل کو بیتاب بنا دینے کے لئے کافی ہے
بالکل وہ دماغ ہے جسکا ہونا بالکل فضل خداوندی پر منحصر ہے اور جو ہزار سدن میں سے کسی ایک کو نصیب
ہوتا ہے۔ اُسمیں اسقدر تاب کہاں کہ وہ برار العین کسی حسین سے متاثر ہو اسکے لئے صرف اسقدر
سن لینا کافی ہے کہ "کوئی ساری پہنے نکل گیا" آواز خلخال اُسکے کانوں تک پہونچ جائے بس دل
وہیں تڑپنے لگا کسی نگاہ ناز کا تخیل ہی اُسکی رقص روح کیلئے بس ہے اسکا نظام ہستی اک سلسلۂ جذبات ہے جن کی
نزاکت ولطافت اُس نیم شگفتہ غنچۂ یاسمن کی طرح ہے جو ردائے شبنم کی اوٹ میں اپنی نکہت تبسم کو چھپائے ہوئے ہو
ہے جب کہ نہ صرف دو دلدادگان عشق کا بلکہ ایک محبت اندوز اور غریق حسرت کا ہاتھ کسی حسینہ کے
ہاتھ سے ملتا ہے تو برقی رو جسم میں سرایت کرتی ہے دل دھک دھک کرنے لگتے ہیں خون تیزی سے
جوش مارنے لگتا ہے ایک نئی قسم کی سرسراہٹ یا مسرت آمیز سنسنی تمام اندام میں محسوس ہوتی ہے
اور آنکھیں چار ہوتے ہی ایک برقی خودیت طاری ہو جاتی ہے یہ کیوں ؟ اسکا کیا باعث ہے ؟
بات یہ ہے کہ عورت ہماری حیات شعریہ کے ہر شعبہ کو مس کرنا چاہتی ہے وہ ایک ایسا نغمۂ مستانہ چھیڑتی
ہے جس سے قوائے عقلی واخلاقی یکسر مسحور ہو کر رہجاتے ہیں۔ اُسکے جذبات نہایت نازک اُسکے حسیات
غایت خجل ہوتے ہیں۔ دنیا میں اُسے اگر کسی سے عناد ہے تو چاہنے والے سے یا وہ نہایت رحمدل
ہوتی ہے مگر ستاتی ہے تو اپنے دلدادوں کو۔ عورت کیسی ہی نیک مزاج و پاکیزہ سیرت ہو لیکن اس خیال سے
بیگانہ نہیں ہوتی کہ کوئی اسکی عشوہ طرازیوں کا شیدا اسکی مستانہ لغزشوں کا دیوانہ ہو کسی کو مٹائے
کسی پر مٹے! فی الحقیقت وہ بغیر چاہنے والے کے نظر آنا نہیں رہ سکتی۔ وہ دنیا میں صرف محبت
کے لئے آئی ہے اُس کی تمام زندگی حسن و عشق کا مرقع ہوتی ہے خود وہ کسی پر جان دیتی ہوگی یا
اُسکا کوئی اسیر گیسو ہوگا۔ وہ چاہتی ہے کہ دو ایک ہو کر رہیں وہ لیلیٰ ہو اور کوئی مجنوں یا وہ شمع ہو
اور کوئی پروانہ!! شکسپیر نے کہا ہے کہ "تو مجسم عشوہ گری ہے اور دنیا میں بے فوج کی سلطنت تیرا اور
صرف تیرا حصہ ہے"۔ دراصل جیتے جی کسی عورت کی پرستش و فرمانبرداری کا اگر موقع ملے تو سمجھ لیجئے
کہ خدا نے دنیا میں جنت دی۔ "زینوفن نے" جو سقراط کا شاگرد تھا لکھا ہے کہ عورت و حسن مترادف
ہیں اور یہی تمام یونانی سمجھتے ہیں یہ کس لئے اور اس میں کیا اسرار ہے ؟ وجہ یہ کہ عورت ہی بزم عشق کی

ایک شمعِ روشن ہے۔ عشق و محبت کے جذبات کی محرک اول وہی ہے یہ کاشانہ اُسی کے دم سے
کاشانۂ عیش بنا ہوا ہے۔ محبت کے چمن کی بہار عورت ہی سے ہے۔ ورنہ عشق کا فتوے تو یہ ہے کہ
"دوسرے سوا تمام دنیا غلط ہے" عشق کا ولولہ کسی حالت میں کتنا ہی زیادہ اور کیسا ہی بیباکی
کے ساتھ ہو وہ ہمیشہ شریفانہ ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں بھی یوسفؑ و زلیخا اور سلیمانؑ و بلقیس کے
حسن و عشق کا قصہ احسن القصص کے تعریفی الفاظ کے ساتھ آب و تاب سے موجود ہے خود حضور نبی
کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عہد میمون میں حضرت بشیر صحابیؓ اور ہند صحابیہؓ کے جذبات حسن و عشق
کا افسانہ کتنا صریح و پُرجوش ہے جو تخیلات سے متجاوز ہو کر جوشیلے حرکات تک پہونچ گیا تھا۔ یہاں تک
کہ ہند کے شوہر نے غیرتِ رسوائی سے طلاق دیدی اور پھر ہند نے حضورؐ کے دنیاوی مشورے کو
بھی از خود رفتگی عشق سے نہ مانا۔ اور بالآخر ہند اور بشیر اپنے اپنے ارمان محبت دلوں میں دفن کر کے
ناکام و نامراد بحرِ فنا میں غرق ہو گئے۔ اب سمجھیے کہ اُن سے زیادہ کون شریف ہو سکتا ہے" حبک
الشیٔ یعمی و یصم" (کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بہرا بنا دیتی ہے) عشق وارفتگیوں کا خلاصہ
ہے اسکی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہے کہ من عشق و کتم الخ یعنی جو عاشق ہوا اور پھر عشق
کو مخفی رکھا اور اسی حالت میں مر گیا تو اسکو درجۂ شہادت عطا ہوگا۔ اور عشق جب ہوتا ہے اچانک
ہوتا ہے حسن کا تیر جب پڑتا ہے یکبارگی پڑتا ہے۔ حکما نے حسن کی یہی تعریف کی ہے۔ کہ نگاہ پڑتے
ہی دیکھنے والے کے دل کو بسمل کر دے۔ اور جب دونوں دلوں میں تلاطم عشق بپا ہوا تو پھر بجز
جذبات کے تمام خیالات دور ہو گئے۔ سوائے تصویر معشوق کے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ اور چونکہ پہلی
نگاہ شرعاً معاف ہے لہذا جب حسن کی تلوار پڑتی ہے تو اول ہی پڑتی ہے اور آن کی آن میں
[illegible] وصل بنائے چھوڑ دیتی ہے۔ ع کہ

لگائے نہ لگے اور بنائے نہ بنے

اسی حالت میں ہوش و خرد کا بجا رہنا محال۔ بیکن سچ کہتا ہے کہ عشق میں غیر ممکن ہے کہ عقل
[illegible] قول ہے کہ عشق میں اسقدر محویت و استغراق ہو کہ زخم تک کا
احساس نہ رہے تب [illegible] میں جا کر شہ نشین قبولیت پر جگہ مل سکتی ہے۔ غرض یہ کہ عشق ایک لطیف
[illegible] جوہر ہے جس سے انسانیت کی

شعاعیں نکلتی ہیں۔ یہی وہ لذت ہے جو دنیا کے تمام مزوں پر فضلیت رکھتی ہے۔" عاشق کی ایک ایک مضطرب ساعت جنت کا ایک ایک چمن ہو۔ سکے ایک ایک غم پر دنیا کی لاکھ لاکھ مسرتیں نثار ہیں۔ اسکی ایک ایک تڑپ عیش کے ہزار ہزار نغموں سے پرمزہ ہے" خوش نصیب ہے وہ دل جسکو شرار حسن نے شعلہ زار بیتابی بنا رکھا ہو اور پرستش کے قابل ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے کسی کی مفارقت میں آنسوؤں کے دریا بہائے ہوں۔ ایک انسان کو اگر لذات حقیقی میسر ہو سکتی ہیں۔ ایک وارفتہ اگر تماشائے فطرت دیکھنے کا متمنی ہے۔ ایک دل اگر کاشانۂ دلآرائی ہونا چاہتا ہے تو کسی نم پردردہ اشک کی خوننابہ باریاں مشاہدہ کرے کسی پیکر عشق کی شوق طرازیوں اور وحشت آرائیوں کو دیکھے کسی شباب فتنہ زا کی رنگیں ادائیوں پر جان دے

ہزار رنگ ہیں عاشقی کے جو اُنکو ہتے وہ اُنکو جانے
تمھیں کو ہم بیوفا کہینگے تمھیں سے ہم التجا کرینگے

شریف احمد مراد ــــ مارہروی

لغات جدیدہ۔ عربی زبان کے تقریباً اُن چار ہزار الفاظ کی تشریح و تحقیق جو آجکل عربی میں مستعمل ہیں جنکی تشریح کے بغیر عربی خواں عربی اخبارات رسائل اور جدید تصنیفات سے متمتع نہیں ہوسکتے اور عربی زبان کے مولد و دخیل الفاظ پر محققانہ بحث مرتبہ جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قیمت علاوہ محصول ۱۲؍

الکلام۔ یعنی علم کلام جدید جسمیں اسلام کے تمام عقائد کو فلسفہ حال کے مقابلہ میں نہایت بسط اور خوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم قیمت علاوہ محصول ۱۲؍

مکاتیب شبلی۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے اُن خطوط کا مجموعہ جو وقتاً فوقتاً انھوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے نام لکھے اور جنمیں ملکی۔ قومی، مذہبی، علمی، اور اصلاحی خیالات و مسائل کا بڑا ذخیرہ موجود ہے کاغذ سفید ولایتی لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی قیمت ۲؍ علاوہ محصول۔

مقالات شبلی۔ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے وہ علمی اور تاریخی مضامین جو رسائل شبلی کے بعد لکھے گئے قیمت علاوہ محصول ۱۲؍

ملنے کا پتہ۔ منیجر "تمدن"
نباگ ڈول۔ لکھنؤ

شہاب کی سرگذشت

(۱)

شہاب، یوں تو اپنی کالج کی زندگی میں بھی اک اچھا دل و دماغ رکھنے والا نوجوان مشہور تھا، لیکن اُس کے نازک اور چھریرے جسم سے (ایسا نازک اور چھریرا جسم کہ جب وہ بورڈنگ (دار الاقامہ) میں چارپائی پر شال اوڑھ کر لیٹ جاتا تو کبھی یقین کرنے کو جی نہ چاہتا کہ یہ کوئی لڑکی نہیں ہے) کسی کو یہ توقع نہ ہوسکتی تھی کہ وہ اک ایسے مستقل الارادہ و مضبوط دماغ کی پرورش کر رہا ہے جو مستقبل قریب میں زمانہ کو متحیر و مبہوت بنا دینے والا ہے وہ اُس کی ہر دل میں گھر کرنے والی ادائیں، وہ اُس کی خودداریاں جنھوں نے اس کے اندر خدا جانے کتنی رعنائیاں پیدا کر دی تھیں۔ اب بھی فسانہ ہیں اور لفظ شہاب کا مفہوم ہی متانت و سنجیدگی، خودداری و رعنائی و ذہانت و تہذیب قرار دیا گیا ہے۔ وہ بات کم کرتا تھا لیکن جب کرتا تو صاف صاف ایک ایک لفظ علیحدہ اور کوشش کرتا کہ نہایت مختصر جملہ اُسکے مدعا کو ادا کرسکے اور اس میں اُسے اس حد تک غلو تھا کہ بسا اوقات لوگوں کو اسکا جواب سمجھنا مشکل ہوجاتا وہ فطرتاً فلاسفر تھا، لیکن اُسی کے ساتھ ایسا پاکیزہ مذاق ادب اپنے اندر رکھتا تھا کہ کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ اس شخص سے جو صرف علمی آدمی بن سکتا ہے، اسقدر نزاکتِ خیال و لطافتِ طبع کا اظہار کیونکر ممکن ہے۔ وہ کسی دولتمند باپ کا بیٹا نہ تھا، لیکن اس میں اک شاہانہ استغنا تھا اک ایسا بے نیازانہ انداز تھا جس کو دیکھکر اکثر یہی سمجھتے تھے کہ شاید بے انتہا دولت کا مالک ہے۔ ہمیشہ ایسا ہوا کہ اپنے احباب کے حقوق اُسنے وقت پر ادا کئے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اپنے حقوق اُسنے دوسروں کے سامنے پیش کئے ہوں۔ جس طرح وہ بڑی سے بڑی مسرت سے غیر متاثر نظر آتا اسیطرح سخت سا سخت رنج بھی اُسکو افسردہ و مضمحل نہ بنا سکتا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم میں اعصاب کے بجائے فولاد کے تار ہیں جن پر کسی چیز کا اثر ہوتا ہی نہیں۔ لیکن جنھیں اُس کی طبیعت کا اندازہ تھا وہ سمجھ لیتے تھے کہ اسوقت کیسا طوفان مسرت یا کیسا سیلاب غم اس کے سینہ کے اندر متلاطم ہے۔ جسے وہ ضبط کئے ہوئے ہے۔ یہ تھا مختصر بیان اس کی سیرۃ کا جس سے قریب قریب کالج کا ہر طالب العلم

آگاہ تھا لیکن جب تکمیل کے بعد اُس نے کالج چھوڑا اور گھر میں اطمینان سے بیٹھا تو اُس کے وہ اندرونی جذبات جنکا پتہ کالج میں مشکل سے چل سکتا تھا اب ظاہر ہونے لگے اور اُس کی طبیعت نے ایک ایسی عجیب و غریب صورت اختیار کرنی شروع کی کہ اُس کے بعض احباب تو سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ یہ کیسا انقلاب ہے اور بعض اظہار تاسف کرتے تھے کہ دیکھئے اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

یوں تو کالج میں بھی وہ کوئی مذہبی آدمی نہ تھا لیکن اب یہ امر صاف طور سے معلوم ہونے لگا تھا کہ یا تو وہ اصول مذہب سے بالکل منحرف ہوجانا چاہتا ہے یا وہ کچھ ایسی تاویلیں کرنا پسند کرتا ہے جسے کوئی مذہبی آدمی نہیں سن سکتا۔ چونکہ وہ فطرتاً نہایت مستقل ارادہ اور مضبوط عزم کا آدمی تھا اس لیے اس معاملہ میں بھی اُس کی شدت کا وہی عالم تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اُسکر آخر کیا ہونا ہے اور اپنی زندگی کیونکر بسر کریگا۔

(۲)

شہاب زنانخانہ سے باہر مردانہ نشست گاہ کے ایک صاف ستھرے کمرہ میں جو دارالمطالعہ ہونے کے علاوہ اُس کی نقاشی و مصوری کے لئے بھی مخصوص ہو بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کے محبوب ترین مشاغل میں سے نقاشی و مصوری بھی ہے۔ وہ کالج میں بھی یہی کہا کرتا کہ ایک سنجیدہ شخص کے لئے مطالعہ کتب و مصوری سے زیادہ مناسب شغل اور کیا ہوسکتا ہے، کیونکہ کتاب سے زیادہ ساکت بات کرنیوالا اور صفحۂ تصویر سے زیادہ خاموش مخاطب کوئی نہیں۔ اسیوقت اس کا ایک نہایت بے تکلف دوست جو اُسی کے ساتھ کالج سے واپس آیا ہے مسکراتا ہوا اندر آتا ہے۔ شہاب کتاب کو علیحدہ رکھ کر محمود کی صورت دیکھتا ہے اور اُس کی نگاہیں کچھ پوچھتی ہیں۔

محمود۔ "میں تم سے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم سے چھپا بھی نہیں سکتا"

شہاب۔ "چھپا تو سکتے ہو لیکن مجھ سے چھپ نہیں سکتی"

محمود۔ "تو پھر مجھے خوش نصیب کہو، کیونکہ اس سے زیادہ کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے"

شہاب۔ "لیکن ہر کامیابی خوش نصیبی نہیں ہے"

محمود۔ "لیکن یہ تو ہے"

شہاب۔ "شاید"

محمود۔ "کیوں؟"
شہاب۔ "اس لئے کہ یہ کامیابی انھیں ناخوش نصیب کامیابیوں میں ہو"
محمود۔ "(حیرت سے) یہ کیا کہتے ہو، غضب خدا کا اک عمر کی کوشش کے بعد تو آج یہ مسئلہ میری خواہش کے مطابق طے ہوتا ہے اور تم اُسے خوش کامی نہیں سمجھتے۔"
شہاب۔ خوش کامی اس لئے نہیں سمجھتا کہ وہ تمھاری خواہش کے مطابق طے ہو کاش تم ناکامیاب ہوتے"
محمود۔ شہاب، خدا کے لئے اپنی محیر العقول گفتگو اور دنیا سے نرالی فلسفہ طرازی اس مسئلہ میں صرف نہ کرو اور اگر تم میری اس مسرت میں حصہ نہیں لے سکتے تو کم از کم اس مسرت کا یقین تو مجھ سے نہ چھینو ورنہ میں تباہ و برباد ہو جاؤنگا۔"
شہاب۔ "خیر اگر فقدانِ مسرت آپ کے ہاں داخل مسرت ہے تو میں خاموش رہنے کی کوشش کرونگا۔"
محمود۔ "(ذرا برہم ہو کر) تم اک بات پر غلطی کا حکم کس آسانی سے لگا دیتے ہو حالانکہ بعض اوقات تم سمجھتے ہو کہ غلطی میں مبتلا ہوں۔"
شہاب۔ "(مسکرا کر) جیسا اسوقت آسانی سے تم نے میرے غلطی میں مبتلا ہو جانے پر حکم لگا دیا۔ لیکن ہاں یہ صحیح ہے کیونکہ دوسروں کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے بعض اوقات مجھے غلط ہونا پڑتا ہے ورنہ ایسی کھلی ہوئی بر خود غلط مسرت محتاج اظہار نہ تھی۔"
محمود۔ "غضب ہو کہ ایک شخص مسرت کو محسوس کر رہا ہے اور وہی اسکا اظہار کرتا ہے اور تم کہتے ہو کہ نہیں غلط ہے۔ غالباً تم سے زیادہ وہ اس امر کو سمجھ سکتا ہے۔ قیاس سے مخالفت کا امکان ہے، لیکن واقعات کی تکذیب کرتے تمھیں کو دیکھا ہے۔"
شہاب۔ "اس شخص کی غلطی یہی ہے کہ وہ ایک بات کو واقعہ سمجھتا ہے حالانکہ وہ واقعہ نہیں ہے بلکہ صرف ظن تخمین ہے۔"
محمود۔ مجھے بتاؤ کہ کیوں تم میری اس مسرت کو واقعہ پر مبنی نہیں سمجھتے اور کیوں نہ میں اس کو واقعہ سمجھوں۔"
شہاب۔ دیکھو، ایک صورت واقعہ کے واقعہ نہونے کی تو یہ ہے کہ وہ واقعہ نہ ہوا ہو اور دوسری صورت

یہ بھی ہے کہ جو اثر اسکا ہونا چاہیئے وہ نہو بلکہ اس کے خلاف ہو۔ ایک شخص اپنے دوست کی موت پر ہنس رہا ہے اور کہتا ہے کہ کیسی مسرت کی بات ہے۔ میں اس کو بتاتا ہوں کہ یہ غلطی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں یہ واقعہ پر مبنی ہے۔ کیا میں اسکو حقیقت سمجھوں۔ محمود قبل اسکے کہ تم اپنے نکاح کے مسئلہ پر اظہار مسرت کرو۔ غور کرلو کہ تمھاری یہ مسرت ویسی ہی تو نہیں جیسی اُس دوست کی موت پر ہنسنے والے کی"

محمود "تو کیا دنیا میں جہاں جہاں محفل طرب قائم ہو وہاں بزم عزا قائم ہونا چاہیے اور نکاح کی ان مسرتوں کو جسے اخلاق، مذہب، قانون، تمدن سبھی نے۔ بالاتفاق مسرت سمجھا اور محسوس کیا ہے مصائب و آلام سمجھکر زن و شوہر کو باہم ماتم کرنا چاہیئے اور احباب کو اظہار تعزیت۔

شہاب "مجھے دنیا اور اُس کے مراسم، مفروضہ اخلاق و مذہب اور اُس کے اصول سے بحث نہیں میں تو صرف تمھارے متعلق گفتگو کرتا ہوں اور اگر بُرا نہ مانئے تو یقیناً میں اس وقت بجائے مبارکباد کے اظہار تعزیت کروں گا۔ اور تمھاری حالت پر افسوس کہ کسقدر جلد تمھاری لذتیں تم سے چھین لی جائینگی"

محمود "اگر اس سے [illegible] یہ ہے کہ میری آزادی سلب ہوجائے گی تو ایک حد تک میں اس کے ماننے کے لئے تیار ہوں، لیکن اگر اس سے تمھاری مراد یہ ہے کہ نکاح محض نکاح کے لحاظ سے کوئی اچھا فعل نہیں تو میں ہرگز تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں"

شہاب "خیر آزادی کا سوال تو فضول ہے کیونکہ بدقسمتی سے تم اس کی لذت سے کبھی آشنا ہوئے ہی نہیں لیکن میں تو صرف نکاح کے متعلق کہتا ہوں کہ تمھارے لئے واقعی سخت ناقابل برداشت حادثہ ہوگا"

محمود "تمھیں معلوم ہو کہ سکینہ کی اور میری پرورش ساتھ ہی ساتھ ہوئی۔ ایک ہی جگہ رہے اور بڑھے۔ یہاں تک کہ شباب کی سب سے پہلے جذبہ نے پیدا ہو کر میرے اُس کے درمیان پردہ کی دیوار حائل کردی۔ پھر کالج کی چار سال کی زندگی میں بھی میں اُس سے اور وہ مجھ سے غافل نہیں رہی۔ تم جانتے ہو کہ اُسکی تربیت کیسی پاکیزہ ہوئی ہے، اور اُس کی مواصلت کا خیال میری [illegible] کا راز رہا ہے۔ اسکے بعد جو مشکلات حائل ہوگئے اُن سے بھی تم ناواقف نہیں ہو اب خدا خدا کرکے تمام مراحل طے ہوگئے ہیں اور مجھے اطمینان حاصل ہوا ہے تو کیا میں اسپر اظہار تاسف کروں کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنی اور اُس کی محبتوں کا خون کردوں کیا اُس سے زیادہ میں کسی اور سے محبت کرسکتا ہوں؟"

شہاب ”چونکہ تم اس سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرسکتے، اِسی لئے اُس سے زیادہ ناموزوں تمھاری بیوی بننے کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتا، رہا محبتوں کا خون کرنا جس کے خیال سے تم کانپنے لگتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ دنیا میں نکاح سے زیادہ کوئی اور ذریعہ محبتوں کے خون کرنے کا ہی؟

محمود۔ یہ تمھارا عجیب و غریب فلسفہ ہی۔ لوگ آرزوئیں کرتے ہیں کہ محبّت کا نتیجہ ازدواج ہو اور وہ مواصلت بہت کامیاب سمجھی جاتی ہے۔ جو محبت پر قائم ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ آرزو لغو ہے اور ایسی مواصلت ناکام۔ کم از کم میں تو اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔

شہاب۔ میں اس سے اختلاف نہیں کرتا کہ لوگ ایسی آرزوئیں نہیں کرتے یا یہ کہ وہ ایسی مواصلت کو کامیاب نہیں سمجھتے۔ میں بھی بالکل وہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو کہ محبت کا نتیجہ ازدواج چاہا جاتا ہی لیکن فرق یہ ہی کہ تم اُس نتیجہ کے خیال سے خوش ہوتے ہو اور میں ناخوش۔ تم نتیجہ کے معنی لیتے ہو عروج و ارتقا کے اور میں اس کا مفہوم اختتام و موت جانتا ہوں تم نکاح کو محبت کی کامیابی جانتے ہو اور میں اُسے محبت کی موت سمجھتا ہوں۔

محمود۔ کیا نکاح محبت کو زائل کردیتا ہی، کیا جس سے ملنے کی آرزو کی جائے اُس سے ملنا خلاف فطرت ہی، کیا مقصد کی کامیابی دنیا میں نامطبوع چیز خیال کی جاتی ہے۔ کیا نظام کائنات حصولِ مدعا کی تگ و دو پر قائم نہیں۔ پھر یہ تمھارا کیسا فلسفہ ہی یہ کیسی رائے ہی۔ ذرا غور کرو۔ اس سے زیادہ کھُلی ہوئی غلطی اور کیا ہوسکتی ہے۔

شہاب.“ تم مسئلہ محبت و ازدواج کو دنیا کے اور مسائل سے کیوں ملاتے ہو۔ میں تمھارے اس مغالطۂ منطقی میں نہیں آسکتا۔ کون کہتا ہی کہ حصولِ مدعا بُری چیز ہی۔ لیکن خاص مسئلہ نکاح میں اور نکاح بھی وہ جو نتیجۂ محبت قرار دیا جائے سب سے بڑی غلطی یہی ہی کہ ایک شخص مدعا اس چیز کو قرار دیتا ہی جو حقیقتاً مدعا نہ ہونا چاہیے۔ اگر محبت کا نتیجہ صرف نکاح ہونا چاہیئے تو میں کہوں گا کہ آگ کا کام بہا لیجانا اور پانی کا کام جلا دینا ہونا چاہیئے۔ محمود افسوس ہے کہ تم سا ادیب اور تم سا لطیف الخیال شخص محبت کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتا اور پھر غضب یہ ہی کہ سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا۔ اللہ اللہ آپ لوگ محبت کا نام کس آسانی سے لے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی خبر نہیں کہ اسکا نصب العین کیا ہی۔ اور [illegible] اگر محبت نام ہی صرف اُس جذبۂ شہوانی کا جو چودہ پندرہ برس کی عمر میں

شروع ہوکر تیس چالیس کی عمر میں فنا ہوجاتا ہے اگر محبت کا مفہوم تمھارے ہاں صرف وہ ہیجان
عصبی ہی جو نتیجہ ہوتا ہے نشو و نما کی پختگی کا، تو تمھیں اپنی محبت کی کامیابیاں مبارک، لیکن
اگر ایسا نہیں ہے تو مجھے بہ حیثیت ایک دوست ہونے کے تمھاری تباہیوں پر اظہار تاسف
کرنے دو جسطرح تمھیں اپنی محبت پر موت طاری کرنے کا اختیار حاصل ہے اُسی طرح مجھے
اس موت پر ماتم کرنے کا اقتدار۔ جب میں تمھیں شادی کرنے سے نہیں روک سکتا تو تم میرے غم کرنے پر کیوں مُکرو۔
محمود۔ "میں سمجھتا ہوں کہ محبت نام نہ جذبۂ شہوانی کا ہی اور نہ ہیجان عصبی کا لیکن یہ کیسے معلوم
ہوگیا کہ نکاح کا سبب صرف یہی جذبہ اور ہیجان ہو سکتا ہے۔ کیا کسی محبوب کے ساتھ ملکر رہنے کی
خواہش کافی وجہ نکاح کے مستحسن سمجھنے کی نہیں ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر سکینہ میری ہو گئی۔
اور میرے دل سے یہ خلش جاتی رہی کہ وہ کسی دوسرے کی ہو سکتی ہے تو میں دنیا میں کچھ کرسکونگا
اور اپنی زندگی کے اس نصب العین کو پا لونگا جسے تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔
شہاب۔ "خیر اس بحث کو جانے دو شاید میری ہی غلطی ہو۔ ہاں، تو کونسی تاریخ مقرر ہوئی ہے
اور کن شرائط کے ساتھ یہ معاملہ طے پایا ہے۔ کم از کم دو دن نکاح سے پہلے مجھے بتا دینا تاکہ میں کہیں
باہر چلے جانیکا کوئی معقول بہانہ تلاش کرسکوں۔
محمود۔ "شہاب خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری طرف سے میں اپنے اندر کن
جذبات کی پرورش کر رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہو کہ بغیر شہاب کی موجودگی کے محمود کا نکاح ہوجائے
کیا ہو سکتا ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس سے تم راضی نہیں۔ یوں تم اگر حکم دیتے ہو تو میں
ہمیشہ کے لئے نکاح کو بدترین چیز سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں، لیکن تا وقتیکہ مجھے اچھی طرح سمجھا نہ دو
میرے دل کو مجبور نہ کرو کہ وہ تمھارا ہم آہنگ ہو جائے۔
شہاب۔ "محمود اگر بجائے تمھارے کوئی دوسرا شخص ہوتا تو میں اُس کے ساتھ منافق ہو سکتا تھا
لیکن اسکا کیا علاج ہو کہ میں تمھیں اپنے سامنے تباہ ہوتا دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا اور اس لئے شرکت
سے معذور ہوں۔ رہا سمجھانا، سو یہ بھی میرے اختیار میں نہیں کیونکہ جب بہیمیت انسانیت پر غالب
ہوجاتی ہے تو مشکل سے اسکا اثر دور کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ تم اور محبت کی ایسی توہین کہ وہ تمھاری

محمود۔ اچھا محبت کس جذبۂ انسانی کا نام ہے، کیا محبت کرنیوالا یہ نہیں چاہتا کہ اسکا محبوب اُس سے مل جائے۔ اور کیا یہ خواہش غیر فطری خواہش ہے۔ خدا کے لئے ذرا مجھے سمجھاؤ تو۔

شہاب۔ میرے نزدیک محبت نام ہے ایک بے غرض انہماک، اک خود فراموش محویت کا جو پیدا ہو حُسن کو دیکھکر خواہ وہ حسن ظاہری ہو یا باطنی، واضح ہو یا غیر واضح، زمین میں ہو یا آسمان میں۔ رہا یہ امر کہ محبت کرنیوالا محبوب سے مل جانا چاہتا ہے یا نہیں اور یہ خواہش فطری ہو یا غیر فطری اس کے متعلق میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ شخص جس کی محبت اس بات پر مجبور کرے حقیقتاً محبت نہیں ہے بلکہ وہ اک جذبۂ شہوانی ہے اور اس لئے غیر فطری نہیں۔ اگر تم یہ اقرار کرلو کہ سکینہ کے ساتھ تمھاری لفتیں ایں سارسر جذبات شہوانی تھیں تو مجھے کوئی بحث نہیں، تم شوق سے نکاح کرو لیکن اگر تم اب بھی اس کو حقیقی محبت کہتے ہو تو میں قیامت تک تم دونوں کی مواصلت نہیں دیکھ سکتا۔ خواہ اُس کی قیمت تمھاری جان ہی کیوں نہ قرار پائے۔ افسوس ہے کہ تم نے کبھی فلسفۂ محبت پر غور نہیں کیا اور اسی کے ساتھ مفہوم لذت کو بھی نہیں جانا ورنہ اسوقت تم میرا دماغ پریشان نہ کرتے"

محمود۔ میں تو کبھی نہیں مانوں گا کہ سکینہ کے ساتھ میری محبت کسی جذبۂ شہوانی کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر سکینہ مجھ سے نہ ملے تو بھی میری محبت کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مگر ہاں میں وہ فلسفۂ محبت و لذت معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کو تمھارے دماغ نے اختراع کیا ہے۔

شہاب۔ سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ محبت کوئی لذت ہے یا اذیت۔ یعنی تمھارے بعض جذبات اُس سے پیدا ہوتے ہیں یا فنا؟

محمود۔ یقیناً محبت لذت ہے اور اگر وہ اذیت بھی ہے تو لذیذ اور بیشک اس سے جذبات عالیہ پیدا ہوتے ہیں"

شہاب۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ لذتِ محبت کی علت کیا ہے۔ یعنی محبت محض اس لئے کہ وہ محبت ہے اک لذیز شے ہے یا اُس کی لذت کا تعلق کسی اور سے بھی ہے؟"

محمود۔ محبت بجائے خود ایک مستقل لذت ہے اور اسکا تعلق صرف اپنے دل اور حسیات دل سے ہے [illegible] کی محتاج نہیں۔"

[illegible]

اس محبت کو محبت تسلیم کرکے انفکاک لذت پر حیرت کروگے یا اس محبت کو محبت تسلیم نہ کروگے"۔
محمود۔" یقیناً میں اس محبت کو محبت نہ کہوں گا بلکہ اسکو صرف اک عارضی جذبہ پسندیدگی کہوں گا"
شہاب۔ بالکل صحیح۔ دیکھو پھر اپنے مسلمات سے انکار نہ کردینا۔ تم تسلیم کرچکے ہو کہ محبت سے لذت جدا نہیں ہوسکتی اور اگر ہوجائے تو محبت نہیں یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ محبت کا مدعی کبھی اس امر کو گوارا نہیں کرسکتا کہ اُسکی لذت اس سے چھین لی جائے۔ اور اگر گوارا کرے تو اسکا دعوائے محبت و عشق غلط ہی۔
محمود۔" ہاں، ہاں، میں کیا اک زمانہ اسکو تسلیم کرتا ہی۔
شہاب" اب یہ بتاؤ کہ اسوقت تک سکینہ سے تمھاری جدائی تمھارے لئے باعثِ اذیت ہے یا باعث لذت؟
محمود۔ ذرا غور کرکے "یقینا باعث تکلیف ہی۔
شہاب" کبھی اسپر بھی غور کیا ہے کہ وہ تکلیف کیوں ہے، اُسکا تعلق محبت سے ہی یا نہیں، ظاہر ہے کہ تکلیف اسی لئے ہوئی کہ تمھیں اُس سے محبت ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہوگیا کہ اس وقت تک جتنا زمانہ تم نے فراق سکینہ میں بسر کیا ہی وہ زمانہ محبت سے خارج تھا۔ ورنہ تم کو کبھی تکلیف نہ ہوتی کیونکہ تم خود تسلیم کرچکے ہو کہ محبت سے اگر لذت جدا ہوجائے تو وہ محبت نہیں"
محمود۔" (پریشان ہوکر) نہیں میرا یہ مطلب نہیں......"
شہاب۔" ذرا صبر کرو۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تکلیف ہونا دوسری چیز ہے اور انفکاک لذت دوسری چیز علی الخصوص اسوقت جبکہ محبت کی اذیت کو بھی لذت قرار دیدیا جائے۔ یہ درست ہی۔ لیکن پھر میں یہ سوال کرونگا کہ اگر سکینہ کوئی ایسی چیز ہوتی جسکے ملنے کا تم کبھی خیال بھی دل میں نہ لاسکتے۔ تو کیا اسوقت بھی اُس کی جدائی تمھارے لئے باعث اذیت ہوتی؟
محمود۔" ظاہر ہے کہ اس صورت میں جب کہ میں کوئی آرزو قایم نہ کروں عدم تکمیل آرزو سے کیا تکلیف ہوسکتی ہی"
شہاب۔ اس سے معلوم ہوا کہ یقیناً تم نے سکینہ سے صرف اس لئے محبت کی کہ اُسکو تم قابلِ حصول چیز سمجھتے تھے، ورنہ شاید تمھیں محبت نہ ہوتی۔ (باقی آیندہ)

نیاز۔ فتحپوری

گیری بالڈی

اطالیہ کا مشہور محب وطن

اب سے ساٹھ سال پہلے تمام یورپ عموماً ظلم و تعدی کا مرکز بن رہا تھا اور آسٹرین جور و ستم تو شجر علم کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے۔ حریت کا گلا گھونٹنے۔ ضمیر کو مردہ کرنے اور جہل کی روز افزوں ترقی کا سبب خاص طور پر بنا ہوا تھا۔ اس مصیبت و ابتلا کے زمانہ میں خاک یورپ سے ایک بہادر اُٹھا جس کو اُسکے ہمعصر اپنے عہد کے "بطل وحید" (ہیرو) کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ گیری بالڈی تھا جسکی قسمت میں "ایک ہزار شجیع" فداکاران قوم کی سرداری لکھی تھی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے تیغ حریت سے استبداد کی بیڑیاں کاٹیں اور ملک کو استبداد کے پنجے سے آزاد کرایا۔

گیری بالڈی کے واقعات زندگی پڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اطالیہ کی عبرت انگیز داستان کا کچھ حصہ بیان کردیا جائے۔ اسکی داستان کا سننا قلق انگیز ہوتا اگر اب بھی وہ اسی حال میں ہوتی جس میں وہ پہلے تھی۔ لیکن اب اس کے بُرے دن گذر گئے اور وہ دنیا کی ایک متحد و آزاد قوم مانی جاتی ہے۔ اطالیہ جو کبھی دنیا پر حکمران تھی اپنے ظلم و استبداد کی بدولت دریائے بیکسی میں ڈوب گئی۔ سلطنت روم پر وحشیوں نے حملے شروع کئے۔ اور افسوس کہ حملہ آوروں کے بحر کامرانی میں وہ غرق ہو کر برباد ہوگئی۔ گاتھ۔ ملبارڈ۔ فرانسیسی۔ اور جرمن اقوام نے یکے بعد دیگرے اسپر تاخت و تاراج کی۔ اور زوال سلطنت کے بعد دنیا کے اس خوبصورت خطہ میں صدیوں خاک اُڑتی رہی۔

ایک زمانہ بعد پھر شہر آباد ہونے لگے لیکن اب زمام حکومت خود سر و سنگدل امرائے ملت کے ہاتھ میں تھی اس عہد میں سائنس اور دیگر علوم و فنون از سر نو زندہ ہوئے جن میں اہل اطالیہ نے لاثانی ترقی کی ہر شہر میں جمہوری حکومت تھی اور تمام سلطنتیں ایک دوسرے کی حلیف تھیں۔ ان حلیف ریاستوں میں فلورنس۔ جنیوا۔ پیسہ۔ اور وینس بھی شامل تھے یہ شہر اس زمانہ میں جبکہ یورپ کے دوسرے ممالک دار الجہل تھے عجیب ترین قطعات اراضی شمار ہوتے تھے اور دنیا کے لئے سبق آموز نمونہ تھے۔

جو فوج سے کام لینے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ چونکہ یہ لوگ ملازم تھے اس لئے انھیں رفتہ رفتہ مالک بن جانے کا موقع ملا۔ اس طرح اسپینی اور فرانسیسی۔ جرمنی حتی کہ "قابل نفرت ترک" بھی حاکمانہ تجبر و غرور سے زمین اطالیہ پر مصروف گلگشت نظر آنے لگے۔ روحِ محکومی قوم میں حلول کرگئی تھی اور مسلسل تکالیف و غیر منقطع مصائب اسکو جدا تنگ کررہے تھے۔ جب نپولین اپنی افواج کوہ الپس سے لے جارہا تھا تو اُس نے ملک کو چھوٹے چھوٹے حکمرانوں میں منقسم پایا نیپلز میں ایک ظالم بوربن خاندان برسر حکومت تھا۔ روم اور اسکے گرد و نواح پر پاپائے روم کی حکومت تھی۔ پانچ چھوٹی جمہوری ریاستوں کے علاوہ متعدد ایسے شہر بھی تھے جہاں صرف امرا حکومت کررہے تھے۔ اور ظالم آسٹرین فرمانروا لمبارڈی پر حکمراں تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب نپولین نے خودسر شخصی حکومتوں کا خاتمہ کرکے اپنے شاہ اطالیہ ہونیکا اعلان کیا اسکے زوال کے بعد ویانا کانگریس نے پھر ایکبار اطالیہ کو اسکے ظالم حاکموں کے پنجۂ ستم میں دیدینے اور وینس اہل آسٹریا کو سپرد کردینے کا فیصلہ کرکے معاملات کو بد سے بدتر کردیا۔ جو حکمراں اسپر مسلط کئے گئے تھے ان سب میں شاید نیپلز کا بادشاہ ہی زیادہ ظالم و وحشی تھا۔ جسکے عہد حکومت میں جاسوسی عام تھی۔ اور جو تلوار۔ تفنگ و خونریزی ہی سے حکومت کرنا جانتا تھا۔ اور جس نے اپنی رعایا پر حکومت خوداختیاری کا سایہ تک نہیں پڑنے دیا اور جسکی یہ کوشش تھی کہ رعایا کو حصولِ علم سے باز رکھا جائے اس نے وہ سب مظالم روا رکھے جو ایک خود مختار فرمانروا کرسکتا ہے۔ اسطرح اسنے انھیں سطح حیوانیت سے بلند ہونیکا موقعہ ہی نہ دیا۔

چوتھی جولائی ۱۸۰۷ء میں گیری بالڈی پیدا ہوا۔ اسکی جائے ولادت نہ تو شاہی قصر تھا اور نہ کوئی قلعہ بلکہ "نیس" (   ) کا ایک معمولی مکان تھا جہاں اسنے زندگی کی پہلی سانس لی۔ اسکا باپ تجارتی کاروبار میں لگا ہوا تھا اور اسکی ماں سخت مذہبی عورت تھی جس کی یہ خواہش تھی کہ "گیری بالڈی" پادری بنے لیکن نوجوان گیری بالڈی بجائے اسکے کہ اپنی ماں سے متفق الرائے ہو کسی کو خبر کئے بغیر ساحل سمندر پر پہنچا۔ اسنے ملاحوں سے دوستی کی اور انھیں اس بات پر رضامند کرلیا کہ اسکو وہ اپنی کشتی پر لے جاکے تیرنا سکھائیں اور وہ سب کچھ جو ایک ملاح کے لئے ضروری ہو۔ اُس نے جبر و مقابلہ اقلیدس سیکھی۔ علم ہیئت و جغرافیہ کا مطالعہ کیا۔ اور اصول تجارت سے واقفیت حاصل کی۔ وہ ابتدا ہی سے [illegible] کے ساتھ [illegible] دی تھا اس لئے اس نے

معلومات کا وہ ذخیرہ فراہم کرلیا جسکے مہیا کرنے سے مدرسہ کی تعلیم علی العموم قاصر ہے۔ جب وہ چودہ سال کا ہوا تو اُس کے باپ نے اس کو اپنے تجارتی جہاز پر بھیجدیا جہاں اُس نے گیارہ سال کے عرصہ میں "کیبن بوائے" سے کپتان کے عہدہ تک تمام مدارج طے کرلئے اور ایک بہترین کپتان بن گیا کچھ دنوں بعد اُس نے ملکی تاریخ کا مطالعہ شروع کیا جسنے اُسکے دل کو اس خواہش سے بھردیا کہ ملک کو قید غلامی سے رہائی دلائے۔ اور لوگ بھی تھے جن کے دل بھی اس تمنا کو پورا کرنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ یہ گروہ حزب الاحرار کے نام سے موسوم تھا۔ انھوں نے سیاسی فریب کاریوں اور عسکری امداد سے غلامی کی ان بیڑیوں کو کاٹنے کی کوشش شروع کی جو ملک کے پائے آزادی میں پڑی تھیں۔ اگرچہ ان میں شجیع۔ مآل اندیش۔ فداکار و محب الوطن تو لائے سیاسیہ کا قحط الرجال نہ تھا جنکی نظریں حصول حریت کے لئے تلوار پر پڑتی تھیں مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسمیں گیری بالڈی کی طرح تمام صفات ایک ساتھ جمع ہوگئے ہوں۔ یہ سچ ہے کہ پڈمانٹ اور سرڈینیا کے متحدہ دار الشوریٰ ملی میں "کیور" دکیل حریت موجود تھا۔ "میزنی" دلدادہ آزادی بھی تھا۔ "پینیزری" بھی تھا جسکو اسکے جوش حریت خواہی نے جلا وطن کرایا۔ "میانن" فاتح وینس بھی تھا۔ چھوٹا آتشخوار سپاہی "نوبکسو" بھی تھا۔ اور پادری سرلوری" بھی جو فلسفیانہ مذاق کے ساتھ روح عسکریت بھی رکھتا تھا۔ انکے علاوہ اور ایسی بیسیوں ہستیاں تھیں جو اس استبداد کے زمانہ میں غیر فانی اوراق تاریخ پر متحرک نظر آتی تھیں لیکن صرف گیری بالڈی وہ شخص تھا جسکی زندگی کا ایک لمحہ ایک ایک صدی کے برابر تھا۔ وہ خوبصورت و متوسط القامتہ تھا۔ اسکا سینہ کشادہ و مضبوط۔ کندھے چوڑے تھے بال بھورے اور چمکدار جو اسکی شرافت نما پیشانی پر لہرایا کرتے۔ آنکھیں ہلکے بھورے رنگ کی تھیں۔ اور چمکدار۔ اسکی فطرت میں شعریت تھی اور آواز میں موسیقی۔ یہ کہنا کہ وہ بہت بڑا عقلمند تھا درست نہوگا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ وہ ذکی تھا اور بادشاہ۔ شہزادے امراء اور جنگجو سب اس سے بہ مساوات پیش آتے تھے۔

وہ حریت اطالیہ کا روح رواں تھا۔ اطالیہ نے شاید اس سے زیادہ بہادر دوسرا نہیں پیدا کیا۔ اتحاد اطالیہ اسکی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ عمر کی چھبیس منزلیں طے کرنے کے بعد اسنے تکمیل مقصد کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔ وہ پڈمانٹ اور سرڈینیا کے متحدہ محکمہ بحری میں داخل ہوا

تاکہ ملاحوں اور افسروں کو جمہوریت کی موافقت میں علم بغاوت بلند کرنے کی ترغیب و تحریص دے۔ اسکو امید تھی کہ جمہوریت قائم ہوکے رہیگی۔ یہ باعث تحیر ہے کہ اُس نے آغازِ تحریک پڈمانٹ اور سرڈینیا کے اس خطہ ارضی پر کی جہاں اس کے کامیاب ہونے سے یاس تھی۔ جنیوا مرکز بغاوت قرار پایا۔ اب ہم پڈمانٹ اور سرڈینیا کی حالت کو زیادہ شرح و بسط سے بیان کرکے دکھاتے ہیں کہ کیوں اُنکی حالت تعجب خیز تھی۔

سیولے (Savoy) جو اندنوں فرانس کا ایک صوبہ ہے اس زمانہ میں اٹالیہ کا ایک حصہ تھا اسکے امرا سسلی کے بادشاہ بن بیٹھے تھے لیکن اُنھوں نے کچھ عرصہ بعد سرڈینیا کو سسلی سے بدل لیا۔ اسطرح وہ پڈمانٹ کے شہزادے اور سرڈینیا کے بادشاہ ٹھہرے۔ متحد اطالیہ کا موجودہ بادشاہ اسی خاندان سے ہے۔ گیری بالڈی نے جنیوا میں جو سرڈینیا سے ملحق تھا اپنے ہم خیال و ہم مذاق افراد کے ساتھ ملکر بغاوت پھیلانیکا کام شروع کردیا ۱۸۳۴ء کی ایک صبح کو جبکہ وہ ساحل پر یہ دیکھنے جا رہا تھا کہ حالات کس طرح روبہ ترقی ہیں اُس نے ایک آواز سنی جسکا مفہوم یہ تھا کہ "بھاگ جاؤ کہ راز فاش ہوگیا" یہ سنکر وہ فرار ہونے پر مجبور ہوا اور کسان کا بھیس بدلکر اپنے وطن ناس سے ... پہنچا۔ جب وہ مارسلز سے گزر رہا تھا تو اُس نے ایک اخبار میں یہ خبر ہے ہم اشتہار پڑھا کہ جہاں کہیں بھی وہ ملے فوراً قتل کردیا جائے۔ اسطرح ایک اشتہاری مجرم کی حیثیت میں گیری بالڈی پبلک سے روشناس ہوا۔

اٹلی میں چارہ کار نہ پاکر گیری بالڈی امریکہ بھاگ گیا جہاں اُس نے جنوبی امریکہ کی جمہوری ریاست میں نہایت عجیب وحیرت انگیز کام کئے۔ اگر اسکے حیرت انگیز کاموں کا تذکرہ کیا جاسکے تو ایک کتاب تیار ہوسکتی ہے لیکن یہاں [illegible] مضمون سے تعلق ہے۔ گیری بالڈی [illegible] اختیار کی تاکہ انہیں ظالموں کے دستِ ستم سے بچائے وہاں وہ ایک قابل امیر البحر [illegible] زبردست بیڑوں کو چھوٹے بیڑوں سے شکست دیکر اپنے کمزور سلطنتوں کو زبردست طاقتوں کے دست تطاول سے محفوظ رکھا۔ جب اسکو شہروں کے لوٹنے اور اسیرانِ جنگ کے قتل کرنیکا حکم دیا گیا تو اسنے اسکی تعمیل کرنے سے انکار کردیا [illegible] لیکن اس انکار کی

پاداش میں اسکو قید کردیا گیا۔

برازیل میں اُسنے ایک خوبصورت ومحبت سرشت لڑکی "اینٹیا ریویرا ڈی سلوا" نامی سے شادی کی جسنے زندگی بھر ایک سچی رفیقۂ زندگی بن کر اقبال و ادبار۔ فلاکت وخوشحالی اور جنگ و امن میں اسکا ساتھ دیا۔

اس پرآشوب زمانہ میں چند پرجوش بہادر اطالی جنوبی امریکہ میں گیری بالڈی سے آملے۔ باوجودیکہ انکے اشغال بڑھے ہوئے تھے۔ پھر بھی وطنِ محبوب کی یاد اُن کے دل سے فراموش نہ ہوتی تھی۔ اور گیری بالڈی کی طرح وہ سب یقین رکھتے تھے کہ انھیں ایک نہ ایک دن خدمتِ ملکی کا موقعہ ضرور ملیگا۔ اور وہ اپنے وطنِ محبوب کو آزاد کرا کے رہینگے۔ بالآخر وہ دن آہی گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قریبًا نصف یوروپ شخصی حکومت اور ظالم حکمرانوں کے خلاف آمادۂ حرب و پیکار تھا۔ گیری بالڈی نے اپنے صرف ۸۵ جانباز رفیقوں اور دو چھوٹی توپوں کے ساتھ اطالیہ کی طرف مراجعت کی۔ اور جولائی ۱۸۴۸ء میں وہ اپنے مسقط الراس نیس (Nice) پہنچا اسکے آنے کی شہرت نئی دنیا (امریکہ) سے بڑھکے پُرانی دنیا (یورپ) میں اسکے ورود سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ جہاں اسکا خیرمقدم بڑے جوش وخروش سے کیا گیا۔ گیری بالڈی اس بادشاہ سے ملنے کے لئے دوڑا گیا جسنے پندرہ سال پہلے اسکو اشتہاری مجرم بنایا تھا۔ اسنے اب بھی گیری بالڈی سے نہایت سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ اسکو اور اُسکے رفیقوں کو بصد دقت لمبارڈی کی اس مختصر فوج میں جگہ ملی جو سرڈینیا کی اعانت پاکر آسٹریا سے اسکی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے لئے لڑ رہی تھی آسٹرین فوج ایسی زبردست تھی کہ اسنے اس مختصر لمبارڈی فوج کو کاٹ کے رکھدیا باوجود ضعف وشکست کے گیری بالڈی اور اسکے ساتھی حرّیت و آزادی کے لئے لڑے جاتے تھے۔ بادشاہ کو لمبارڈی میں شکست مل چکی تھی۔ اور وہ ڈر رہا تھا۔ کہ کہیں پیڈمانٹ بھی اسکے ہاتھ سے نہ نکل جائے یہی سبب تھا کہ اسنے آسٹریا سے صلح کرلی۔ اس کے اس طرز عمل نے گیری بالڈی کو غیظ وغضب سے بھردیا۔ اور اسی جوش میں اسنے یہ اعلان جاری کیا کہ بادشاہ ظالم و غدار ہے اب شاہی جنگ ختم ہوچکی۔ بس قوم کو اپنے تحفظِ حقوق کی خاطر جنگ شروع کرنا چاہیئے۔ اُس نے چند حملے نہایت جرأت و دلیری سے کئے لیکن ہر بار اسکو پسپا ہی ہونا پڑا۔ بالآخر اُسنے خاموشی اختیار کی

اب روم میں جہاں پاپائے روم حکمران تھا ایک تحیرزا واقعہ معرض ظہور میں آیا یعنی پیس عظم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا۔ اور اسکو مجبوری وہاں سے بھاگ جانا پڑا۔ اسکے فرار ہونے کے بعد روم میں قیام جمہوریت کا اعلان کردیا گیا بنپلز اور فرانس کی ان متحدہ فوجوں کی مدافعت کرنیکی غرض سے جنھیں نپولین ثالث جمہوریت کا خاتمہ کرنے کے لئے بھیج رہا تھا۔ گیری بالڈی بعجلت ممکنہ روم پہنچا۔ اُسنے نپولین کی فوج کو شکست دی اور فرانسیسی فوج کا سخت نقصان جان ومال کیا۔ لیکن فرانسیسیوں نے شہر کا بھاری توپخانوں سے محاصرہ کرلیا اور ایک محاربۂ شدید کے بعد شہر ساقط ہوگیا۔

جب وہ سب کچھ جو ہونا تھا ہوچکا تو گیری بالڈی اور اُسکے رفیقوں نے ہتھیار ڈالہ ذلت تصور کیا اور شہر سے نکل گئے۔ گیری بالڈی کی جاں نثار ورفیق زندگی بی بی اسکے ساتھ تھی۔ اگرچہ وہ اسوقت مبتلائے مرض تھی لیکن اسنے اپنے شوہر کا ساتھ نچھوڑا بلکہ اپنے بال کٹوادیئے اور مردانہ لباس میں شوہر کے پہلو بہپلو شہر سے نکل آئی۔ ایک بہادر انگریز کرنل فوربس اپنے چند شکستہ حال سپاہیوں کے ساتھ گیری بالڈی سے آملا۔ اور وہ سب کے سب پہاڑوں کے دامن میں چلے گئے جہاں شاہی فوج کے ایک حصہ نے انکا تعاقب کیا۔ گیری بالڈی کچھ عرصہ کے لئے اپنی فوج سے جدا ہوا۔ اسکی غیر حاضری کے زمانہ میں اسکی شکستہ حال فوج پر حملہ کیا گیا باوجودیکہ انیٹا اور کرنل فوربس نے فوج کو لڑانے کی کوشش کی لیکن فاقہ زدہ رضاکاروں کے پیر اُکھڑ ہی گئے۔ جب گیری بالڈی واپس آیا تو اُسنے بقیۃ السیف کو الگ کردیا۔ جنھوں نے ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔ انھیں لیکر وہ ساحل پر پہنچا جہاں سے وہ سب تیرہ کشتیوں پر سوار ہوکر وینس روانہ ہوئے۔ جہاں "منیانن" ابتک استقامت وپامردی سے آسٹریا والوں کے مقابلہ میں دادِ مردانگی دیرہا تھا۔

جب یہ گروہ وینس پہنچا تو اسوقت مطلع صاف تھا اور چاند آسمان پر پوری روشنی کے ساتھ فضائے عالم اور دنیا کو بقعۂ نور بنائے ہوئے تھا۔ چاند کی شفاف روشنی میں آسٹریا کے جنگی جہازوں نے جو شہر پر آتشباری کررہے تھے انھیں دیکھ لیا۔ چار کشتیاں یا تو گرفتار کرلی یا ڈبودی گئیں۔ گیری بالڈی بچ گیا اور اپنے ساتھ اپنی زوجہ کو بھی بحفاظت لے گیا۔ جو اسوقت

[illegible]

گیری بالڈی، اشتہاری مجرم ہونے کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ چھپتا پھرتا تھا اسکے سر کے لئے معقول انعام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک خوفناک شخص مشہور ہو جانے کی وجہ سے حکومت پڈمانٹ اسکو پناہ نہیں دے سکتی تھی۔ اس لئے سلطنت نے اسکو وہاں سے چلے جانیکا حکم دیا سرڈینیا کے دارالشوریٰ ملی نے یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ گیری بالڈی کا اخراج و فرمان کی تعمیل کرنا اصولِ قومیت کی بربادی اور عظمتِ اطالیہ کی سخت توہین ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسپر کبھی بھی عمل نہیں کیا گیا۔

ایک طویل آوارہ گردی کے بعد گیری بالڈی پھر امریکہ پہنچا جہاں اسنے ایک چربی بتی بنانے والے کی ملازمت اختیار کی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ شخص جو یورپ میں ایک عظیم آتش افروزی کا باعث ہونیوالا تھا۔ اسطرح ایک غریب کی طرح اپنا پیٹ بھرنے پر مجبور ہو گیا! خوش قسمتی سے اسکے ایک اطالی دوست نے اسکو اس حالت میں دیکھا اور ایک چھوٹے تجارتی جہاز کا افسر مقرر کر دیا۔ اس طرح اسکو دنیا کے اکثر حصوں کی سیاحت کا موقع ملا۔

دورانِ سفر میں وہ ایک مرتبہ لندن پہنچا جہاں مسٹر [illegible] سے ملاقات ہوئی جسنے اسکو اطالیہ پر آسٹریا کے ظلم توڑنے کی پُر الم داستان کہہ سنائی۔ گیری بالڈی زمانہ قیام میں اپنے حلقہ دوستی و شناسائی کو لندن میں وسعت دینے کی کوشش کرتا اور کامیاب ہوتا رہا۔ جب وہ اپنے دوسرے سفر میں کوئلہ لینے کے لئے نیو کیاسل گیا تو وہاں کے مزدوروں اور کان کنوں نے اسکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اسکا شاہانہ خیر مقدم کیا اور اسکو ایک تلوار پیش کی جو ان کی گاڑھی کمائی سے ایک ایک پیسہ چندہ دیکر خریدی گئی تھی۔

اس سے کہا گیا کہ ہر ایک پیسہ حریت پرور دل کے لئے بیقرار ہے۔ گیری بالڈی نے نہایت عمدہ انگریزی میں ایک مختصر مگر فصیح جوابی تقریر کی جو پیشین گوئیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اسنے کہا کہ ایک دن اطالیہ متحدہ قوم ہوکے رہیگی۔ گیری بالڈی اور ان عاشقانِ حریت کے لئے جو حالی انگلستان میں محنت سے روزی کماتے تھے درحقیقت وہ دن دلکش و قابلِ یادگار تھا۔

اگرچہ حکومت پڈمانٹ نے آسٹریا کے خوف سے گیری بالڈی کو علانیہ پناہ دینے کی جراٴت نہیں کی تاہم اطالیہ میں وہی ایک ایسا خطہ تھا جہاں ابتک آزادی باقی تھی۔ اور آوارہ گرد حریت خواہ

مجرم اسپر ایسی ہی محبت بھری نظر ڈالتے تھے جیسا کہ خود اپنے وطن پر۔ جسوقت گیری بالڈی ۱۸۵۴ء میں واپس ہوا تو بہادر اہلِ سرڈینیا کو جنگِ کریمیا میں مصروف پایا۔ اسکی واپسی کے ایک سال بعد اسکے بھائی نے چودہ سو پونڈ چھوڑ کر انتقال کیا۔ گیری بالڈی نے اپنے پس انداز روپیہ کو اس میں شریک کر کے سرڈینیا کے انتہائے شمال میں خوبصورت جزیرہ کیپریرا کا نصف حصّہ خرید لیا جہاں اسنے ایک منزلہ مکان تعمیر کیا اور اپنے بچوں کو لیکر زراعت کرنے لگا۔

اب اہم واقعات کے معرضِ ظہور میں آنیکا زمانہ قریب آپہونچا۔ شاہ سرڈینیا اور ریڈ پانٹ نے نپولین ثالث شاہِ فرانس سے طرح مفاہمت ڈالی جس نے یہ وعدہ کیا کہ اگر آسٹریا اسپر حملہ آور ہو تو وہ اسکی مدد کرنے سے پہلو تہی نکریگا۔ آسٹریا نے حسبِ معمول جنگ چھیڑی اور فرانس حسبِ وعدہ اس سے گتھ گیا جسکا نتیجہ آسٹریا کی شکست میں برآمد ہوا۔ خاتمہ جنگ پر فرانس نے آسٹریا سے ملبارڈی لیکر سرڈینیا کے حوالہ کی اور خود اُس نے اس بیش قیمت اعانت کے صلہ میں سیوائے (Savoy) اور نیس (Nice) ہتھیا لئے۔ جب گیری بالڈی کو یہ معلوم ہوا تو وہ حزن والم سے چلا اُٹھا کہ میں اپنے ہی وطن میں اب اجنبی ہوں۔ وہ اس واقعہ سے دل شکستہ نہیں ہوا بلکہ اسنے اتحادِ اطالیہ کی کوشش جاری رکھی۔ اسکا دل خوشی سے پھول گیا جب بعض ظالم امرا کو اپنے اسٹیٹ سے محروم کر دیا گیا۔ اور ان کے اسٹیٹ سلطنتِ سرڈینیا میں ضم کر دیئے گئے۔ جہاں وکٹر امانوئیل برسر حکومت تھا۔

۱۸۴۸ء میں سسلی میں بغاوت ہوئی جسکو ظالم فرمانروائے نیپلز نے نہایت وحشیانہ طور پر فرو کیا۔ ۱۸۶۰ء میں اہل اسلام نے تیغ استبداد شکن دوبارہ علم کی تاکہ ہمیشہ کے لئے بوربن خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ انھوں نے گیری بالڈی کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا۔ اب ایک عجیب منظر یورپ کے پیش نظر تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ گیری بالڈی دلدادہ جمہوریت نہیں رہا تھا اسپر اس حقیقت کا انکشاف ہو چکا تھا کہ اتحاد اطالیہ صرف شاہ سرڈینیا کی زیر حکومت ہی ممکن ہے پس اُس نے علم حریت وکٹر امانوئیل کے نام سے بلند کیا لیکن اس کے اس طرز عمل نے بادشاہ اور اسکے ہوشیار وزیر کیوروں کو ہراساں کر دیا۔ اب انھوں نے ایک طرف تو بانیان شورش کو پست ہمت کرنے کی بظاہر کوشش کی بدیں خیال کہ اگر یہ شورش ناکام ثابت ہو تو ان پر

کسی قسم کا الزام نہ عاید کیا جاسکے۔ اور دوسری طرف خفیہ طور پر اُنھوں نے اُن کی حوصلہ افزائی کی تاکہ اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو جدید اطالیہ کے لئے سودمند ہو۔

گیری بالڈی کی انقلاب انگیز ساعات زندگی آپہنچیں۔ جنیوا میں اس نے اپنے "ناممکن التسخیر" "ایک ہزار شجیع" افراد کا دستۂ فوج مرتب کیا۔ ہر خطۂ ملک سے عاشقانِ حریت اطالیہ اس دستہ میں شریک ہونے کو آئے جن میں زیادہ تعداد مزدوروں کی تھی۔ ۱۵۰ وکیل۔ ۱۰۰ ڈاکٹر (جو دن میں لڑتے اور شب میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے) ۱۰۰ تاجر۔ ۵۰ انجنیر۔ ۲۰ کیمسٹ۔ ۳۰ جہاز کے کپتان۔ انجار و بت تراش۔ ۳ معزول پادری۔ اور ایک لیڈی کے علاوہ خانگی کاروبار کرنے والے مصنف اخبار نویس اور کم درجہ کے لوگ مثلاً حجام اور موچی بھی اس دستہ میں شامل تھے۔ اس دستہ نے جنیوا سے دو چھوٹے دخانی جہازوں پر سفر کیا جہاز اگرچہ خرید لئے گئے تھے لیکن مصلحت وقت نے رضاکاروں کو مجبور کیا کہ بحری ڈاکوں کی طرح نصف شب میں ان کو گرفتار کرلیں یہ لوگ بغیر سامانِ حرب کے چلے اور اثنائے سفر میں ایک قلعے سے تھوڑا سا سامان بادشاہ کے نام سے اُنھوں نے حاصل کیا اتفاق نے عجیب طور پر انکا ساتھ دیا روس۔ فرانس۔ پرشیا۔ اور آسٹریا نے انھیں بحری ڈاکو خیال کر کے اس حد تک ان سے تعرض کیا جس حد تک کہ بحری ڈاکوؤں کی گرفتاری سے متعلق ہے ان کے بندرگاہ مارسلا میں پہنچنے سے پہلے نیپلز کے دو جنگی جہاز بیس ہزار مسلح سپاہیوں کو لیکر جزیرہ کی دوسری طرف روانہ ہو چکے تھے جہاں ان کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ خوش قسمتی سے یہ حملہ آور گروہ ان جنگی جہازوں کی واپسی سے پہلے گودی میں لنگر انداز ہوا۔ اور نہایت آسانی سے بلا مزاحمت خشکی پر اُتر گیا۔

اِن جزائر پر ہزاروں کی تعداد میں مختلف القوم و غیر متحد الملل سپاہی موجود تھے جنکا تعلق حکومت نیپلز سے تھا۔ اب گیری بالڈی کو اِن سب پر جو قلعہ بند شہروں میں تھے حملہ کرنا پڑا۔ اسکے پاس ایک ہزار سے کچھ ہی زیادہ سپاہی تھے اور سامانِ حرب ناکافی مقدار میں تھا۔ نیز سپاہیوں کے پاس بدترین قسم کی بندوقیں تھیں اس نے ایک پہاڑی موقع پر حملہ کر کے وہاں کی فوج کو شکست دی جسکا یہ نتیجہ نکلا کہ پالرمو کا راستہ ناقابل گزر طور پر روک دیا گیا۔ جو نہایت ضروری اقدام تھا۔

اس نازک موقع پر گیری بالڈی نے حملہ کرنے کی جو کوشش کی وہ اسی کا حصہ تھا۔ اس نے ایک چھوٹے دستۂ فوج کو ایک طرف روانہ کیا اور خود بقیہ فوج کے ساتھ ایک چکر دار پہاڑی راستہ سے اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ دشمن نے یہ خیال کرکے کہ وہ فوج ایک قصبہ پر جو پالرمو سے فاصلہ پر ہے قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ اسکا تعاقب کیا۔ اس فوج کو جسے دشمن اپنا شکار خیال کرکے تعاقب کر رہا تھا آگے بڑھتا چھوڑ کر نصف شب میں گیری بالڈی نے ایک پوشیدہ راستہ سے بعجلت ممکنہ مراجعت کی اور دشوار گزار چڑھائی چڑھ کر پالرمو میں پہنچ گیا۔ جہاں کسانوں کا ایک باغی گروہ اس سے آملا۔ اور وہ سب اس دروازہ سے جہاں مدافعت کا کوئی انتظام نہ تھا لڑتے بھڑتے اندر داخل ہو گئے۔ اندر گلیوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ جس میں عوام الناس نے گیری بالڈی کا ساتھ دیا۔ قسمت اور اتفاق گیری بالڈی کے طرفدار تھے اگرچہ شہر میں پچیس ہزار باقاعدہ فوج موجود تھی کافی مقدار میں سامان حرب کے علاوہ ایک ایک جنگی بیڑہ بھی بندرگاہ میں لنگر انداز تھا۔ مگر یہ سب بیکار ثابت ہوا کیونکہ قواعد عسکر و اصول جنگ پر بدنظمی سے عمل پیرا تھا۔

گیری بالڈی کے سپاہیوں نے جابجا مورچے قائم کرکے عفریتوں کی طرح جنگ کی لیکن سامان حرب ان کے پاس ختم ہونے کو تھا۔ اس نازک وقت میں حاکم شہر نے ایلچی بھیجا۔ اور فوراً عارضی صلح ہو گئی۔ شرائط صلح پر بحث ہوئی۔ جسکا یہ نتیجہ نکلا کہ شہر گیری بالڈی کی حسب خواہش خالی کر دیا گیا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک غیر مسلح گروہ نے ایک باقاعدہ مسلح فوج پر فتح پائی: پالرمو کا پایۂ تخت اس عجیب طریقہ سے گیری بالڈی اور اسکے مٹھی بھر ساتھیوں نے بڑی اور باقاعدہ فوج سے لڑکر لیا۔

تین مہینے سے بھی کم عرصہ میں تمام سسلی آزاد تھی۔ رضاکار ہزاروں کی تعداد میں آنے لگے ہتھیار بھی فراہم ہوئے اور رقم بھی جمع ہو گئی اور گیری بالڈی نے انکا بہترین استعمال کیا۔ وہ اپنی فوج کا حقیقت سے زیادہ اندازہ لگاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہی اسکا روح رواں تھا اور صرف اسی میں اسکے قائد ہونے کی قابلیت تھی بعض تو اسکو مادیت سے منزہ تصور کرتے تھے لیکن عام طور پر وہ ایک بڑا آدمی مانا جاتا تھا۔ جب تمام سسلی آزاد ہو چکی، تو اس نے نیپلز کی طرف توجہ

کی جسکو ابتک ایک بہادر فوج بچائے ہوئے تھی۔ وہ تنہا گیا اور ایک نکسیر بھی پھوٹے بغیر شہر اور بیڑہ پر قبضہ کرلیا۔ اب اس نے شاہ سرڈینیا کے شاہ اطالیہ ہونے کا اعلان کیا۔ جب اس کا یہ عظیم الشان کام ختم ہوگیا تو وہ کچھ غلّہ اور روپیہ لیکر اپنی جائے سکونت جزیرہ کیپریرہ کو واپس چلا گیا۔ اگر وہ چاہتا تو بادشاہ بن سکتا تھا۔ مگر نہیں۔ اُس نے اڈریاٹک کے اس چھوٹے جزیرہ پر شاہی کو ترجیح نہیں دی۔ اب صرف روم اور وینس کا الحاق باقی تھا آسٹریا اور پرشیا کی جنگ کے بعد وینس کا الحاق ہوگیا۔ اور ۱۸۷۰ء میں ایک اطالی فوج روم میں داخل ہوئی اور وہ متحدہ اطالیہ کا دارالخلافہ قرار پایا۔

گیری بالڈی نے ۱۸۷۰ء میں جرمنی سے فرانس کی حمایت میں جنگ کی یہ سچ ہے کہ اس نے اس لڑائی میں بڑا حصہ نہیں لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ فرانسیسی فوج کا قائد تھا اور ایسا قائد کہ جسکی فوج کو جرمنی شکست دے سکی۔ اب گیری بالڈی نے دوسری مظلوم قوموں کی طرف توجہ کی۔ اس نے آخر عمر میں کچھ ایسے کام بھی کئے جنکی وجہ سے وہ مبتلائے غربت ہوگیا اگرچہ اطالیہ کے دارالشورے نے اسکو سالانہ ایک ہزار پونڈ کا وظیفہ اور ایک مشت چالیس ہزار پونڈ دینا چاہا مگر اس نے لینے سے انکار کردیا۔ لیکن جب اس کے مداح اور محبت کرنے والے انگریز دوستوں نے اسکو جزیرہ کا وہ نصف حصہ جس کو وہ نہیں خرید سکا تھا خرید کر بطور تحفہ دیا تو اُس نے بطیب خاطر اسکو قبول کرلیا۔

مرنے سے پہلے وہ لندن گیا تھا جہاں اسکا ایک ہیرو کی طرح خیر مقدم کیا گیا۔ تعریف و خوشامد نے اسکو کبھی مغرور نہیں کیا "ایک ہزار شجیع سپاہیوں کے لیڈر کی حیثیت سے وہ ہمیشہ ایک فراخ جُبّہ۔ بھورے رنگ کا پتلون اور سرخ قمیص پہنا کرتا وہ لندن میں بھی اسی لباس میں رہا جہاں بڑے سے بڑا شخص بھی اسکی عزت کرنا فخر سمجھتا تھا۔

گیری بالڈی آخر عمر میں زخموں کی تکلیف اور بیماری کی شدت سے عاجز آگیا تھا۔ جب کبھی وہ باہر نکلتا تو ایک بادشاہ کی طرح اسکی تعظیم کی جاتی تھی۔ اسکا کام اہم اور شریفانہ تھا جسکو پورا کرنیکے بعد اس نے بمقام جزیرہ کیپریرا ۲ جون ۱۸۸۲ء میں انتقال کیا۔

مرزا احمد اللہ بیگ ماہر حیدرآبادی

تلاشِ عیش

بسلسلۂ ماہ نومبر ۱۹۱۷ عیسوی

(۱۱)

بلقیس نے کوئی کوشش حسینہ کو طلاق دلانے کی اُٹھا نہ رکھی۔ مگر کوئی نتیجہ نہوا۔ مولویصاحب ایسے بیوقوف نہ تھے کہ اپنے ہاتھ سے ترپ کا پتہ پھینک دیتے انصاف کی بات بھی ہے کہ کیوں ایسا کرتے۔ حسینہ نے اُنکے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ مانا کہ وہ سختی کا برتاؤ کرتے تھے لیکن اسکے جواب میں حسینہ نے بھی کچھ کم سختی نہیں کی جو قانونی حق اُنکو حاصل تھا اُسے کیوں چھوڑتے حسینہ کو مولویصاحب کی شکایت کرنا بیجا تھا۔ اگر اُسے کوئی شکایت ہوسکتی تھی تو شرع کے خلاف ہوسکتی تھی کہ اُسنے عورتوں کو مجبور کردیا ہے۔

بلقیس۔ حسینہ تم ہی اب بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ مولویصاحب کے ہر دوست کو آمادہ کیا کہ ایسا صلاح دیں کہ طلاق دیکر اس قصہ کو دور کریں۔ اور سب لوگوں نے واقعی دل سے کوشش بھی کی کہ ایسا ہوجائے۔ مگر وہ کوئی ناسمجھ تو ہیں نہیں گرگِ جہاں دیدہ ہیں وہ کیوں راضی ہوتے ہر شخص کی صلاح کو ہنس کے ٹالدیا۔ یہاں تک اُنسے کہا گیا کہ اگر اونچ نیچ ہوجائے تو آپ کی ناک کٹے گی۔ ہر ایک یہی کہیگا کہ فلاں کی بیوی نے ایسی حرکت کی۔ آپ ہر شخص کے سامنے کرکے سنانے بیٹھینگے کہ میں نے اُنکو چھوڑ دیا ہے؟ وہ دوسرے گھر میں ہیں مجھے ان پر کوئی اختیار نہیں ہے؟ آپ اپنے ناموس کا پاس کیجئے۔ ان سب باتوں کے جواب میں وہ چپکے سے یہ کہدیتے ہیں "میں لونڈا نہیں ہوں کہ سمجھانے بجھانے میں آجاؤں جاؤ اپنا کام کرو"

حسینہ:- بڑے ماموں سے اُسدن جو گفتگو ہوئی تھی تمہیں یاد ہے۔

بلقیس۔ بچا ابا سے؟ ہاں یاد کیوں نہیں ہے۔ اُسدن تو معلوم ہوتا تھا کہ تم بہت کچھ کروگی۔ میں بھی تمہاری مدد کے لئے آمادہ ہوگئی تھی لیکن اُسدن کے بعد سے نہ تمہیں کچھ خیال نہ آیا نہ مجھ کو۔

حسینہ۔ "آدمی پر جب تک پڑتی نہیں ہے اور مجبور نہیں ہو جاتا اسوقت تک کچھ نہیں کرتا"

بلقیس نے پوچھا کہ "کیا اب کچھ کرنیکا قصد ہے"

حسینہ۔ اب مجھے کرنا ہی کیا۔ سوائے اسکے اور کیا کرونگی۔

بلقیس۔ مگر تم جو کچھ کروگی تو لوگ یہی کہینگے کہ خود غرضی سے یہ کر رہی ہیں۔

حسینہ۔ جسکو کوئی تکلیف ہوتی ہے وہی اسکے دور کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ اس میں خود غرضی کیا ہے کہتی تو سب کچھ ہوں مگر میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

دونوں عورتیں سوچنے لگیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ حسینہ نے کچھ کہا اسکو بلقیس نے رد کردیا۔ بلقیس نے کچھ سوچا تو حسینہ کے دل کو نہ لگی۔ اسی فکر میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گذر گیا آخر کار بلقیس کے دل میں ایک بات یہ آئی کہ ایک مضمون اخبار میں لکھنا چاہیئے جس میں سچی سچی دلی باتیں ظاہر کی جائیں۔ حسینہ نے بھی اس رائے پر صاد کیا۔ بلقیس کی یہ رائے تھی کہ پہلے نام نہ لکھا جائے۔ حسینہ نے اس سے اختلاف کیا۔ اُس نے کہا کہ اگر لڑنا ہے تو کھلے خزانے لڑو۔ گمنام مضمون کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ لوگ سمجھینگے کہ کسی کے دل میں یہ بات آئی ہوگی مضمون لکھدیا۔ دل لگی ہوئی اور اصلی واقعہ کوئی نہیں سمجھے گا۔

بلقیس۔ مگر تمھارا نام ہوگا تو شہر میں بہت ہلڑ مچیگا۔ تمھارا قصہ عام تو ہو ہی گیا ہے لعنت ملامت تمھیں ہونے لگیگی اور کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔

حسینہ۔ تو بہن اس سے کب تک ڈرونگی۔

بلقیس۔ وہ تو بعد کو کچھ کہینگے پہلے تو تمہیں ہی گالیاں دینے پر آمادہ ہو جائینگی۔

حسینہ۔ یہ لوگ [illegible] دل میں دیکھتی نہیں ہو خود ہندوستانی اپنے [illegible] علومت نہیں کر سکتے۔ دوسری قوم ہم پر حکومت کرے۔ غلامی کا نتیجہ تو ذلت ہوا [illegible]

بلقیس۔ یہ [illegible] ذلت [illegible] بلکہ اپنی ذلت پر فخر بھی ہوتا ہے۔

حسینہ۔ نہیں میں [illegible] اوں گی۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو [illegible]

بلقیس۔ یہ کرو کہ پہلے ہم لوگ اپنے خیالات جمع کرلیں گے اسکے بعد وقار بھائی کو دکھلاکر اور اصلاح لیکر اخبار میں بھیجیں۔ ان سے یہ پوچھ لینگے کہ کس اخبار میں بھیجنا چاہیئے۔

یہ بات قطعی طور پر طے پاگئی۔ دوسرے دن سے دونوں کی دونوں اس کام میں مصروف ہوگئیں۔ تین دن میں مضمون تیار ہوا۔ چوتھے روز وقار کو آدمی بھیجکر بلوایا وہ پریشان ہوا کہ کیوں بلوایا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ آدمی بھیجکر بلوایا گیا ہو۔ بلقیس کی کوششوں کی اطلاع تھی۔ دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے کبھی اچھے کبھی بُرے مولوی صاحب آگئے ہیں اور زبردستی حسینہ کو لئے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کو میرے تعلقات کی خبر ہوگئی وہ سب لوگوں کو لیکر آئے ہیں اور مجھکو اور حسینہ کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں شاید طلاق کی کوئی صورت نکل آئی ہے۔ مجھے خوشخبری دینے کے لئے بلقیس نے بلایا ہے کسی ضروری کام میں مشغول تھا لیکن سب چھوڑ چھاڑ اُٹھ کھڑا ہوا اور کپڑے پہن کے بلقیس کے یہاں جانیکو تیار ہوا۔ اتفاق سے اسوقت خط بڑھا ہوا تھا۔ پہلے خیال کیا یونہی چلا جاؤں پھر کچھ سوچ کے اچکن اُتار ڈالی اور میز پر جاکے خط بنانے کا سامان نکالا اور جلدی جلدی خط بنانا شروع کیا۔ آرائش صورت صرف نسوانی کمزوری نہیں ہے۔ مرد بھی اس سے خالی نہیں ہیں خاصکر جب کسی عورت کا سامنا کرنا ہوتا ہے مسلمان فیشن ایبل مرد تو آجکل اپنی آرائش میں عورت سے زیادہ وقت اور روپیہ صرف کرتے ہیں۔ عورت کے پاس تو صرف سنگھاردان ہوتا ہے۔ اُنکو سنگھار میز کی ضرورت ہوتی ہے جس کو طرح طرح کے سامان سنگھار سے مزین ہونا ضروری ہے۔ بہرحال وقار اچھی طرح سج بن کے بلقیس کے گھر پہونچے۔ دونوں عورتیں انکے انتظار میں تھیں پوچھنے لگیں اتنی دیر کیوں کی۔ وقار نے جواب دیا "ایک ضروری کام کر رہا تھا" اگر خط بنانیکا شمار ضروری کاموں میں ہے تو واقعی ضروری کام میں مشغول تھے۔ ورنہ واقعہ تو یہ تھا کہ ضروری کام جس میں مشغول تھے اُسے تو پیغام پہونچتے ہی چھوڑ دیا تھا۔ یورپین صدق گوئی کے اعلیٰ معیار تک تو وقار کا جواب پہونچ گیا۔ لیکن ایشیائی ادنیٰ معیار سے بہت دور تھا۔

بلقیس۔ آپکو اسوقت ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے پہلے یہ وعدہ کیجئے کہ اسکو دل سے کیجئیگا

وقار۔ مجھے معلوم تو ہونا چاہیئے کہ کیا کام ہے۔

حسینہ۔ تو اسکے یہ معنی ہیں کہ اگر آپکی طبیعت کے موافق ہوا تو کیجیے گا ورنہ نہیں۔

وقار۔ نہیں یہ مطلب نہیں ہے مگر مجھے جاننا تو چاہیے کہ کیا کام ہے۔

حسینہ۔ کیا خوب تو کیا بغیر بتلائے آپسے کام لیا جائیگا بتایا تو جائیگا اس میں اصرار کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہیے کہ وعدہ کرنا منظور نہیں ہے۔

بلقیس۔ حسینہ سچ تو کہتی ہیں۔ بجائے اسکے کہ کہتے میں دل وجان سے کرونگا آپ نے ایسا جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپکے خلاف طبیعت کوئی کام ہوگا تو نہ کیجیے گا۔

وقار۔ مذاق سے کیا فائدہ بتاؤ کیا کام ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ آپ لوگوں نے بحث کرنے میں بہت مشق پیدا کی ہے۔

حسینہ۔ جی بات کو ٹالیے نہیں۔ اگر آپکو کام نہیں کرنا ہے تو صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتے۔

وقار۔ اچھا میں اپنی خطا پر نادم ہوں۔ جو الفاظ قابل اعتراض میرے منہ سے نکلے تھے واپس لیتا ہوں۔

حسینہ۔ تو آپ وعدہ کرتے ہیں کہ دل سے کام کیجیے گا۔

وقار۔ ہاں صاحب وعدہ کرتا ہوں، اگر اسکا بھی یقین نہیں تو قسم لے لیجیے

حسینہ۔ خیر اب راہ راست پر آئے۔ تو سنئے بات یہ ہے میرا ارادہ ہے کہ آپکے فرقہ یعنی مردوں کی باقاعدہ مخالفت شروع کروں۔ انکا ظلم اب برداشت کے قابل نہیں رہا۔

وقار۔ چونکہ لفظی گرفت کو آپ اپنی صحبت میں رواج دے چکی ہیں۔ اور خود ایک مثال بھی ابھی قائم کی ہے اس لئے کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ کیا کوئی نئی مثال مردوں کے ظلم کی اس قریب زمانہ میں ہوئی جس نے اس ظلم کو ناقابل برداشت بنا دیا۔

حسینہ۔ کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی لیکن پرانی باتیں کیا کم ہیں کہ نئی بات کی ضرورت ہو۔

وقار۔ مگر آپنے تو یہ کہا کہ اب برداشت کے قابل نہیں رہا۔

حسینہ کچھ پریشان سی ہوئی اسکا جواب اس سے بن نہ پڑا۔ بلقیس نے فوراً اسکی مدد کی کہا "مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ ظلم کو ظلم جاننے لگے ہیں اور اپنے کو بھی مردوں کی طرح انسان

سمجھنے لگے ہیں تو یہ ظلم برداشت نہیں ہو سکتا
حسینہ (خوش ہوکر) اپنی حبیب کا بدلہ آپ لینا چاہتے تھے۔ اگر بدلہ لیتے تو شان میں بٹہ لگ جاتا۔ مرد بھی کتنے ...... کیا میں کہوں۔
وقار۔ میں دیکھتا ہوں ہاتھ دھوکے آپ مردوں کے پیچھے پڑی ہیں۔ اگر میں نے یہ جرم بھی کیا تو اسکا تعلق مردونکے خصوصیات سے نہیں ہے کہ اس بنا پر تمام فرقہ کو آپ الزام دیں۔
حسینہ۔ (بلقیس سے) بہن یہ مردوں کے بہت طرفدار ہیں عورتوں سے تعصب سے کہتے ہیں انسے کچھ کام نہ نکلیگا۔
بلقیس۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔
حسینہ۔ تم دیکھتی نہیں ہر بات بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ آگے چلنے نہیں دیتے۔
بلقیس۔ تم دونوں کے آپس کے تعلقات دوسرے ہیں۔ جو کچھ کہنا ہو میں کہے دیتی ہوں
وقار۔ اور حسینہ دونوں شرمائے اور مسکراکے چپ ہوگئے۔ بلقیس نے اب کہنا شروع کیا "ہم لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ وہ قوانین اور رواج جنسے عورتوں پر سختی ہوتی ہے اور جنکا بیجا فائدہ مرد اُٹھاتے ہیں۔ انکو صراحت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اس سے غرض یہ ہے کہ عام توجہ اس جانب ہو شاید اسکا نتیجہ یہ ہو کہ ائین ترمیم ہو اور سختی میں کوئی کمی کی صورت نکل آئے خالی بیٹھ کر گھر میں رونے سے تو کوئی فائدہ نہوگا۔
وقار: یہ کوشش تو واقعی قابلِ تعریف ہے۔ تو پہلے کیا کیا جائے اسکا خیال آپ لوگوں نے کچھ کیا ہے۔
بلقیس۔ ہاں فی الحال تو ایک مضمون ہم لوگوں نے تیار کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ ہم لوگوں کو ایسے کاموں کا تجربہ نہیں ہے اور لیاقت بھی محدود ہے۔ آپ اس مضمون کو درست کرکے کسی پرچہ میں شایع کرا دیجئے
وقار کچھ دیر خالی بیٹھا سوچا کیا۔ اسکے بعد مضمون ہاتھ میں لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا "اسکو دیکھکر" "دور جدید" اخبار میں بھیجونگا وہ نہایت سنجیدہ اور باوقعت پرچہ ہے" دو چار گز جاکر پھر پلٹا اور حسینہ سے کہا "یہ مضمون تو کسی فرضی نام سے شایع ہوگا"
حسینہ۔ نہیں میں اپنے نام سے شایع کرا لوں گی۔

وقار۔ اس میں کیا مصلحت ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اس بیچ میں جہاں تک آپکا نام نہ آئے اتنا ہی اچھا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں آپ ایک غرض مند فریق ہیں۔

حسینہ۔ میں سمجھتی ہوں جسکو نقصان پہونچا ہو اس سے بڑھکے شکایت کرنیوالا کون ہوگا۔ یوں تو مضمون اسطرح کے اکثر نکلا ہی کرتے ہیں نقصان دہ یا فائدہ مند جو کچھ اثر ہوگا تو میرے نام سے شائع ہونے میں ہوگا۔

وقار۔ چرچہ اور بدنامی بہت ہوگی۔ اسکا خیال کر لیجیے۔

حسینہ۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ چرچہ ہو۔ اسکے سخت سخت جواب نکلیں تو جو ہو لڑائی میں لڈو پیڑے تو بٹتے نہیں۔ جب لڑنا ہے تو بدنامی اور چرچے سے کیا ڈرنا ہے۔

عورت نئے خیال کیطرف رجوع نہیں ہوتی۔ قدامت یعنی عزت پرستی اسکی زندگی میں سرایت کیے ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ کسی طرح سے چار و ناچار جب وہ راغب ہوجاتی ہے تو برہنہ شمشیر ہوجاتی ہے اصل شے پر اسکی نظر ہوتی ہے ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال مطلق نہیں کرتی حسینہ کا اب یہ ہی حال تھا کہ اُسے کسی بات کا خیال نہ تھا اس معاملہ میں چاہتی تھی کہ دنیا سے لڑے صرف نام کی نہیں بلکہ واقعی لڑائی اُسے منظور تھی۔

وقار اپنے دل میں یہ اثر لیکر گیا کہ حسینہ ایک دھن کی پکی اور پختہ خیال عورت ہے۔ اسکی بابت یہ گمان کرنا مشکل تھا۔ انسان کے اصلی خصائل واقعات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ واقعات دنیا ایک کسوٹی ہے جس پر پرکھنے کے بعد رائے قائم کرنیکا موقعہ ہوتا ہے کہ کتنے زر اور کس پایہ کا انسان ہے۔ لاکھوں انسان ایسے ہیں جن کے خصوصیات کو ابھرنے اور ظاہر ہونے کا موقعہ واقعات سے نہیں ملتا۔ انکے متعلق بالکل نہیں کہا جاسکتا کہ کیا ہیں اور کس درجہ کے ہیں۔

(۱۲)

حسینہ کا مضمون اخبار "دور جدید" میں شائع ہوا۔ اسکا عنوان اسدرجہ برانگیختہ کرنے والا تھا کہ خواہ مخواہ اسکے جانب توجہ ہوتی۔

نکاح

یعنی غیر منصفانہ معاہدہ مرد کا عورت کے ساتھ حقوقِ انسانیت
کی تذلیل۔ بیسوی صدی میں رسم غلامی کی حمایت

مضمون میں یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ نکاح انصاف کے اصول کے رو سے ناجائز معاہدہ ہے اس معاہدہ کے ذریعہ سے جو حقوق و فرایض پیدا ہوتے ہیں وہ غیر مساوی ہیں اسکو شکست کرنے کا اختیار مرد کو بغیر کسی شرط کے دیا گیا ہے۔ برخلاف اسکے دوسرا فریق یعنی عورت شدید ترین شرائط کی پابندی کی گئی ہے اور عملاً اسکو معاہدہ کے شکست کرنے کا اختیار ہی نہیں۔ انسان کے واسطے سخت ترین مصیبت حقوق انسانیت سے محروم ہونا ہے۔ عورت کو یہ حقوق بمقابلہ مرد کے کم حاصل ہیں۔ اس لیے وہ صحیح معنوں میں مرد کی لونڈی ہے۔ قانونی غیر مساوات کو رسوم و قواعد سے مزید استحکام اور پختگی بخشی گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ عورت کسی طرح اُبھر نہیں سکتی۔ مرد خیر خواہ بنکر اسپر ظلم کرتے ہیں۔ مردوں کی خیر خواہی عورتوں کے ساتھ بعینہ ویسی ہے جیسی لارڈ سیڈنہم اور اُن کی انڈو برٹش ایسوسیشن کی باشندگان ہندوستان کے ساتھ۔ یہ عیاری اس صدی میں نہیں چل سکتی راز طشت از بام ہوگیا۔ خوبصورت دھوکہ دینے والے جملوں اور اخلاقی حکایات و احکامات سے اس راز کی پردہ پوشی نہیں ہوسکتی۔ عورت اپنا حق چاہتی ہے وہ مراعات کی طالب نہیں ہے۔

اِس مضمون کا چرچا ملک بھر میں ہوا ہر اخبار میں نقل کیا گیا اور ہر مضمون نگار نے اسکا جواب دینا اپنا فرض سمجھا۔ جوابات تمیز سے بھی دیئے گئے اور بدتمیزی سے بھی بیوقوف اور جاہل نے انتہائی کوشش سے ظرافت کی داد دی۔ اودھ پنچ نے چٹیا بازار اور نخاس کے چشمۂ ظرافت کے بند کو کھول دیا اور مضمون کو سیلاب میں ڈبو دینے کی کوششیں کی قسمیں کھانے والا مصنف جو اسوقت تک اپنے حلقہ میں عورت کا
[illegible]

کیا غضب ہو گیا۔ عورت سے نسوانیت جاتی رہی" فوراً ایک مضمون بعنوان "فرام النسوانیت ٹو مردانیت" تحریر کیا۔ لعنت و ملامت کے انبار لگنا شروع ہوئے۔ علما نے مذہبی رنگ میں مخالفت کی اور ظاہر کیا کہ کھلم کھلا یہ حملہ شرع شریف اور کلام پاک پر ہے۔ بہرحال ہر طبقہ اور ہر گروہ کی طرف سے مخالفت ہوئی اور اس شدت کے ساتھ کہ خدا کی پناہ۔ دو مہینہ تک حسینہ خاموش رہی اور ان تمام مضامین کی جو اسکے مضمون کے خلاف نکلے تھے سنجیدہ اور غیر سنجیدہ ایک فائل تیار کی۔ اس زمانہ میں وقار روزانہ اخبارات لیکر آیا کرتا تھا اور مضامین پر بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ جب یہ مدت گذر گئی اور جوابی مضامین کا سلسلہ ختم ہوا تو حسینہ کی جانب سے جواب تحریر کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔

باقی آئندہ عبد الوالی

قومیہ

غزل کی روش پر قومی نظمیں اگر "مندرجہ عنوان" نام سے پکاری جائیں تو میرے خیال میں ناموزوں نہیں۔ اسی طرح "قومی مشاعرہ" اُس صحبت کا نام ہو جو ایسی ہر طرح نظمیں پڑھنے کے لئے منعقد کیجائے کلکتے میں لیگ کانفرنس وغیرہ کے سالانہ جلسوں کے موقع پر جناب نواب نصیر الممالک بہادر عارف کی کوٹھی میں ۳۱ دسمبر کو ایک مختصر قومی مشاعرہ ہوا۔ مصرع طرح یا دیا گیا ؎

"خواب غفلت تا کجا اے قوم اب ہشیار ہو"

ذیل کا قومیہ اسی صحبت میں پڑھا گیا (رعب)

رازِ مخفی کب تک آشوب سر اظہار ہو
بڑھ گئے لے اندازہ ... [illegible]

ہائے غیروں کو دیا جس قوم نے درس کمال
خود سبق لینے میں ... [illegible]

زندہ جاوید کل تک جس نے غیروں کو کیا
کیا قیامت ہو کہ عیسیٰ آج ... [illegible]

معجز احیا سکھایا جسنے کل اموات کو
وہ مسیحا آج اپنی ... [illegible]

پھر ہو اُن ناخداؤں کا تباہی میں جہاز
[illegible]

جس زمیں پر گرم بازاری رہی اقبال کی
[illegible]

دورِ گردوں نے جھنجھوڑا یہ کہ آنکھیں کھل گئیں
[illegible]

آہ ای اسلامیو! تم اور یہ حالت آہ آہ
نسبت اسلام ... [illegible]

مرتکب خود ناشناسی کی خیانت کے ہوے
تم ... [illegible]

سطوتِ شاہی بھی کیوں مجبورِ حق پوشی رہے
[illegible]

اُٹھ گراں جانی کے ہاتھوں یہ تمہارا حال زار
[illegible]

تم خدا سے منحرف! بیزار ہے قدرت خدا
[illegible]

تم خدا سے منحرف؟ ہو ہو یہ میں نے کیا کہا؟
[illegible]

تم سے واقف ہو زمانہ کون ہو تم کیا ہو تم
امتِ مرحوم ہو تم اشرف الاخیار ہو

تم خلیفہ ہو خدا کے ۔ تم خدا کے منتخب
اے خدا ناکردہ کیوں تم سے خدا بیزار ہو

شوخ چشمی پر تمھاری تم سے روٹھا ہو مگر
اک ذرا سنبھلو تو پھر تم پر خدا کا پیار ہو

اپنے روٹھے کو منا لینا بھی کوئی بات ہے
وہ تمھارا ہے تم اسکے محرم اسرار ہو

آؤ بس اب صلح کی ٹھہرے لڑائی ہو چکی
پھر اُسے خوشنود رکھنے کے لئے تیار ہو

پھر گرہ کھل جائے کار بستۂ توحید کی
دانۂ تسبیح کا ہر رشتہ ہر زنار ہو

بلبلوں کے چہچہوں سے نغمہ آگیں ہو فضا
پھر وہی رنگیں نوائی ہو وہی گلزار ہو

پھر وہ لطفِ دورِ ماضی پھر جمے وہ رنگِ بزم
پھر خمارِ رعب نذرِ ساغرِ سرشار ہو

ابوالصواب رعب قریشی انصاری

سکندر اور قزاق

ایک قزاق کو وابستۂ زنجیر و رسن
لائے عمال جو ایوانِ سکندر کے قریں

دفعتاً چشمِ سکندر جو پڑی ملزم پر
کھنچ گئی تیغ عدالت کی طرح چینِ جبیں

خشم آلودہ نگاہوں سے بصد رعب کہا
"حسرتِ جرم ہے اب بھی کوئی دل میں کہ نہیں"

"کونسا گھر نہ ہوا تیرے مظالم کا شکار
کونسا تیری تعدی سے بچا گوشہ نشیں"

"کیسی غارت گرِ ناموس ہے ہستی تیری
نہ کوئی جسکا معاون ہو نہ حامی ہے کہیں"

"صفحۂ دہر پہ اک داغ نمایاں ہے تو"
"یہی بہتر ہے کہ کر دوں تجھے پیوندِ زمیں"

تھا تو قزاق مگر شان تھی خودداری کی
آستانے پہ حکومت کے جھکائی نہ جبیں

عرض کی اُسنے کہ "مجرم ہوں مگر [illegible]
گو ہوں قزاق مگر تجھسا تو قزاق نہیں!!

کونسا ملک ترے دست [illegible] سے بچا
خانۂ دہر کا محفوظ رہا کون مکیں؟

میں نے بالفرض اگر ایک مکاں کو لوٹا
تو نے تاراج کئے ہند و عرب فارس و چیں

[illegible]

قطرۂ خونِ جگر ہے کسی مظلوم کا یہ
اپنی خاتم میں جو تجھکو نظر آتا ہی نگیں

زیر دستوں کا لہو تو نے بہا کر ظالم
دامنِ حرص کو گلزار بنایا کہ نہیں ؟

پائے تکمیل کو پہونچی نہ تھی اسکی تقریر
کہ طبیعت ہوئی اسکندر اعظم کی حزیں

اُس نے ملزم کو رہا کر کے ندامت سے کہا
"واقعی تجھسے میں بڑھکر ہوں گنہ گار کہیں"

محمود ۔ اسرائیلی

لطفِ قناعت

میں کہ ہوں آسودہ جذباتِ دل
محو نیرنگیٔ کیفیاتِ دل

شورشِ دورِ زماں سے بیخبر
کشمکشہائے جہاں سے بیخبر

مختصر دنیا میں اپنی شاد ہوں
قید بند فکر سے آزاد ہوں

لذتِ ذوقِ قناعت ہی نصیب
غیر فانی بادشاہت ہی نصیب

سادگی ہی میرا معیار حیات
میں نہیں ہوں خستۂ بار حیات

کچھ خیال بیش و کم ہوتا نہیں
میں رہین رنج و غم ہوتا نہیں

خواہشیں ہیں تو مگر محدود ہیں
جو ضروری چیزیں ہیں، موجود ہیں

کچھ فضولیات کی حاجت نہیں
شکر ہی، میں کافر نعمت نہیں

زندگانی ہی نمائش سے بری
ہوں تمنائے ستایش سے بری

خودنمائی خود پرستی سے ہوں دور
اس تنک ظرفانہ مستی سے ہوں دور

برکراں تشویقِ حرص و آز سے
سعئ بیہودہ کی ترک و تاز سے

بے نیاز منت اغیار و یار
فارغ شخصیت اغیار و یار

کچھ کسی سے بھی غرض رکھتا نہیں
ایسے روحانی مرض رکھتا نہیں

میری خودداری میں ہے شانِ رضا
اور استغنا مرا جانِ رضا

مسلکِ تسلیم کا سالک ہوں میں
اپنے دل کا آپ ہی مالک ہوں میں

(اثر [illegible])

ہے ننگ عشق رشتۂ الفت کا توڑنا

افسوس جان بوجھ کے ہم دل لگا چکے — یوں خاک میں تمام امیدیں ملا چکے
مہر و وفا کی قدر نہ کی جسنے ایک دن — اُس بیوفا کی راہ میں ہستی مٹا چکے
کیوں آئے دن ہے تازہ مصیبت کا سامنا — دل دیکے ہم سزائے محبت تو پا چکے
کہتے ہیں ہم نفس کہ عبث یہ خیال ہے — اکثر تم اس خیال میں صدمے اُٹھا چکے
اظہار دردِ عشق کیا التجا کے ساتھ — جا جا کے کوئے یار میں الفت بتا چکے
بیکار عرضِ حال ہوا پیش دلربا — منت کے ساتھ غم کی کہانی سنا چکے
اُسنے کیا نہ دردِ محبت کا کچھ علاج — تم لاکھ بار جس کو مسیحا بنا چکے
بولی وفا یہ ضعفِ محبت کی ہے دلیل — جب ہمنفس تمام حقیقت سنا چکے

لازم نہیں ہے کوچۂ دلبر کا چھوڑنا
ہے ننگ عشق رشتۂ الفت کا توڑنا

دل شاہجہانپوری

مزار لیلا

اے زمیں تو جانتی ہے تجھمیں ہے کسکا مزار — کسکی مشتِ خاک نے بخشا ہے تجھکو افتخار
موت نے تجھسے کیا ہے آج کس کو ہمکنار — یاد رکھ ہے دفن تجھ میں اک حسین دلفگار

اے لحد آغوش میں تیرے حزیں لیلا نہو
دیکھنا اسکا کفن بھی حشر تک میلا نہو

گور جسکی مستحق تھی وہ امانت سونپ دی — خانۂ تاریک کو اک ماہ طلعت سونپ دی
خاک کے پردے میں رعنائی کی دولت سونپ دی — سونپدی اے قبر تجھکو تا قیامت سونپ دی

خفتہ [illegible] ہو وہ افسوس شور صور کی
[illegible] دکھلائیے صورت حور کی

پاک باطن صاف طینت ای سراپا پاکباز
لطف دنیا سے رہی بیشک سدا تو بے نیاز
راہِ عصیاں سے رہا تیرے قدم کو احتراز
الفتِ خالق کا تھا دل میں حقیقی سوز و ساز

پھر بھی دامن پر جو تیرے ہاے کوئی داغ ہو
رحمتِ خالق سے وہ کھلکر شگفتہ باغ ہو

ہائے اس عہدِ جوانی میں یہ کیا دل میں ٹھنی
سوزِ نہاں سے مقرر جان پر تیری بنی
تیری وہ آواز درد انگیز وقتِ جانکنی
کان سے جو دل میں اُتری ہنکی برچھی کی انی

مضطرب دل ہو۔ پریشاں خاطر ناشاد ہے
ہائے وہ دم توڑنا تیرا ابھی تک یاد ہے

خاک کے پردے میں نہاں ہوگیا تجھسا حسیں
نام سے تیرے تھا روشن حسن و خوبی کا نگیں
بند ہو کنجِ لحد میں ہائے چیثم سرمگیں
اَٹ گئی ہو خاک سے سب تیری زلفِ عنبریں

یہ اجل کمبخت کیا بیٹھی تھی تیری تاک میں
ہائے تجھسے سیم پیکر کو ملایا خاک میں

موت سے کرنی نہ تھی اس طرح سرگوشی تجھے
اسطرح زیبا نہ تھی افسوس مدہوشی تجھے
ہائے یہ بیوقت کیا لازم تھی روپوشی تجھے
یاد رکھنا تھا مگر عہدِ وفا کوشی تجھے

اس جہاں کو چھوڑ کر تو اُس جہاں میں ہو رہی
درس الفت کا پڑھا کر آپ چپکے سو رہی

ناز و اندازِ عروسِ دہر فانی اب کہاں
موت سے بدتر ہو لطفِ زندگانی اب کہاں
بجھ گیا دل ہاے لطفِ نوجوانی اب کہاں
حسن کی اور عشق کی دلکش کہانی اب کہاں

یا دحق سے اس جگہ کو ہاے نورانی کروں
بیٹھ کر مرقد پہ تیرے فاتحہ خوانی کروں

انقلابِ دہر دیکھا ای بابسطِ شیریں سخن
ہیچ ہو یہ دہرِ فانی ہیچ ہو رنگِ چمن
پیرہن پہنے عروسی کا نہ جو گل پیرہن
موت ظالم یوں پنہا دے اسکو اک اُجلا کفن
[illegible] کھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہو جو بِن کھلے مرجھا گئے

غزلیات

حضرت محشرؔ لکھنوی

غم میں گھرے ہوئے تھے امید خوشی نہ تھی — کچھ اور بھی تھا ہم پہ مصیبت یہی نہ تھی
جو کام ہم سے ہو گیا اعجاز عشق تھا — فرقت میں ورنہ ضبط کو ئی دلگی نہ تھی
دل خوش ہوا نہ چند نفس کو جو عمر بھر — انجام میں کھلا کہ تمھاری خوشی نہ تھی
ناصح سے چھٹتے ہی یہ حقیقت عیاں ہوئی — ہر وقت کا عذاب رہا دوستی نہ تھی
اہلِ نظر کی ناز تبسم سے جان لی — اے میری جاں یہ کیا تھا اگر دشمنی نہ تھی
اظہار شوق ہو نہ سکا اس سے عمر بھر — پہچاننا مزاج کو ئی دلگی نہ تھی
تیور ہی میرے دیکھ کے برہم وہ ہو گئے — سچ تو یہ ہے بھلے کو شکایت ہوئی نہ تھی
قسمت دکھائے گی کوئی کیا تازہ انقلاب — ایسی تو غمکدے میں مرے بیکسی نہ تھی
محسود آسماں تھے نہ ممنون اہل حسن — جبتک جئے ہمیں کوئی امید ہی نہ تھی
وہ قتل کرتے ناز تبسم ہی سے ہمیں — لکھی ہوئی نصیب میں یہ بھی خوشی نہ تھی

محشرؔ برا کیا جو کیا دلبر اعتبار
سمجھے تھے دوستی جسے وہ دوستی نہ تھی

حضرت حسرتؔ موہانی

کیا وہ اب نادم ہیں اپنے جور کی روداد سے — لائے ہیں میرے جو آخر مجھکو فیض آباد سے
سیر گل کو آئی تھی جسدم سواری آپکی — پھول اٹھا تھا چمن فخر مبارکباد سے
ہم کو تنہا کیوں ملے جرم محبت کی سزا — جبکہ یہ سب کچھ ہوا تھا آپکی امداد سے
ہرکس و ناکس ہو کیونکر کامگار بیخودی — یہ ہنر سیکھا ہے دل نے اک بڑے استاد سے
اک جہاں مست محبت ہے کہ ہر سو بوئے انس — چھائی ہے ان گیسوؤں کی نکہت برباد سے
ابتلک موجود ہے کچھ کچھ لگا لائے تھے ہم — وہ جو اک لپکا کبھی خاک جہاں آباد سے
دعوئے تقوی کا حسرتؔ کسکو آتا ہے یقیں — آپ اور جاتے رہیں پیر مغاں کی یاد سے

[illegible]

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

تیرگی نام ہی دل والوں کے اُٹھ جانے کا
جسے شب کہتے ہیں مقتل ہے وہ پروانے کا

صاعقہ ریز وہ جلوہ ہی صنم خانے کا
خوف پھر وادیٔ ایمن کو ہے جل جانے کا

دیدۂ دوست تری چشم نمائی کی قسم
میں تو سمجھا تھا کہ در کھل گیا میخانے کا

دم آخر کی ملاقات میں کیا تم سے کہوں
وقت ہی تنگ بہت ہجر کے افسانے کا

سنگدل چرخ سے کیا خوف ہو اے تیر دعا
جس طرف جائیگا رستا ہے گزر جانے کا

کچھ ہمارے دلِ بیتاب کے بھی کام آئے
جسکو آتا ہو طریقہ کوئی سمجھانے کا

عبرتِ عقل ہے وارفتگیٔ اہلِ مذاق
ہوش والوں میں ہے چرچا ترے دیوانے کا

گل و آہوے چمن و دشت میں کہہ جاتے ہیں کچھ
کہیں موقع نہیں ایدل ترے بہلانے کا

ذکرِ غم آپکی محفل میں کچھ آیا تو سہی
خوش رہے چھیڑنے والا مرے افسانے کا

تنگ ہی صحنِ جہاں ساتھ نہ لے بارِ الم
راستا ملتا ہے مشکل سے گذر جانے کا

چوٹ کھانے سے دبی آگ ابھر آئی ہے
رنگ بدلا ہے کسی دل نے صنم خانے کا

شمع و گل کی نہ ضرورت ہے نہ امید ہی شفا
کیا بتاؤگے پتا پوچھ کے ویرانے کا

حصۂ بخت کا مانع ہے یہی دورِ فلک
بڑھ گیا گھوم کے رستا مرے پیمانے کا

آشیاں آبلۂ باغ ہی لے سوختہ دل
اک نشاں چھوڑ چلا ہوں تری جل جانے کا

مر کے لکھا تو ہے پر کس سے پڑھا جائے کہ اب
ہو گیا خط بھی غباری مرے افسانے کا

قبر والے ہوئے ممنون زیارت لیکن
نام بدنام کیا آپنے ویرانے کا

قصۂ باغ ہے اور میری مسرت کی امید
ڈھنگ آتا نہیں صیاد کو بہلانے کا

اے پریشانیٔ دل اب ہی تری عمر دراز
وقت کھنچنے نگا زلفوں کے سنور جانے کا

دامنِ شمع پہ دھبا نہ رہا داہ رے عشق
خون ابتک نظر آیا نہیں پروانے کا

نزع کے وقت جو کہتا ہوں وہ سمجھے کہ نہیں
باب اول تو یہیں ختم ہے افسانے کا

حسبِ فرمائشِ گردش ہیں غریبوں کے مزار
آسماں دوست ہو منظر مرے ویرانے کا

مُدنی

نہ رہا عشق فسوں ساز کا اب کوئی حریف — ایک دل تھا وہ ٹھکانے نہیں دیوانے کا
کوئی تنکا نہ رہا ذکر نشیمن کیسا — اک الف بھی نہیں باقی مرے افسانے کا
ہو گیا غرق سر شعلۂ شمع محفل — خون اونچا ہوا اتنا کسی پروانے کا
ہجر نے کونسا پیوند نگار رکھا تھا — راستہ ملگیا خنجر کو گذر جانے کا
تو شب غم کو نہ سمجھا ہو تو میں سمجھا دوں — وہی میدان شہادت ترے پروانے کا
دیکھ خون سر فرہاد کا رنگیں پتھر — یہ نگینہ ہے بنایا ہوا دیوانے کا
اہل دل جاگتے سونے میں سنا کرتے ہیں — وقت کوئی نہیں تا شب مرے افسانے کا

حضرت بیخود موہانی

نگہ ناز جو وہ ابروئے مستانہ بنے — صبر اک ہاتھ سے چھوٹا ہوا پیمانہ بنے
جوش کھاتا ہی لہو دل کی رگیں ٹوٹ نہ جائیں — جوشش مے نہ کہیں آفت پیمانہ بنے
تیرے اسرار کی دنیا سے نکلنا معلوم — جی بچے اُن سے تو کوئی ترا دیوانہ بنے
نگہ ناز کی مستی ہو باندازۂ شوق — کہیں ساغر کہیں شیشہ کہیں میخانہ بنے
محفل دہر سے یہ دیکھ کے اُٹھوں یارب — شمع پروانے سے اور شمع سے پروانہ بنے
ایک ایک ذرہ کو بنتا ہے فنا کی تصویر — آج بنیاد حرم مرکز بتخانہ بنے
ساقیا ظلم کے پردے میں تلافی کر ڈال — حکم دیدے کہ مری خاک پہ میخانہ بنے
ابتو انداز یہ کہتے ہیں وہ دن دور نہیں — زیست کیا موت بھی بھولا ہوا افسانہ بنے
دل تو کیا فطرت و قدرت میں ہوں مستی کی علین — ساقی بزم جو وہ نرگس مستانہ بنے
اللہ اللہ یہ خیالات میں قدرت ہی کہ دل — آن میں کعبہ بنے آن میں بتخانہ بنے
صدقہ قدرت کا کہ ہستی کا نہ ہو دور تمام — ایک ایک ذرہ نہ جبتک مئی و میخانہ بنے
سر اُٹھاتے نہیں سجدہ سے خود [illegible] — کیا پڑی ہے اُسکو بنے کعبہ کہ بتخانہ بنے
ظلم کرتے ہوئے اپنوں پہ حیا آئے گی — وہ بنے حشر میں یا درجہاں کے بیگانہ بنے
سننے والوں کو جو نیند آئے تو قصہ [illegible] — [illegible] اک پیچ سے چھوٹا ہوا افسانہ بنے
[illegible] بیخود — دل ہی کیا جو عدم آباد کا ویرانہ بنے

بچے اور بازاری لوہے سے بیش قیمت فولاد ہزار گونہ زیادہ ہے

اصلی عرق کافور　　وقت پر صلاح　　اصلی عرق کافور

جو دوست ہوتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کیلئے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں ڈاکٹر ایس کے برمن کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آگیا ہے اس موسم میں کھانے پینے یا رہنے کے باعث ہیضہ ہونیکا خوف رہتا ہے اس سے بچنے کیلئے پہلے ہی ایک شیشی اصل عرق کافور منگوا کر گھر میں ڈال رکھیں جس سے اپنی یا پڑوسیوں کی وقت پر حفاظت ہوسکے یہ اصلی عرق کافور عرصہ چھتیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہے یہ عرق گرمی کے دست پیٹ کی درستی کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے قیمت ایک شیشی چار آنہ ۴ر محصول ڈاک ایک سے ۴ تک ۵ر

دوائیں ہر جگہ دوکانداروں اور دوا فروشوں سے مل سکتی ہیں ورنہ کارخانہ سے طلب کیجئے

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنیکا سبب یہ ہے کہ آجتک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجۂ ظلم سے ہلاک ہوچکے ہیں گاؤں کے گاؤں اجاڑ ہوگئے شہر کے شہر تباہ ہوگئے اسوجہ سے اسکے نام ہی سے دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہونیکے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے لیکن بنظر حفظ ماتقدم ڈاکٹر ایس کے برمن کی پلیگ روکنے والی گولیاں منگوا کر ضرور رکھیں ان گولیوں کی استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے نہ ٹھہر سکتے ہیں اور نہ زہر اثر کرسکتا ہے وقت پر ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں آپ بھی غافل نہیں رہیں ایک گولی روزانہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ نگل جانا چاہیئے بچوں کو نصف یا چوتھائی قیمت ۳۶ گولیوں کی ڈبیہ ۸ر ۱۰۰ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲ر محصول ڈاک ایک سے ۶ ڈبیہ تک ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

جناب دیوان مہاراجہ بنارس بابو بالیشر پرشاد نرائن سنگھ لکھتے ہیں آپکا عرق کافور واقعی آبحیات ہے۔

دیکھیے مہاراجہ بھیکم نرائن سنگھ دیو ضلع گیا سے تحریر فرماتے ہیں۔ آپکی دوا ہیضہ کو بہت جلد دور کرتی ہے۔

اشیاء لکھنؤ

جسقدر نفیس اور خوشنما ہوتی ہیں، اسیقدر بیرونی اصحاب کو مہیا کرنا دشوار ہو کیونکہ ایسی کوئی مخصوص اور مستقل ایجنسی اس کام کی قائم نہیں جو تمام قسم کے سامان و اشیاء لکھنؤ کو عمدگی و کفایت کے ساتھ صاحبان ضرورت تک پہونچائے۔ معمولی دکانداروں سے متفرق طور پر سامان منگانے میں مصارف بھی زیادہ ہوتے ہیں اور منتخب چیز بہم نہیں پہنچتی چنانچہ ان ضرورتوں کو محسوس کرکے ایک ایجنسی قائم کی گئی ہے جسکے ذریعہ سے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی تمام موجودات لکھنؤ کا اصلی قیمت پر حاصل کرنا آسان زیورات۔ ظروف۔ ملبوس۔ دیگر پارچہ جات۔ کتب۔ آتشبازی فرنیچر۔ اشیائے گلی۔ سامان تفریح۔ عطر۔ روغن۔ ادویہ۔ مربہ جات۔ کتھہ خوشبودار۔ تمباکو خوردنی۔ شیرینی۔ حلوائے اثمار۔ تازہ فصلی میوے۔ قلمہائے کارخانہ ملیح آباد و سکندر باغ وغیرہ جملہ چیزیں لکھنؤ کے نرخ سے بلا کمیشن کے روانہ کی جاتی ہیں کسی قسم کی بدمعاملگی کا مطلق اندیشہ نہیں ہر شئے کی قیمت یا تیاری کا تخمینہ جوابی کارڈ آنے پر تبلایا جاسکتا ہے۔ ذیل کے پتہ پر بخط صاف مراسلت فرمائی جائے۔

صدیق احمد اینڈ سنس کمیشن ایجنٹ اینڈ جنرل سپلائر تپل فرنگی محل شہر لکھنؤ

دلچسپ ناول اور افسانے

جمیلہ کی ناکامیابی بقول حضرت موہانی اس زمانہ کا بہترین ناول ہے چونکہ علیحدہ نہیں چھپا ہے اس لئے جو صاحب اس لاجواب افسانے کو پڑھنا چاہیں انکو رسالہ "معلومات" کی مکمل پندرہ نمبروں کی جلد خریدنا پڑیگی کہ اسمیں یہ ناول چھپا ہے قیمت .... عہ

ناولہائے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی ملیگ کے اخلاقی ناول سعید سعادت شاہد رعنا جو دوبارہ چھپکر قدر دانوں کے ہاتھ پہونچ چکے ہیں اب ایک مجموعہ کی صورت میں چھپوائے ہیں۔ ۲۰۰ صفحے کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی شامل ہے ..... عہ

زہرا - ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے قیمت ۱۰/

نیرنگی دہر مجیدہ بیگم کی عفت اور وفاداری کی داستان شریف انسان کی کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب صفحات ۱۳۲ قیمت ۸/

گودڑ کا لال - ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی معاشرتی اصلاح کا طبعزاد فسانہ مصنفہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل علی صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۲۴۰ قیمت ... عہ

سفر نامہ یورپ و بلاد یعنی منشی محبوب عالم صاحب **روم و شام و مصر** ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفر نامہ قابل دید کتاب [illegible] صفحات [illegible] قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ منیجر تمدن بک ایجنسی [illegible]

فہرست مضامین

رسالہ **زمانہ** بابت **جنوری ۱۹۱۸ء**

اس نمبر سے زمانہ کی تیسوین جلد شروع ہوتی ہے اسی نمبر سے آپ بھی اس کی خریداری شروع کیجیے۔ قیمت سالانہ (للعہ)

المشتہر
منیجر "زمانہ" کانپور

زمانہ

اردو کا بہترین رسالہ

جو

سنہ ۱۹۰۳ء سے ابتک برابر اردو کی علمی خدمت کر رہا ہے

ہر ماہ کا پرچہ آخر ماہ تک شایع ہو جاتا ہے۔

قیمت سالانہ للعہ   نمونہ کا پرچہ ۶ر

پاینیر الہ آباد۔ زمانہ ہندو مسلمانوں کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کرنا چاہتا ہے اور دونوں جماعتوں کو مشہور انشا پردازوں اور شعرا کی امداد حاصل کر لی ہے

اودھ اخبار لکھنؤ اردو رسائل میں اس نے اپنے قابل قدر مضامین کے لحاظ سے بہت بڑی ترقی کی ہے

ہندوستان لاہور۔ زمانہ اردو کے رسالوں میں چوٹی کا رسالہ تسلیم کیا گیا ہے۔

بھارت متر کلکتہ زمانہ کے ہر نمبر میں دو چار غور سے پڑھنے کے لائق مضامین ہوتے ہیں۔

زمانہ کو اعلیٰ و دلچسپ مضامین کی بابت تمام ہندوستان میں شہرت ہے

جنوری ۱۹۱۸ء کا پرچہ شایع ہو چکا ہے اسی نمبر سے آپ بھی خریداری ... المشتہر منیجر "زمانہ" کانپور

فلسفۂ اخلاق

(حکیم عنقطیس یونانی کے خیالات کی جھلک)

جب انسان عدم سے وجود میں آتا ہے تو اُسکی جبلت میں نیکی اور بدی کا امتیاز نہیں ہوتا۔ اُسکی فطرت نفع و ضرر کے احساس سے عاجز ہوتی ہے[1]۔ وہ فلسفۂ اخلاق کی طرح دیگر علوم و فنون سے بھی بے بہرہ ہوتا ہے رفتہ رفتہ خارجی اسباب سے اسکا دل و دماغ متاثر ہوتا ہے جنکی مدد سے وہ انمیں یہ طولی حاصل کر لیتا ہے۔ ان خارجی اسباب کی تفصیل دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ آفتاب صحیفۂ عالم کا روزانہ ایک نیا ورق الٹتا ہے انسان کی چشم تجسس مختلف صورتوں میں اپنے مذاق کے مطابق اس سے استفادہ حاصل کرتی رہتی ہے اور زندگی کی آخری ساعت تک معلومات انسانی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

---

[1] یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے۔ حکیم افلاطون اور دیگر حکما کا خیال ہے کہ انسان کی فطرت میں خاندانی خصوصیات بھی جلوہ نما رہتی ہیں اور قوائے دماغی کی نشو و نما، تربیت کے علاوہ، جبلت یا فطرت کے تحت میں بھی ہوتی ہے۔ بلکہ یورپ کا وہ گروہ جسکو "یوجینسٹس" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس مسئلہ کا حامی ہے۔ یہ فی نفسہ ایک جدا بحث ہے لہذا سر دست نظر انداز کیا جاتا ہے۔

فلسفۂ اخلاق کی بارگاہ میں انسان صرف عجز و انکساری کی راہ سے باریاب ہو سکتا ہے۔ اسکا پہلا اصول موضوعہ یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی ذات کو بُرا نہ خیال کرے اچھا نہیں بن سکتا جب تک اسکو کسی شئے کے علم پر پورا عبور نہ ہو اُسکی لاعلمی ہی کا اعتراف کرتا رہے۔ نیکی اور بدی، شرافت و رذالت، دل آرائی و دل آزاری، حظ و کرب، غرض اس قسم کی بیشمار اصطلاحات سے دنیا میں کون ناواقف ہے۔ اپنے اپنے خیال کے مطابق ہر شخص انکو صحیح معنی میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کون نہیں کہتا کہ میں "کامیاب" ہوا اور وہ "ناکام" مگر دیکھئے کامیابی اور ناکامی کے راز سے آشنا ہے۔ جب تک ہم رنج و راحت کے حقیقی معنی سے واقف نہ ہونگے لامحالہ ہم انکو بے موقع اور بے محل استعمال کرتے رہینگے۔

جب فطرت نے ہمکو شعور دیا ہے، بینائی عطا کی ہے تو پھر کیوں ہم دنیا کے مناظر، لوگوں کے اعمال اور اپنی لغزشوں کو حقیقی رنگ میں نہیں دیکھ سکتے؟ بیشک دیکھ سکتے ہیں اگر ہم انکو بے لوث دیکھیں اور ان میں ذاتیات کو دخل نہ دیں۔ کسی فعل کا دو شخصوں کی ذات سے تعلق ہے۔ اور دونوں اسکو حقیقی رنگ میں دیکھنے کے مدعی ہیں۔ مگر پھر بھی مختلف الآرا رہیں۔ کیا یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ رائے مختلف ہیں مگر اپنے اپنے خیال کے مطابق دونوں صحیح نتیجے پر پہونچے ہیں۔ اگر یہ بات قابلِ تسلیم ہے تو کیا ایک دیوانہ نہیں کہہ سکتا کہ میری حرکات میرے خیال کے مطابق درست ہیں" کیا ان الفاظ سے اس کی برئیت ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔
فلسفۂ اخلاق کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ان اختلافات کی وجوہ معلوم کرے اور انکا سراغ لگائے

کیا یہ لازمی ہے کہ جو شے ہمیں بھلی معلوم ہو وہ فی الحقیقت اپنے اندر شانِ محبوبی رکھتی ہو؟
فلسفۂ اخلاق نے اعمالِ انسانی کے پرکھنے کا صحیح معیار قائم کیا ہے، اسنے ایسے اصول منضبط کئے ہیں جنکی مدد سے ہر فعل حقیقی رنگ میں نمایاں ہو سکتا ہے اور وہ اپنے دعوے کے لئے دلیل پیش کرتا ہے۔ فرض کیجئے "مسرت" ہے۔ میزانِ فلسفہ میں رکھکر اسکا اندازہ کیجئے۔
ہم اُسی شے کو اچھا کہہ سکتے ہیں جسپر ہمیں کچھ اعتبار ہو، اور جس شے کو قیام نہ ہو ہم کیونکر اسپر اعتبار کریں کیا "مسرت" کو قیام ہے؟ اگر نہیں تو بتاؤ کہ وہ کیونکر اچھی ہو سکتی ہے۔

"ادراک" ہر فعل انسانی کو حقیقی رنگ میں آشکار کرتا ہے۔ اگر انسان کے خیالات کو شخصیت کا زہر آلود مادہ مہلک نہ بنائے اور "نفسانیت" کی ظلمت حقیقت کی تجلی کو مستور نہ کردے، تو یقیناً دنیا سے اختلاف اُٹھ جائیں۔ انسانی افعال و اقوال میں حقیقت کی جھلک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ قوت مدرکہ کو صحیح استعمال میں لاکر گرد و پیش کے معاملات کا مشاہدہ کرے

اشیار کی تقسیم

جو مادی یا غیر مادی اشیار ہمارے دل و دماغ پر اپنا اثر مرتب کرتی ہیں اُنکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اختیاری۔

(۲) غیر اختیاری۔

قوت ارادی اور جو چیزیں اِسکے تحت میں ہیں اختیاری تصور کی جاتی ہیں۔ ہمارے اعضائے بدن مقبوضات، عزیز و اقارب وغیرہ غیر اختیاری اشیاء کی فرہنگ میں شامل ہیں۔

ہم بظاہر اسی شئے کو اچھا کہہ سکتے ہیں جو اختیاری ہو کیونکہ ہم اسکو حسب منشار انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ مگر اسکو کون باور کریگا کہ صحت، توانائی، حیات، والدین اور اولاد اچھی چیزیں نہیں ہیں! کیونکہ یہ سب غیر اختیاری ہیں۔ یہ مسئلہ وضاحت کا طالب ہے۔ کیا کوئی تکلیف زدہ انسان خوش ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی اپنی متاع محبوب سے محروم رہکر آغوشِ انبساط میں آنا پسند کریگا؟ اور کیا وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ اخلاقی کمزوری کا مرتکب نہ ہوگا؟ فطرتاً انسان خود غرض واقع ہوا ہے اور ہر حالت میں نفع ذاتی کو مقدم سمجھتا ہے۔ اگر کسی کے لئے قطعۂ آراضی پر قابض ہونا سود مند ہے تو اسکو یقیناً اس قطعہ کو اپنے ہمسایہ سے جبراً چھین لینا منفعت کے منافی نہیں۔ جور و ستم، جنگ و پیکار کی علتِ غائی اسی میں مضمر ہے۔ اگر ہم غیر اختیاری چیزوں کے متمنی رہینگے تو لامحالہ اسی نتیجے پر پہونچیںگے، اور راہِ انصاف سے منحرف ہوکر خدائے عزوجل کی عظمت کو دل سے بھلا دینگے۔ اگر اُس نے ہماری دستگیری نہ کی اور ہمارا رجحان طبع خباثت نفسی کی جانب مبذول رہا تو ممکن ہے کہ ہم کو اس قادر مطلق کی ہستی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی شرم دامنگیر ہو۔ دراصل یہ باتیں قوائے دماغی میں اسوقت نشو و نما پانے لگتی ہیں جب ہم ظاہری اسباب سے متاثر ہوکر غیر اختیاری اشیاء کو پسند کرنے لگی کی

نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہوجاتے ہیں۔

دماغ انسانی میں جس قدر قوتیں ہیں اُن سب میں عقل کا پایہ بلند تر ہے۔ "رد و قبول" کے باب میں اسی کا فتوے قابل عمل ہوتا ہے۔ صرف و نحو رموز انشا پردازی و سلیقۂ گفتگو سکھاتی ہے۔ مگر محل گویائی و سکوت بتلانے سے قاصر ہے اسی پر کیا منحصر ہے جملہ علوم کی یہی حالت ہے عقل انسانی ہر بات کا موقع استعمال اسکی حقیقت اور اہمیت بتلاتی ہے اور اسی کی مدد سے ہم ہر شئے کو حقیقی رنگ میں دیکھ سکتے ہیں۔ انسان کی فطرت بھلائی کو قبول کرتی اور بُرائی سے اجتناب کرتی ہے جس شئے کی حقیقت پر اسکو پورا عبور نہیں ہوتا اُسکے متعلق مذبذب حالت اختیار کرتی ہے اور جو باتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ انپر عمل پیرا ہونے سے نہ کوئی نفع مرتب ہوسکتا ہے نہ ضرر تو فطرت انسانی انکی طرف سے مستغنی رہتی ہے۔

بھلائی یا بُرائی کا اطلاق قوت ارادی پر منحصر ہے۔ ہم برائی کو بھلائی کی صورت میں بھی دیکھ سکتے ہیں اور اسکے برعکس بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بھلائی کی حقیقت اور بُرائی کی اصلیت قوت ارادی کیونکر معلوم کرے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہماری چشم تجسس واقعہ کی ظاہرانہ اور مصنوعی دل آویزی سے بے تعلق ہوکر اپنا فعل کرے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے افعال شنیعہ و حسنہ کا مدار قوت ارادی پر ہے اور اسکے علاوہ کسی اور شئے کا ہم سے واسطہ نہیں تو ہم کیوں مصائب میں گرفتار رہیں؟ کیوں خائف ہیں؟ ہم جو بات چاہتے ہیں وہ دوسرے کے اختیار میں نہیں اور جو باتیں دوسروں کے اختیار میں ہیں اُن سے ہمیں کچھ سروکار نہیں یہ مسئلہ نہایت واضح ہے اور مزید شرح کا طالب نہیں۔ جب ہم اختیاری امور کو نظر انداز کرکے غیر اختیاری امور کی طرف رجوع ہوتے ہیں تو لامحالہ ہمکو مختلف آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وفاداری، حمیت، بزرگی، رحم، چشم پوشی، تقوے وغیرہ وغیرہ اختیاری امور ہیں اور تا وقتیکہ ہم خود بھی ان خصائل حسنہ کو ترک نہ کردیں دنیا کی کوئی طاقت ہم سے جبراً انکو نہیں چھین سکتی۔ مگر آہ! جب ہم غیر اختیاری امور کے حصول کے درپے ہوتے ہیں تو ہمکو اختیاری امور کا مطلق احساس نہیں رہتا، اور چونکہ اول الذکر کا تعلق دوسروں کی ذات سے وابستہ ہے لہذا انکا نتیجہ حسب منشا نہیں نکلتا اور ہم مصائب میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

چونکہ اختیاری اُمور ہماری ذاتِ خاص سے سرزد ہوتے ہیں اور محض ہماری شخصیت اُنکی ذمہ دار ہوتی ہے۔ لہذا انکی نوعیت میں شانِ آزادی ہوتی ہو اور انکی انجام دہی میں کوئی دقت واقع نہیں ہوتی اور غیر اختیاری امور کا تعلق ہماری ذاتِ خاص سے نہیں ہوتا، بلکہ اُنکی ہستی کا مدار دوسرں پر موقوف ہے لہذا انھیں شان احتیاج ہوتی ہو اور استقامت مطلق نہیں ہوتی۔ اگر ہماری کوششیں اختیاری امور کی حد سے تجاوز نہ کریں تو نہ ہم کسی کو موردِ الزام بنا سکتے ہیں، نہ آزردہ و غمگین رہ سکتے ہیں، اور نہ دنیا میں کوئی ہمارا عدو ہو سکتا ہے۔ تاوقتیکہ ہم خواہشاتِ نفسانی کی قربانی نہ کریں اخلاق کے اعلیٰ مدارج پر نہیں پہونچ سکتے۔ اُن مضرت رساں اسباب سے کنارہ کشی اختیار کرنا معمولی جذبات کا کام نہیں، جو بادی النظر میں اپنی مصنوعی دل آویزی کے ساتھ انسان کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

فلسفۂ اخلاق کے ابتدائی مرحلے

ہر علم و فن کی تحصیل مبتدی کے لئے دشواریاں پیدا کرتی ہے ہر ایک ہنر ابتدا میں زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا۔ مگر اسکے ذریعہ سے جو آلات، جو ایجادیں، مکمل ہوکر عالم موجودات میں آتی ہیں وہ زبانِ حال سے اِس ہنر کے مفید ہونے کی شہادت دیتی ہیں، اور انسان کو تب اسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت فلسفۂ اخلاق کی ہو بلکہ مبتدی کو ابتدأً اسکی تحصیل دشوار تر ہے۔ اسکو اپنی قوتِ آزادی پر قادر ہوکر اُن تمام امور کو جو اسکی ذاتِ خاص سے وابستہ ہیں اپنی خواہشوں کے تحت میں لانا ہوتا ہے۔ تاکہ کوئی فعل قوتِ آزادی کے خلاف واقع نہ ہو۔ یا ہر فعل اسی صورت سے نمایاں ہو جسکا وہ متمنی تھا۔ جو لوگ اسپر کاربند ہوتے ہیں انجام کار ہر فعل اُنکی مختار کے مطابق وقوع پذیر ہونے لگتا ہے۔ وہ اپنی کوشش میں کبھی ناکام نہیں رہتے۔ جس فعل کو کرنا چاہتے ہیں کرکے چھوڑتے ہیں اور جس [illegible] اجتناب کرتے ہیں اسکو کبھی نہیں کرتے۔ وہ درد و غم، رنج و کلفت، خوف و ہراس سے ناآشنا ہوکر لواحقین کے ساتھ جائز سلوک کرتے برتتے ہیں۔

(فلسفۂ اخلاق کی تعلیم)

سب سے مقدم خدائے عز و جل کی ہستی کا اقرار ہے، اور یہ اعتقاد کہ وہ جملہ کائنات کا محافظ و چارہ ساز

ہے وہ عالم الغیب ہے، دانا و بینا ہے بخواہشات مخیالات، اور جملہ افعال انسانی اسپر روشن ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسان اپنے روحانی عوارض کو سنکر برہم ہوجاتا ہے، روحانی طبیب کو اپنا دشمن اور اسکی تشخیص کو سراپا غلط سمجھتا ہے مگر قطع نظر اسکے جسمانی طبیب اگر مجملاً کسی عارضہ کے متعلق اسکو مطلع کرتا ہے تو وہ اسکا نہایت شکرگذار رہتا ہے اسکی تشخیص کو بالکل صحیح تصور کرتا ہے مرض کے دفعیہ کے لئے سعی بلیغ کرتا ہے۔ روحانی طبیب انسان کے افعال کا آئینہ دار ہے لغزش کے خدوحال دکھانا اسکا کام ہے۔ وہ قابل تقلید، اور قابلِ اجتناب باتوں میں حدِ امتیاز قائم کرکے، خواہشات کو فطرت کے تحت میں لاکر انسان کی رائے کو صائب و مستحکم بناتا ہے۔

گروہ انسانی تماشاگاہِ عالم کی سیر کو دو مختلف حیثیتوں میں آتا ہے جمہور نوع انسانی اس دلفریب بازار میں مختلف جنسوں کی خرید و فروخت کے لئے آتی ہے۔ انکا دائرہ نگاہ اپنے مرکز خیال سے تجاوز نہیں کرتا چند خاص نفوس محض اس تماشاگاہ کے نظارے کے لئے آتے ہیں انکا مقصود صرف اس ہنگامہ کی علت غائی کا سراغ لگانا اور اسکی ابتدا اور انتہا پر نگاہِ بصیرت دوڑانا ہوتا ہے۔ حیوانِ ناطق کی نسل کا کثیر حصہ اپنی حیات کو حیوانِ مطلق کی طرح بسر کرتا ہے جسطرح حیوانِ مطلق کی جستجو فکر خورد و نوش سے آگے قدم نہیں بڑھاتی اسی طرح اکثر حیوانِ ناطق کے تخیلات کی بلند پروازیاں لوازماتِ حیات کے افق تک ہی محدود رہتی ہیں کیا مال و دولت کی طمع، مقبوضات ارضی کی حرص، اقتدار کی ہوس، مویشی کے چارہ سے زیادہ حیثیت رکھتی ہیں؟ جسطرح مویشی کا چارہ اسکی حیات کا معاون ہے بعینہ متذکرۂ بالا اسباب کو ہم اپنی زیست کا کفیل سمجھتے ہیں۔ چند پاک اور مقدس ہستیاں ایسی بھی ہیں جنکا نصب العین ان چیزوں سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ انکو تماشاگاہ عالم کے نظارے سے اس مالک حقیقی کا سراغ لگانا مقصود ہوتا ہے جسکی اعلیٰ تدبیر و تنظیم سے یہ سب کرشمے جاری ہیں۔ نظام عالم پر نظر کرو۔ کسی شے کو بے ترتیب پاؤگے؟ بیکار نہ دیکھوگے۔ یہ حسن و خوبی کی انتہا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کارخانہ کی کل حادثات و اتفاقات کی ڈوری پر چل رہی ہے؟ ہاں۔ معدودے چند نفوس ایسے ہیں جو اپنی آفرینش کے راز اور اس عارضی ہستی کی حقیقت سے کماحقہ آشنا ہیں۔ ان کو اس تماشاگاہ کا نظارہ عبرت آموز ہے۔

مبتدی "اخلاق" کے فرائض

جس فعل کو ہم اختیار کرنا چاہیں اُس کے حصول کے لئے ارادہ بہت استواری شرط ہے۔ اکراہ و اجتناب اسکے مقتضی ہیں کہ جو فعل ہم ترک کرنا چاہیں پھر میلان طبع اس جانب نہ ہو۔ وہ لوگ بڑے بدقسمت ہیں جو اپنے ارادوں میں ناکام رہتے ہیں ترک کردہ افعال کا اختیار کرنا کم طالعی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر ہم ان افعال سے اجتناب کریں جو قانونِ فطرت کے خلاف ہیں تو یقیناً ہم سے افعال شنیدیہ سرزد نہیں ہو سکتے لیکن اگر ہم علالت و مرگ وغیرہ سے بچنا چاہیں تو یہ ہماری کمزوری ہے۔ کیونکہ یہ امور ناگزیر اور غیر اختیاری ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمکو غیر اختیاری امور سے تشویش نہ کرنی چاہیئے بلکہ نہایت متانت اور استقلال کے ساتھ انکا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔

کوئی شے کیا رنگی عدم سے وجود میں نہیں آتی۔ مدت مدید کی نشو ونما کے بعد پودا تناور درخت کی صورت اختیار کرتا ہے پھر اسکو فصل بہار جامۂ سرسبزی پہناتی ہے، پھول کھلتے ہیں۔ پھل لگتے ہیں اور ایک وقت مقررہ کے بعد انکے ماڈوں میں پختگی کی شان پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک ادنیٰ ثمر اتنی مدت کے بعد مکمل صورت اختیار کرتا ہے تو انسان کا دماغ کیونکر آنِ واحد میں صلاحیت پیدا کرسکتا ہے؟

"فطرت" کا رشتہ ہمارا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ انسان کیا ہے؟ ایک ذی روح مگر فانی ہستی ہے جو صاحب عقل و شعور ہے حیوانِ مطلق سے انسان محض عقل و شعور کی وجہ ہی سے ممتاز ہے۔ اگر ہم نے عقل و شعور سے کام نہ لیا تو امتیاز باقی بھی جاتا رہا۔ اگر ہم ناعاقبت اندیش تنگ خیال کجرو ہو جائیں، قوت شہوانی ہم پر غالب آ جائے تو ہم پر چرندوں کا اطلاق ہو سکتا ہے علیٰ ہذا القیاس۔ اگر ہم بار بار خونخوار غضبناک یا قاتل بن جائیں تو ہم میں اور درندوں میں فرقِ مراتب قائم نہیں رہ سکتا۔

آہ! جن پر تم انسانوں کا گمان کرتے ہو انہیں سے اکثر چرندے اور درندے ہیں گو بادی النظر میں انکی شکلیں انسان کے مشابہ ہیں اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ قانونِ فطرت کا اتباع نہیں کرتے ہے

حضرتِ زاہد فرشتہ ہوں تو ہوں　　آدمی ہونا بہت دشوار ہے　　(محمود اسرائیلی)

نیر علم

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

ایک وہ زمانہ تھا جبکہ اسلامی ترقیات کا آفتاب خط استوا سے گذر رہا تھا۔ در و دیوار سے علمی صدائیں آرہی تھیں۔ آسمان کمال درخشندہ اور نورانی ستاروں کی روشنیوں سے منور بنا ہوا تھا۔ ہر طرف فضل و ہنر کی عنبر بیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ فارابی۔ یعقوب کندی۔ غزالی اور ابن ماجہ جیسی مایہ روزگار ہستیاں منظر عام پر آ آ کر نئی نئی جلوہ آرائیاں دکھا رہی تھیں۔ اور قدرت کی لازوال فیاضیوں نے ایسے ایسے فقید المثال ارباب کمال پیدا کر دئے تھے۔ جنکا ثانی فلک آجتک ہزار ہا صد گردشیں کر چکنے کے باوجود بھی منصۂ شہود پر نہ لا سکا۔

اُنیسویں اور بیسویں صدی میں انا ولا غیری کے نعرہ لگانے والے اور یکتائی و عدیم المثالی کے میدانوں میں ہمت و کمال کی جھنڈیاں اُڑا دینے والے فلاسفر و حکما ہکسلے۔ اسپنسر۔ ڈارون۔ نرافو۔ مونٹلے۔ جمیع اصناف علوم میں ہرگز وہ تبحر و فضل نہ حاصل کر سکے۔ جو قرون متوسط کے مسلم فلاسفروں کا طرۂ کمال اور معیار ترقی تھا۔ ترکستان کے شہر فاراب سے اُبھرنے والے ابونصر پر غور کرو جسنے عسیر الحالی کے باعث بازاری دکانوں اور سڑکوں کی لالٹینوں سے پڑھا۔ راتوں کو بیدار رہکر راحت وہ نیند حرام کر کے کمال و فن کی اُس منزل بالا پر صعود کیا جس تک رسائی اِس دور متمدنہ میں بھی دشوار تر ہے۔ فلسفۂ ارسطو کے وہ دقائق و غوامض جو پیچیدہ نگاری اور مشکل آرائی کے باعث اسوقت تک لاینحل اور لائبریریوں میں مقفل و کرم خوردہ پڑے تھے آسانی سے حل و سہل کر کے عوام کے آگے رکھدئے اور اِک مدت کی بند نہر کا پانی اُسی شان سے بہنے اور لہریں لینے لگا۔ موسیقی میں یہ کمال حاصل کیا کہ دربار سلطانی میں ایک دفعہ اپنی گٹھری میں سے چند ٹوٹی پھوٹی لکڑیاں نکالیں باقاعدگی سے انکو ملایا۔ درست کیا اور بجایا یہ عجوبہ آفریں باجہ بجتے ہی حضار محفل قہقہے لگانے اور ہنسنے لگے۔ اب انہ سر نواسی باجے کی لکڑیوں کو ترتیباً ملا کر بجایا گیا تمام اصحاب کے

آفسو گرنے اور دل پگھلنے لگے۔ تیسری مرتبہ نئی ترکیب کے ساتھ بجانے سے سب مدہوش و بیہوش ہوگئے اور فارابی خاموش دربار سے چلدیا جب سیف الدولہ جیسے جوہرشناس تاجدار نے دربار میں باعزاز بلاکر بیٹھنے کو اشارہ کیا تو پوچھا اپنے مرتبے کے موافق بیٹھوں یا تیرے۔ لیکن اپنے مرتبے کے موافق بیٹھنے کا جواب پاتے ہی معًا سیف الدولہ کے تخت پر آزادی سے برابر جا بیٹھا۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہوا

ابن ماجہ جسکو اندلس کا ارسطو کہا جاتا ہے۔ جسکا ممالک مشرقیہ میں بھی فارابی اور یعقوب کندی کے سوا کوئی ہمپایہ نہیں پیدا ہوا اور جسکی تصنیفات سے گو اسلامی کتب خانے بالکل خالی ہیں البتہ یوروپ میں کچھ کچھ پتہ چلتا ہے کس درجہ کا فلاسفر گذرا ہے جس نے ارسطو کی تصنیفات کی معرکۃ الآرا شرحیں لکھیں۔ موسیقی میں نہایت محققانہ کتاب لکھکر بہت سے راگ خود ایجاد کیے اور طب و فلسفہ میں وہ کمال پیدا کیا جسکی نظیر دنیا کو لانی مشکل ہے۔

اسی طرح خیام کی رباعیات اور علم ہیئت ابو حاتم کی میزان ارشمیدس۔ ابن سینا کا قانون و غزالی کا علم الکلام۔ البیرونی و ابن بیطار کی یادگار زماں محققانہ مساعی اس زمانہ کو دیکھتے ہوئے ایسے کارنامے نہیں جنکا جواب آسکے۔

ستائش گر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہی ہم بے خودوں کی طاقِ نسیاں کا

ابن رشد کا نام محمد بن احمد بن محمد ابن رشد اور ابو الولید کنیت ہے۔ یہ اندلس کے ایک معزز خاندان کا فرد تھا ۵۲۰ھ ۱۱۲۶ء میں بمقام قرطبہ کتم عدم سے معرض شہود میں آیا۔

حافظ ابو القاسم۔ ابو مروان۔ ابو بکر۔ ابو جعفر سے حدیث کی تعلیم پائی علم فقہ حافظ ابو محمد بن رزق سے تحصیل کیا چونکہ عربیت اور ادب اندلس کے نصاب تعلیم کا لازمی حصہ تھا۔ اسلئے اسکی غایت شغف وانہماک سے تعلیم حاصل کی۔ ابو القاسم بن طیلسان کا بیان ہے کہ متنبی اور ابو تمام کا دیوان اسکو زبانی یاد تھا۔ ابو جعفر بن ہارون سے علم طب میں کمال حاصل کیا۔ اُسنے جن اساتذہ سے فقہ اور طب کی تعلیم پائی انمیں اکثر فلسفہ کے ماہر تھے۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ ابن رشد نے ابن باجہ فلاسفر کی شاگردی کی

ابن رشد آغاز شباب ہی میں اشبیلیہ کا قاضی مقرر ہوا اور کچھ عرصہ بعد خاص قرطبہ کے قضا کی خدمت ملی جسکی شہرت نے اسکو دربار شاہی تک پہونچا دیا۔ اسوقت سلسلہ موحدین کا تاجدار یعنی عبدالمومن سریر آرائے سلطنت تھا چونکہ خود اک فاضل شخص تھا۔ اسلئے ابن رشد کے کمالات علمی اور لیاقت کا حال سنکر دربار میں بلایا اور اپنے ندیموں میں شامل کیا اور قضا کی خدمت بھی رہنے دی ۵۴۷ھ میں بعمر ۲۰ سال وہ قاضی القضاۃ مقرر ہوا۔

۵۶۶ھ میں عبدالمومن کی وفات کے بعد یوسف تخت حکومت پر متمکن ہوا یہ ایک نہایت فاضل اولوالعزم اور فلسفہ وعقلیات کا ماہر شخص تھا۔ اس بادشاہ نے ابن طفیل کو جو علوم عقلیہ میں ابن سینا کا ہمپایہ تھا ندیم خاص اور صیغۂ علمی کا افسر مقرر کیا۔ ابن طفیل نے دور دور سے اہل کمال دربار میں طلب کئے ان میں اک درخشاں موتی ابن رشد بھی تھا۔ ابن خلکان، ابن رشد کا بڑا کارنامہ تصنیفات ارسطو کی شرح ہے خود ابن رشد کا بیان ہے کہ ابن طفیل نے مجھکو بلاکر کہا کہ آج امیرالمومنین افسوس کرتے تھے کہ ارسطو کا فلسفہ نہایت دقیق ہے۔ اور مترجمین نے ترجمہ اچھا نہیں کیا۔ کاش کوئی قابل شخص فلسفۂ ارسطو کو ایسا آسان اداکرتا کہ لوگ سہولیت سے سمجھ سکتے۔ یہ کہکر ابن طفیل نے کہا کہ میری تو اب عمر نہیں رہی اور نہ فرصت ہوتی ہو تمھیں اس کام کو انجام دے سکتے ہو تم اس بار کو اٹھالو۔ چنانچہ اسی دن سے کام کی ابتدا کی گئی۔ یوسف نے ۵۸۰ھ میں دنیا سے منھ موڑا۔ اور یعقوب منصور تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانے میں سلطنت انتہائے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ اسنے فقہا اور عام حکم دیدیا تھا کہ کسی مجتہد یا امام کی تقلید نہ کریں۔ بلکہ اپنے اجتہاد سے کام لیں۔ عدالتوں میں فقہ کی پابندی اٹھادی چنانچہ ہر فیصلہ قرآن حدیث اجماع اور قیاس سے کیا جاتا تھا منصور نے ابن رشد کی غایت درجہ قدردانی کی ۵۹۱ھ میں الفانس کے مقابلے کو جاتے وقت ابن رشد کی وہ تعظیم و توقیر کی کہ تمام دربار آئینہ حیرت بنگیا اور بلا کر خاص اپنے پہلو میں جگہ دی۔ اور دیر تک باتیں کرتا رہا۔ دربار سے جب واپس آیا دوستوں نے پرجوش مبارکباد دی تو ابن رشد نے کہا کہ یہ خوشی کا موقعہ نہیں بلکہ رنج کا ہے کیونکہ دفعتاً درجہ کا تقرب برے نتائج پیدا کریگا۔ اور افسوس یہی ہوا سلطان صلاح الدین اور منصور تاجداران اسلام میں اپنے عہد میں اسلام کے سرتاج تھے اور حسن اتفاق سے دونوں کو اہل کمال کیسے نصیب ہوئے تھے جنپر آجتک اسلام ناز کرتا ہے یعنی شیخ الاشراق اور ابن رشد لیکن زمانے کی نیرنگیاں دیکھو! وہی صلاح الدین جسکا دامن

عدل ہر نوع کے داغ سے پاک ہی۔ شیخ الاشراق کا قاتل ہی!! اور وہی منصور جو انصاف و رحم کا پیکر مجسم تھا ابن رشد کا برباد کنندہ ہی! ابن ابی صبیعہ میں مندرج ہے کہ ارسطو کی کتاب الحیوانات کی جو شرح لکھی اُسمیں زرافہ کی بابت تحریر کیا کہ اس جانور کو بادشاہ بربر (منصور) کے یہاں دیکھا ہے یہ طرز خطاب منصور کی توہین تھی۔ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ جب صلاح الدین نے منصور سے امداد طلب کی تو باوجود آمادگی اور قابلیت امداد کے محض اسوجہ سے برہم ہوگیا کہ خط میں امیرالمومنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا گیا تھا۔ منصور تھا ہی بالطبع فخر پسند اور جاہ طلب!!

اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ابن رشد کی تباہی کا باعث منصور کا مذہبی تعصب تھا کیونکہ فرد قرارداد جرم الحاد و بیدینی تھی۔ اور چونکہ موحدین اشعری تھے اور یہ شاہی مذہب قرار دیا جا چکا تھا اسلئے ابن رشد کا اشاعرہ کے عقائد کو نہایت زور و شور کے ساتھ باطل کرنا اور امام غزالی کی (جو کہ موحدین کے پیران پیر تھے) تہافتہ الفلاسفہ کا رد لکھنا اور کہیں کہیں امام صاحب کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنا اور اکثر اوقات فلسفہ کے رنگ سے مغلوب ہوکر عام عقائد کے خلاف الفاظ نکالنا غضب ہو گیا اور تمام ملک میں اک آگ سی لگ گئی۔ حاسدوں نے اور اس آگ کو بھڑکایا نوبت باینجا رسید کہ منصور کے حکم سے ابن رشد قرطبہ کی مسجد کے اک عظیم الشان مجمع میں اک مجرم کی حیثیت سے لایا گیا اور خطیب نے اعلان کیا ابن رشد ملحد و بے دین ہوگیا ہے یہ سب کچھ ہوا یہ سب کچھ کیا گیا لیکن پھر بھی بلند ہمتی اور اسلامی آزادی کا اتنا اثر تھا کہ یورپ کی مجلس انکوزیشن کی طرح یہ توحش آفریں فتوے نہیں دیا گیا کہ مجرم زندہ جلادیا جائے۔ بلکہ صرف اس سزا پر قناعت کی گئی کہ کسی علٰحدہ مقام پر بھیجدیا جائے چنانچہ یہ قرار پایا کہ ابن رشد موضع لوسینا میں رکھا جائے۔

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہو جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

ابن رشد کے ساتھ بڑے بڑے فضلا، ابوجعفر ذہبی، ابوعبداللہ بن ابراہیم۔ ابوالعباس وغیرہ بھی شہربدر کیئے گئے۔ انقلاب زمانہ سے اُس ابن رشد کی جسپر دن رات عزت کے پھول برستے تھے۔ دولت و امارت جسکی بلائیں لیا کرتی تھی۔ قاضی القضاۃ کی مسند جسکے قدموں سے مفتخر رہتی تھی۔ جسکے علم و فضل کے ڈنکے بج رہے تھے اب یہ جگر سوز اور عبرتناک حالت ہوگئی تھی کہ غریب جہاں جاتا

تھا۔ رسوا اور ذلیل کیا جاتا تھا خود ابن رشد کا بیان ہے اور نہایت دردناک اور رقت انگیز بیان ہے
کہ سب سے عظیم صدمہ جو مجھکو پہونچا وہ یہ تھا کہ ایک دفعہ میں اور میرا بیٹا عبداللہ قرطبہ (کارڈووا) کی
مسجد میں نماز عصر پڑھنے کے لئے گئے مگر نہیں پڑھ سکے چند بازاریوں نے ہنگامہ مچایا اور ہم دونوں
کو مسجد سے نکال دیا۔

ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

جب شورش فرو ہوئی تو منصور نے پھر ابن رشد کو دربار میں بلانا چاہا۔ اظہار حق یا خاطر منصور سے
شہر اشبیلیہ کے متعدد معززین اور عمائدین نے ابن رشد پر عاید کی گئی ہوئی تہمتوں کے خلاف
شہادت دی اور اس طرح ۵۹۵ھ میں ابن رشد کی قسمت کا چاند گہن سے نکلا اور منصور نے اسکو
مراکش میں طلب کیا۔ مگر ع

عید ہوئی ذوق مگر شام کو

اب وہ وقت آگیا تھا کہ ابن رشد کی تمناؤں کی کلیاں کھلتیں۔ فضل و کمال کی داد پاتا اور
ارسطو کی طرح اسکے تاج فضیلت میں دولت کا درخشندہ ہیرا بھی نظر آتا۔ لیکن بید و مرگ نے نیام سے
تلوار نکالی۔ مراکش پہونچکر علیل ہوا اور جمعرات کی شب صفر ۵۹۵ھ (۱۱۹۸ء) میں یہ نیر کمال عرب عدم میں غروب
ہوگیا۔ قرطبہ کے مقبرۂ ابن عباس میں دفن ہوا۔ ۷۲ برس کی عمر پائی اسکے ایک ماہ بعد منصور نے بھی
داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابن رشد کے عادات و اخلاق نہایت اعلیٰ و حکیمانہ تھے۔ ایک مدت تک عہدۂ
قضا پر مامور رہنے اور دربار میں تقرب حاصل کرنے کے باوجود جو کچھ ملا وطن اور اہل وطن پر نثار کر دیا
خلائق کی کاربرآری اور عام نفع رسانی سے ہمیشہ کام رکھا۔ نہایت منکسر المزاج اور متواضع ہونے کے
علاوہ حوصلہ کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص نے مجمع عام میں سخت توہین کی اور برا بھلا کہا لیکن ابن رشد
الٹا ممنون ہوا کہ تم نے مجھے اپنے حلم کی آزمائش کا موقع دیا۔ پھر روپیے بھی نذر کئے لیکن
ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کر دی کہ اوروں سے یہ سلوک نہ کرنا۔ [illegible] ہر قسم کے احسان کا قدردان
[illegible] مزاج میں [illegible] [illegible] ذریعہ دربار
[illegible] ابن رشد مطالعہ

سے باز رہا ایک نکاح کی رات ! دوسری باپ کے انتقال کی رات !! حد درجہ کا سیر چشم اور فیاض تھا دوست دشمن کی کوئی تفریق نہ تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ احسان و فضیلت تو یہ ہے کہ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ سلوک کیا جائے دوستوں کیساتھ ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اپنے وطن کا غایت درجہ شیفتہ و شیدا تھا افلاطون نے اپنی جمہوریت پر تحریر کردہ کتاب میں یونان کی نہایت تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو تمام دنیا کی نسبت علوم عقلیہ سے زیادہ اور خاص مناسبت ہے۔ ابن رشد نے اسکی شرح میں وسپین کو بھی یونان کا ہمپایہ قرار دیا۔ حکیم جالینوس کا قول تھا کہ یونان کی آب و ہوا دنیا میں سب سے عمدہ ہے ابن رشد نے کتاب الکلیات میں برخلاف اسکے دعوے کیا کہ اس فخر کا مستحق یونان نہیں بلکہ قرطبہ ہے۔

کتنی مسرت ہوتی ہے جبکہ ہم اتنے زبردست، و جلیل القدر علما اور فلاسفر کو اسقدر خلیق، متواضع اور منکسر المزاج پاتے ہیں۔ بالتحقیق جملہ علوم عبادات کی اصلی غرض یہی ہے کہ انسان کے اخلاق و عادات درست اور اعلی ہوں۔ اسلامی دنیا میں جسقدر بڑے بڑے اور عظیم المرتبت افراد ہوگزرے ہیں سب اخلاق و عادات میں فرد فرید تھے۔ خانخانان حکیم گیلانی۔ ابو الحسن غزالی رازی نظام الملک برامکہ اور فارابی ابن ماجہ غرض جس ستارے پر نظر ڈالو گے اخلاقی روشنیوں سے جگمگا نظر آئیگا اور فیاضی و دلسوزی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہوگا یہی وہ جوہر ہے جس سے انسانیت حیوانیت سے تمیز نمایاں ہوتی ہے اور انسان اصلی معانی میں انسان کہا جا سکتا ہے انسان کی شرافت و دناءت اور بھلائی برائی کا معیار صحیح اخلاقی صفات ہی ہیں۔ اور اسی اصول سے ہم اعلی اور ادنی میں شریف اور رذیل میں تمیز کرسکتے اور خلائق کو اپنا دوست یا دشمن بنا سکتے ہیں اگر اخلاقی تجلی اور خصائل پسندیدہ نہوں تو انسان کی تمام محامد اور خوبیاں بیکار اور موہوم شئے ہیں اور دنیا میں ہرگز اسکو سچی اور اصلی عزت نہیں نصیب ہو سکتی۔

ابن الابار سے مروی ہے کہ اسکی جملہ تصانیف کے صفحے بیس ہزار ہیں فلسفہ، فقہ، طب میں نہایت معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں۔ ابن رشد کی تصنیفات کی کثرت تحقیق و تنقید، تنوع، جدت مضامین جس درجہ حیرت انگیز ہے اس سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ تمام تصنیفات نہایت کثیر الشغلی اور پریشانی کی حالت کی ہیں۔ وہ قاضی القضاۃ اور افسر صیغہ عدالت تھا اس تعلق سے وہ

اور اسپین کے تمام بڑے بڑے ضلع کا دورہ کرتا رہتا تھا اور اس دوران میں اسنے اپنی جملہ کتب تصنیف کیں
یورپ کے مسلمانوں کی نسبت حروب صلیبیہ کے زمانے میں عجیب عجیب خیالات تھے۔ لیکن
جب اسلامی ممالک میں اہل یورپ کا گذر ہوا۔ اور انکو ہر جانب علمی ترقیات کے حیرت انگیز مناظر
آئے تو سب سے پہلا اثر جو یورپ کے دل پر پڑا وہ مسلمانوں کی علمی فضیلت کا اعتراف تھا انھوں نے
مذہبی مخالفت کے باوجود سرچشمہ تہذیب سے سیراب ہونا شروع کردیا۔ سب سے اول طلیطلہ (ٹالیڈو)
کے لارڈ بشپ ڈرمیونڈ نے مختلف اسلامی فلسفیانہ تصنیفات عربی سے لاطینی میں ترجمہ
کرنے کی غرض سے ایک محکمہ قائم کیا جسکے یہودی ماہرین کی سعی سے ابن سینا۔ فارابی اور کندی
کی بعض بعض تصنیفات ترجمہ کیں [illegible] اور میخائیل [illegible] تراجم کا کام شروع ہوا۔ یہ
ابتدائی حالت تھی لیکن فلسفہ عرب کی اشاعت کا زمانہ اصلی درحقیقت فریڈرک دوم سے شروع
ہوتا ہے جو جرمن کا کائزر تھا۔ [illegible] فرمانروا گذرا ہے [illegible] فرمانروا درحقیقت یورپ کا
مامون رشید تھا۔ اسکی طبیعت فطرتاً [illegible] واقع ہوئی تھی اور مذہبی گروہ کی شدید مخالفت کے
باوجود اسکے شوق کا دریا [illegible] چونکہ علوم و فنون کے سرچشمہ اس عہد میں عموماً
اہل عرب تسلیم کیے جاتے تھے [illegible] سے عربی زبان سیکھی اور اسدرجہ
عربی رسم و رواج کا شیفتہ ہوگیا تھا [illegible] اور خواجہ سرا مقرر کیے دور دور سے
عربی دان فضلا جمع کیے۔ یہاں تک کہ [illegible] اسکے دربار میں پہنچے جو چوڑی اور بڑی
آستینوں والی عبائیں پہنتے تھے گو تمام دربار کو سخت ناگوار تھا مگر فریڈرک علانیہ عرب کے مراسم اور
علوم و فنون کی توصیف کیا کرتا تھا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ بایں ہمہ بیت المقدس کے چھٹے حملہ میں فریڈرک
ایک کثیر فوج کے ساتھ شامل ہوا۔ لیکن یہاں بھی وہ علمی مشاغل سے خالی نہ رہا مسلم علما کو اپنی مجلس
میں بلا کر ریاضی کے مشکل مسائل حل کرتا تھا اور اکثر وہ ان مسائل کو اسلامی سپہ سالار کے پاس
بھی بغرض حل بھیجا کرتا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ بدقت لڑائیاں لڑتا تھا۔ لیکن مذہب کی یہ حالت
تھی کہ ہیکل مقدس میں جاکر حضرت عیسیٰ کی زیارتگاہ کی ہنسی اڑاتا تھا حتیٰ کہ اسوقت لارڈ بشپ
نے اسکی ان تمسخر آمیز باتوں کو قلمبند کر لیا۔ عیسائی عموماً اسکو برا سمجھتے تھے اور خاص کر پادریوں نے
ہجو میں نظمیں لکھی تھیں۔ جب پوپ [illegible] بادشاہ ہے بالعموم عیسائی

اُسکو دجال کہتے تھے۔ لیکن وہ آزادانہ عربی تراجم کراتا رہا۔ اس عہد میں ابن رشد کے یہودی تلامذہ
اسپین سے نکلکر مختلف ممالک میں منتشر ہوگئے اور یہودا بن سلیمان (۱۲۴۷ء) اور یعقوب بن ابی مریم
نے (　　　) شہنشاہ فریڈرک کے حکم سے ابن رشد کی بہت سی تصنیفات ترجمہ کیں۔ اسکے بعد
کالونیم نے (۱۳۲۸ء) اعبرانی میں ترجمہ کیا اور تہافۃ التہافۃ کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا۔ غرض چودھویں
صدی کے آغاز تک ابن رشد کا فلسفہ تمام یہود میں پھیل گیا۔ اور سولھویں صدی عیسوی میں یہودی
علماء نے فلسفہ کی بارود سے مذہبی قلعہ برباد ہوتے دیکھکر زور و شور سے علم مخالفت اٹھایا۔ اسوقت
تک زیادہ تر فلسفہ ابن رشد کی اشاعت یہودیوں میں ہوئی تھی اور وہی حامی خیال کیے جاتے تھے۔
مگر اب وہ زمانہ آیا کہ تمام یوروپ میں فلسفہ ابن رشد نے رواج پایا۔ سب سے پہلے میکال اسکاٹ
نے ۱۲۳۰ء میں یہ خدمت انجام دی یہ فاضل طلیطلہ میں مقیم رہتا تھا اور فریڈرک کا درباری تھا
اسکاٹ کے بعد ہارمن ایک اور معزز درباری جرمن نے اس فلسفہ کی ترویج کی۔ اب عام توجہ
شروع ہوئی اور تیرھویں صدی کے اختتام سے قبل ابن رشد کی تمام کتب لاطینی زبان میں آگئیں
ابن رشد کے خیالات کا یوروپ میں پھیلنا تھا کہ عیسائی مذہبی گروہ میں آگ سی لگ گئی اور ۱۲۰۹ء
میں ایک بڑے مذہبی جلسے نے پیروان ابن رشد کو گمراہی کا فتویٰ دیدیا۔ ۱۲۱۵ء میں عیسائی
مذہبی محکمہ نے یہ فتویٰ نافذ کیا کہ فلسفہ ارسطو اور تصنیفات ابن سینا کی تعلیم و تعلم حرام ہے ۱۲۳۱ء
میں پوپ نہم نے حکم دیا کہ عرب کے فلسفے کی درس و تدریس قطعاً بند کردی جائے۔ فضلائے یورپ گیوم ڈفرن
اور ریمنڈ نے مجموعاً اور سینٹ ٹامس نے خصوصاً فلسفہ عرب اور ابن رشد کی مشہور عالم مخالفتیں کیں۔ بڑے
بڑے رد لکھے اور مشہور و معروف شاعر ڈینٹی نے تک ایک ہجو موزوں کر ڈالی۔ ریموں مول نے ۱۳۱۰ء
سے ۱۳۱۲ء تک تمام شہروں کے سفر کیے کوششیں کیں۔ اور پوپ کو فلسفہ ابن رشد کی جانب سے بردست
توجہ دلائی لیکن فلسفہ کا جادو ایسا نہ تھا جس سے کوئی جماعت بے اثر رہتی۔ خود مذہبی گروہ میں ایک
فرقہ فرانسسکن پیدا ہوگیا جسنے نہایت دلیری سے فلسفہ عرب کی حمایت کرتے ہوئے آزادانہ روما کی
سطوت و صولت کا مقابلہ کیا اس فرقہ کے مشہور لیڈر جان ڈی لارڈ شیلی نے علانیہ فلسفہ ابن سینا و
عرب کی پیروی کا اظہار کیا اور مخالفین سے بہ کثرت [illegible] رفتہ رفتہ فرانس کی مذہبی درسگاہ دو
فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ سوربول کے مدرسہ میں ٹامس کے معتقدات کی تعلیم ہوتی تھی۔ مگر پیرس

یونیورسٹی میں ابن رشد کا فلسفہ پڑھایا جاتا تھا۔ الگزنڈر پوپ چہارم نے چھ سات سال کے عرصہ میں چالیس فرمان صادر کیے کہ عرب کے فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا کفر ہے۔ ۱۲۶۹ء میں پیرس کی مذہبی مجلس نے فلسفیوں کے فاسد العقیدہ ہونیکا فتوے دیدیا۔ لیکن ان تمام ہنگاموں کے ساتھ ابن رشد کا فلسفہ برابر یورپ میں پھیلتا رہا حتی کہ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ کا بڑا حصہ ابن رشد کا پیرو بنگیا چنانچہ فرانس کے مشہور بادشاہ لوئیس یازدہم نے ۱۴۷۳ء میں صیغۂ تعلیم کی اصلاح کرتے ہوئے پروفیسروں کو حکم دیا کہ ارسطو کی تصنیفات پر ابن رشد کی شرحیں داخل نصاب کی جائیں اب تمام یورپ میں فلسفۂ ابن رشد کی عام اور علانیہ درس و تدریس پر بھی کوئی مخالفت نہ کرتا تھا ابن رشد کے فلسفہ کی تعلیم کا اعلیٰ مقام پیڈوا (اٹلی) یونیورسٹی تھی۔ اب یوروپ کے جمیع علمی حلقوں میں وہ وقعت ابن رشد کی کیجاتی تھی کہ اسکے نام پر لوگ فخر کرتے تھے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

جو مخالفتیں عرب کے علوم کی یوروپ میں ہو سکیں وہی ایشیا میں عمل میں لائی گئیں اور ہنوز وہی سلسلۂ تعصب کسی نہ کسی صورت میں کسی نہ کسی طرف سے جاری ہے۔ جائے غور ہے کہ جو بہاریں آج اغیار کے گلشنوں میں کھیل رہی ہیں کل تک ہمارے پاس تھیں اور اُجڑے ہوئے چمنوں میں بھی اُنکی خوش خرامیاں دیکھی گئی ہیں جس ابر گہر بار نے یوروپ کو چمن زار عشرت بنا دیا وہ عرب ہی کے سمندروں سے اُٹھا۔ مگر افسوس آج ہم میں کتنے ہیں جو ابن رشد۔ ابن تیمیہ اور ابن سینا کی تصنیفات دیکھیں تو کجا اُنکی سوانح عمریاں ہی بتا اور سنا سکیں۔ اُنکے عقلیات اور جواہر پاروں سے مستفیض ہونا تو ایک طرف اُنکی دلاویز و سکون بخش یادگاروں ہی کا تحفظ کر سکیں۔

وہ ابن رشد جسکی متبرک و گرانقدر ہستی یادر گیتی کو ہمیشہ نازرہیگا جسکے کارنامے چشم عالم میں اب تک خیرگی پیدا کر رہے ہیں جسنے یورپ کی اُستادی کا یادگار زماں فخر حاصل کرکے عرب کے فلسفہ کو وہ ضیا بخشی جسکی چوندھیا دینے والی روشنی نے مصر و یونان کی علمی شمعوں کو ٹمٹما دیا جسکے فضائل عالیہ اور اخلاق رفیعہ نے جلا مکانی آسا تشیں و ایکم خلائق کو عموماً اور اہل وطن کو خصوصاً بیوجہ ایجانی جانی روا رکھیں آج پست ہمتی اور قصیر العلمی کے باعث ہم میں سے فی ہزار ایک کو بھی بھولکر

یاد نہیں آتا۔ اگر ابن رشد و فارابی جیسے مایۂ ناز فلاسفروں کی سوانح عمریاں سلیس اور دلفریب رنگ میں ڈھلکر نونہالانِ قوم کو پڑھائی جائیں اُن کے علمی کارناموں کے چہرے سے بے نقاب کئے جائیں اور اُنکے اوصاف و مکارمِ اخلاق و حلم کی مؤثر داستانیں اُن کے سامنے دہرائی جاتی رہیں تو دل و دماغ نزہت کدۂ تجلی بن جائیں اور ترقی و عروج کی بھولی ہوئی راہیں پھر نظر کے سامنے انبساط افزا نظر آئیں ناظرینِ احساس صحیفہ اپنا حقیقی و اصلی ... معدوم ہو جانے پر تو وہ بچۂ شیر جو ایک مدت تک ہر طرح بھیڑ بنا رہا تھا ایک بیباک شیرِ غران ہو گیا تو کیا ہم انسان ہوکر اشرف المخلوقات کہلا کر بھی تکامل درست جسم میں ترقی کی ایک پھریری محسوس نہ کر سکینگے۔ حیرت ہوتی ہے۔ ابن رشد جسکی تصنیفات کا مسلمانوں کو نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ یورپ میں ایک مدت تک اسکی تصنیفات تمام بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں داخلِ درس رہیں اور سینکڑوں اہلِ کمال اُنکے حواشی و شرح لکھتے رہے اور اب جبکہ اسلامی تذکروں تک میں ابن رشد کے حالات بہت کم ملتے ہیں اور ... اندلسی اور ابن ابی اصیبعہ نے بھی نہایت اجمال سے تذکرہ کیا ہے فرانس کے مشہور مصنف ارنسٹ رینان کا ۵۰۰ صفحے کی مبسوط اور محققانہ سوانح عمری لکھ ڈالنا اور اردو میں ہنوز دو ایک مضمونوں کے سوا کچھ نہ ہونا کس درجہ تاسف خیز اور دردناک حقیقت ہے۔

سیکڑوں جواہر ریزے صدہا دُرِ گراں بہا خاک میں مل گئے اور ملتے جاتے ہیں پھولوں کی بجائے جابجا کانٹے نظر آرہے ہیں۔

نہ وہ بزم آرائیاں ہیں! نہ وہ حوصلے! دنیا نے ہماری رعنائیاں دیکھی تھیں، زمانے نے ہمکو سراہا تھا۔ مگر کل کی شہ خواریوں کا خمار آج دلشکن ہے! اگلی صحبتوں کا لطف اب جان لئے لیتا ہے۔ افسوس!

کبھی ہم وہ تھے کہ روتوں کو ہنسا دیتے تھے
وہی اب ہم ہیں کہ تھمتا نہیں آنسو اپنا

شریف احمد مراد

اسلام شریعتِ فطرت ہے

"اسلام" ذکور واناث کے تساوی و تفضیل کے مسئلہ کو اب سے تیرہ سو برس پہلے صرف ایک جملہ "الرجال قوامون علی النساء" سے فیصلہ کر چکا ہے مگر اسقدر زمانہ گذر جانے کے بعد اہل علم و فضل قوموں کو اس جانب توجہ ہوئی ہے اور یہ مسئلہ کچھ عرصہ سے یورپ میں اہم بحث بنا ہوا ہے علما سائنس و ماہرین طبعیات و فزکس اس علمی بحث میں دلچسپی سے حصہ لے رہے ہیں تحقیقات جاری ہے اور تساوی ذکور واناث کے عقلی و نقلی و فطرتی دلائل بہم پہونچائے جا رہے ہیں لیکن اسوقت تک اسلام کی صاف و روشن دلیل کے مقابلہ میں وہ کوئی قابل توجہ برہان پیش نہیں کر سکے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ کی تحقیقات سے بہت مسائل واضح ہو گئے ہیں اسلئے ہم اس موضوع پر ایک سرسری نظر اسوقت ڈالتے ہیں چونکہ یہ مسئلہ فطرت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس بحث کی تنقید مسلمات علماء علم الحیوان و علم الانسان تشریحات جدیدہ تحقیقاتی نتائج اور اصول مسلمہ علما یورپ سے مناسب ہوگی۔ اور سب سے پہلے امتیازات عمومیہ حیوانات اور ابتدا خلقتِ انسانی کے معلومہ تفاوتات میں غور کرنا پڑیگا کہ فطرت یا نیچر نے حیوانات کی نرد مادہ یا انسانی ذکور واناث میں ایک کو دوسرے سے ممتاز کیا ہے یا نہیں؟ اگر باہم ممتاز ہیں تو یہ امتیاز کس نتیجہ کی مقدمات ہیں۔

اکثر فلاسفہ و طبعیین متقدمین و حکما ء سدحائیین انسان کے علاوہ حیوان کی کسی نوع میں قوت عاقلہ یا مدرک کلیات کو تسلیم نہیں کرتے یا تحقیق نہیں بتاتے۔ مگر بملاحظہ خوارق و معجزات اور بعض علماء (مثل سید مرتضی و مجلسی علیہما الرحمہ) کے اشارات و اقوال سے مفہوم و مستنبط ہوتا ہے کہ انسان کی مانند تمام حیوانات میں قوتِ نطق یا مادۂ ادراک کلیات موجود ہے بلکہ نباتات و جمادات میں بھی یہ ودیعت محفوظ ہے طبعیین دورِ جدید (انگلینڈ، یورپ و امریکہ) کے مسائل محققہ و مسلمات مصرحہ سے ہے کہ جو مبادی قویٰ انسان میں پائے جاتے ہیں باختلاف فرق و تفاوت کے کل حیوانات بلکہ کل اجسام میں موجود ہیں یہ پہلا مسئلہ ہے تحقیقات جدیدہ کا جو لامرک اور ڈارون کی کوششوں کا نتیجہ کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی فلاسفی یا تحقیقات اسلام کے ملہم من اللہ ہونے کا بین ثبوت ہے ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی تحقیق کو اسوقت بیان کیا تھا جب کہ جہالت کی تیرہ و تار

گھٹا فضاءِ عالم میں پھیلی ہوئی تھی آلات واسباب تحقیقات مفقود تھے سعی وکوشش کے قدم لنگ تھے سیر سیاحت کی کوئی تھی یعنی جو اعمال وادراک محض آلات واسباب کے نتائج ہیں انھیں امور ممکنہ کو اپنی تصدیق کے لیے بلا اسباب وآلات کر دکھائے جسکو اہل شرع معجزہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثلاً سنگریزوں کی تسبیح وشہادت درختوں کا جزع وفزع حیوانات صحرائی کا استغاثہ حزنیہ حال وغیرہ اسوقت جمادات ونباتات سے توہمیں تعلق نہیں نوعی حیثیت سے صرف انسانی اور جنسی حیثیت سے حیوانی سے بحث ہے۔ کل انواع یا اصناف حیوان کو باعتبار مبدئیت صرفہ (سرچشمہ فعل) متحدی النوع تسلیم کرنے کے بعد بلحاظ ارتقاء وانحطاط تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے یا تین طبقے قرار دیئے گئے ہیں۔

نمبر۱ حیوانات سافلہ جنمیں قوت عاقلہ مبدئیت صرفہ کے مرتبہ میں ہے اور فعلیت سے بہت دور ہیں جیسے حشرات الارض زنبور حیوانات بحریہ وغیرہ

نمبر۲ حیوانات راقیہ جن میں قوت عاقلہ فعلیت کے مرتبہ میں موجود ہے یا تعلیم وتعلم کی صلاحیت متحقق ہے جیسے لنگور بندر انسان وغیرہ

نمبر۳ حیوانات متوسط یعنی طیور وبہائم جیسے چڑیاں اور شیر وغیرہ داخل ہیں مذکورہ بالا تقسیم یورپ کی تین صدیوں کی مسلسل تحقیقات اور اربوں روپیہ کے مصارف کا نتیجہ ہے لیکن بایں ہمہ وہ حیوانات راقیہ میں سے بجز انسان کے جسمیں صلاحیت تعلیم وتعلم مسلم ہے کسی دوسری صنف کو ابتک تعلیم نہ دے سکے اور ایک امی محض جس کے پاس نہ آلات تھے اور نہ اسباب اُس نے اب سے تیرہ سو برس پہلے نہ صرف قابلِ تعلیم کو تعلیم اور قابل گویائی کو گویا کر کے دکھایا بلکہ ناقابلِ تعلیم وگویائی (بمذاق حکماء یورپ) کو بھی گویا کر کے دکھا دیا۔ حق یوں ہے کہ مسائل کی تحقیقات میں علوم جدیدہ کے علماء جسقدر مبالغہ ارتقاء اور ادعائے تجسس کرتے ہیں اسیقدر انکا دعوے کمزور ہوجاتا ہے اور باعتبار واقع ونفس الامر اور بتقابل تعلیم اسلامی منازل علمیہ کے مقدمات کا ادنیٰ نتیجہ ثابت ہوتا ہے سچ کہتا ہے ڈاکٹر ہرشل کہ کسی مسئلہ کی تعیین موجب ذلت وضلالت ودلیل نقص ہے مسئلہ مذکورہ حیوانات کے تقابل وتوازن میں اہل یورپ تین مسلک رکھتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ہر مسلک اعتدال فطری سے متجاوز ہے۔ چنانچہ ایک فرقہ عورتوں کو اسقدر کمزور وپست خیال کرتا ہے کہ حیوانات

سانپ سے بھی بدتر بتاتا ہے، "شوپنہور" جرمنی عورتوں کو اخس الحیوانات و شر الموجودات کہا کرتا تھا، کینٹ عورتوں کو طویلۃ الشعر قصیرۃ الفکر و کم عقل کہتا تھا سولھویں صدی کے اواخر میں یورپ میں علماء کی ایک کمیٹی اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے بیٹھی تھی کہ آیا عورتیں ذی روح بھی ہیں یا نہیں کمیٹی کا ایک حکیم صرف اس لئے زندہ جلا دیا گیا کہ اس نے عورتوں کو ذی روح کہہ دیا تھا دوسرا صرف اس جرم میں زندہ دفن کر دیا گیا کہ اسے عورتوں میں تعلیم و تعلم کی صلاحیت تسلیم تھی دوسرا گروہ پہلے گروہ کے تفریط کی تلافی افراط سے کرتا ہے اور عورتوں کو مردوں سے افضل و فائق بتاتا ہے زود یہ رد فریخ)

تیسرا فرقہ انتہائے عدل و انصاف تساوی کو سمجھتا ہے۔ اسی خیال کے طوفان نے یورپ کی سب سے بڑی سلطنت کی بنیاد کو متزلزل کر رکھا تھا۔ اگر جنگ کی آتش عالم سوز شعلہ ور ہو گئی ہوتی تو طلب صادق یا قدرت کی عطا کردہ حریت سیاسی کی تحصیل میں جد و جہد کی عبرت خیز مثال قائم ہو گئی ہوتی، مذہب اسلام نہ غصب حقوق کو روا رکھتا ہے نہ تسویہ و تفضیل کا سرغنہ بلکہ ہر صنف کو اسی حد میں رکھتا ہے جو تحدید قدرت ہے اور ہر فرد کو وہی حقوق عطا کرتا ہے جو عطیہ فطرت ہے۔ یعنی اگر بارشاد الرجال قوامون علی النساء مردوں کو عورتوں پر حاکم قرار دیتا ہے تو بفرمان لهن مثل ما علیهن عورتوں کو مردوں کا برابر کا سہیم و حصہ دار بناتا ہے جس میں نہ غصب و استبداد ہے نہ تقسیم و تفریط بلکہ یہی حکم فطرت و قدرت ہے۔

چونکہ علماء یورپ جسم و روح یا مادہ و عقل کو دو جداگانہ و مستقل ماہیت نہیں تسلیم کرتے بلکہ روح و عقل مادہ کے ارتقا کے مراتب جانتے ہیں اور قوت جسمانی و عقل دو نتیجے ہیں صلابت ترکیب جسم و حالت دماغیہ کے اور یہی دونو نتیجے منشا تفضیل و تسویہ ہو سکتے ہیں اسلئے ہمکو ترکیب جسم و حالت دماغ سے اس موقع پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

ترکیب جسم

اگر اعضا کا امتیاز و تفاوت فطرت کا مسئلہ ہے تو اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس امتیاز کی ابتدا وقت انعقاد جنین یا رحم سے ہوتی ہے۔ مگر احساس انسانی کا نقص و ضعف و آلات احساس و ادراک کی نارسائی و فقدان نے قوت بشری کو کسی نتیجہ مؤثرہ یا قابل اعتماد و اعتنا امتیاز محسوس نہیں کیا

یا ہم تک نہیں پہونچ سکا۔ بلکہ ابتدائی احساس وقتِ ولادت سے ہوتی ہی جسکا نتیجہ درج ذیل ہی
(۱) اگر اسباب نشو ونما ہر حیثیت سے متحد و مساوی ہوں تو لڑکوں کا طول لڑکیوں سے ایک سنٹیمیٹر (۵/۱ انچ تقریباً) زائد ہوتا ہی یا بالترتیب لڑکوں اور لڑکیوں کی طول میں۔ ایک ہزار اور ۹ سو ستائیس کی نسبت ہوتی ہے اور نتہائے نمو میں باختلاف ۹۶ ملیٹیمر (۸ ۵/۳ سنٹیمیٹر) یا ۱۲ سنٹیمیٹر مرد کا طول عورتوں سے فاضل ہوجاتا ہے (کواٹلٹ ٹابیز)
(۲) وقت ولادت لڑکے کا وزن - (۳۲۵۰) گرام (۱۵ ۱/۲ حبات) اور لڑکیوں کا وزن (۲۹۰۰) گرام ہوتا ہے یعنی لڑکا لڑکی سے (۳۵۰) گرام فاضل ہوتا ہے - آخر نمو میں مرد پانچ کیلوگرام زیادہ وزنی ہوجاتا ہے اور (۱۴) سے (۵۶) سال کے سن تک گیارہ کیلوگرام فاضل ترقی کرجاتا ہی (کواٹلٹ)
(۳) عورتوں کی ہڈیاں مردوں سے سبک و ہلکی ہیں عورتوں کی ہڈیوں میں انسیت غالب ہے اور مردوں کی ہڈیوں میں حیوانیت حیوانیت علت تقویت قوای جسمانی ہے (ملن اڈورڈ)
(۴) مردوں کے اعصاب و عضلات عورتوں سے غلیظ و صلب ہوتے ہیں اور غلظت صلابت سبب تقویت جسم ہی۔
(۵) مسلم ہی کہ مردوں کی غذا عورتوں سے قطعاً زائد ہوتی ہی اور غذا کی زیادتی موجب تکثیر تولید خون و اخلاط صالحہ ہے اور کثرت وقلت تولید خون جالب قوۃ وضعف قوائے جسمانی و روحانی ہے۔

(۶) جسقدر خون مردوں میں پیدا ہوتا ہی کلاً محفوظ اور تغذیہ جسم و تربیت روح حیوانی میں صرف ہوتا ہے بخلاف عورتوں کے کہ انمیں باوجود قلتِ پیدا وار کے کلاً جزو جسم نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف اوقات میں باختلاف اقتضائے ضروریات و وقت مثلاً زمانہ ایام حمل میں غذا رجنین ایام رضاعت میں باستحالہ صورت، تربیت رضیع میں مقدار معتد بہ صرف ہوتا ہے، اور زمانہ حمل و رضاعت کے علاوہ بھی بعض فطری ضروریات سے دوسرے طریقوں سے خارج ہوتا ہے -
(۷) عورتوں کے خون میں کاربون یا اجزاء ردیہ اور ذرات سفید غالب ہیں جو نا قابل جزئیت جسم ہیں -
(۸) مردوں کے خون میں ولاً تولید کی توفیر ہے ثانیاً کلاً جزو جسم ہوتا ہے ثالثاً مردوں کے

خون میں ذرات سرخ صلی غذائیت جسم غالب اور نسبتاً عورتوں کے خون سے زائد ہوتے ہیں چنانچہ جدید خوردبینیں بتاتی ہیں کہ مرد کے ایک ملیٹر (۱/۲۵ انچ) مکعب خون میں دس لاکھ ذرات سرخ ہوتے ہیں۔

(۹) یہ امر مسلمات جدیدہ سے ہے کہ مدار حیوۃ جذب اکسیجن ہے اور آلۂ جذب ریہ یا پھیپھڑا ہے اور مرد کا سینہ عورتوں سے نصف لیٹر (ایک لیٹر مساوی ہے ہزار سنٹیمیٹر یا ۱۷۶/۱۰۰ - پائنٹ کے) زیادہ وسیع ہے یا دوسرے الفاظ میں مرد کا آلۂ تنفس یقیناً حیوۃ کو عورتوں سے زیادہ حاصل کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مردوں کی قوۃ زندگی یا حیواۃ عورتوں کے حیوۃ سے قوی تر یا زائد ہے۔

(۱۰) علم الحیوانات کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ حیوانات (باقیہ و انسان) ایں ذکور اناث پر بحیثیت قوائے جسمانی و روحانی غالب و قوی تر ہے۔

بالجملہ امور عشرۂ مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ قدرت یا فطرت نے صنف ذکور کو ایسے امتیازات و تفوق قوائے جسمانی میں مرحمت کئے ہیں جن سے اناث محروم ہیں۔

حرکات وسکنات

(۱) ڈلونی کہتا ہے اور مشاہدہ کی بنیاد پر کہتا ہے کہ" عورتوں کے قدم اکثر مسطح و منبسط ہوتے ہیں اور مردوں کے قدم محدب" اور انبساط قدم دلیل انحطاط و ضعف کی ہے اور تحدب نشان ارتقا و علو ہے۔

(۲) اسی کا [illegible] تجربہ ہے کہ رجال کے حرکات یمینیہ یا تقریبیہ ہوتے ہیں اور داہنے اعضا زیادہ قوی اور [illegible] سا تجدید یہ ہوتی ہے اول علامت ارتقا اور ثانی نتیجہ انحطاط ہے۔

(۳) [illegible] بہ نسبت مردوں کے ہر ملک میں جرائم پیشہ کم ہوتی ہیں یا فطرتاً عورتوں کو جرم پیشگی کی طرف اقدام کا میلان نہیں ہے اور کاملٹ کہتا ہے کہ عورتوں میں ارتکاب جرم کی قلت صرف انکی ضعف کی وجہ سے ہے۔

(۴) عورتوں کا میلان مکر و حیلہ کی طرف انکی فطرت ہے اور مکر و حیلہ سلاح جنہا ریا نشان ضعف ہے اسی قانون فطرت کی طرف ان کیدکن عظیم سے اسلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

(۵) یہ امر مسلمۂ جمہور ہی بلکہ بچہ بچہ جانتا ہی کہ مادہ محبت و الفت احسان و عطوفت عورتوں میں فطرتاً مردوں سے زائد ہی اور انکا غلبہ دلیل ضعف ہی۔

(۶) ڈالنا سیٹر سے قیاس کیا گیا ہے کہ عورتوں میں کمال قوت کے زمانہ میں (یعنی پچیسویں سال سے تیسویں تک بمقابل مردوں کے اسی زمانہ میں) مردوں کی ثلث قوت ہوتی ہے یا مردوں کی قوت ایک ثلث فاضل ہوتی ہے پھر جب منتہائے قوت کے زمانہ میں لحم کی زیادتی مسلم ہے تو انحطاط کے زمانہ میں کسی قدر کمی ہو جائیگی۔ حالانکہ عورتوں کا انتہائے نمو ۱۹ سال تک ہے بخلاف مردوں کے کہ ۲۲ - ۳۰ سال میں نمو کی تکمیل ہوتی ہے "للذکر مثل حظ الانثیین"
اس قسم کے امور ادبیہ و اخلاقیہ کا اگر استقرا کیا جائے تو شاید سیکڑوں سے متجاوز خصائص نکل سکتے ہیں جو ضعف قوائے اناث کی شہادت دیتے ہیں مگر یہاں صرف چند مسلمات مغربیہ کے انتخاب اشارتاً عرض کئے گئے ان امور کو ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں لیکن اسکو بے نتیجہ و بے ثمر سمجھتے ہیں۔
یہ وہ امور تھے جو قوائے جسمانی کے تفاضل کے مؤیدات ہیں۔
اب دوسرا توازن و تقابل قوت عاقلہ یا احساس و ادراک کا ہی جو علاوہ علو منزلت و دنائت مرتبت کے اس زمانہ کے موضوع بحث مسئلہ تعلیم نسواں کو بھی ہر پہلو سے روشنی میں لاتا ہے۔

حالات دماغ

(۱) ڈاکٹر بروک کا بیان ہے کہ مردوں کا جمجمہ باعتبار مساحۃ عورتوں سے بڑا ہوتا ہے جسکی تفصیل مختلف اصناف میں بیان کی ہی۔

(۲) وسعت جمجمہ یا کھوپڑی کی کشادگی اہل اسٹریلیا میں ۳۷ چینیوں میں ۵۹ عوام اہل فرانس میں (۱۵۰) اہل برطانیہ میں (۲۰۳) سنٹیمیٹر مکعب مردوں میں عورتوں سے فاضل ہوتی ہی

(۳) مردوں کے دماغ کا وزن (۱۳۲۳) گرام ہوتا ہے اور عورتوں کے دماغ کا وزن (۱۲۱۹) گرام یعنی مرد کے دماغ کا وزن عورتوں سے (۱:۳) گرام فاضل ہوتا ہے ڈاکٹر بروک اس تفاوت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس امتیاز تفاضل کو قد و قامت کی چھوٹائی یا بڑائی سے کچھ تعلق نہیں ہے کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہی کہ قد کی نسبت (۹۲۷) و (۱۰۰۰) کی نسبت ہے اور وزن دماغ کی نسبت (۹۰۹) و (۱۰۰۰) کی نسبت ہی اگر یہ تفاوت قد کے امتیاز کا نتیجہ

ہوتا تو وہی نسبت ہوتی جو قد میں ہے۔ جب وہ نسبت نہیں ہے تو ظاہر ہو گیا کہ دماغ کا ثقل وخفت فطرت کا امتیاز ہے۔

(۴) علمار علم الحیوان والانسان کا اتفاق ہے کہ مقر قوۃ عاقلہ یعنے مقدم دماغ مردوں کا عورتوں سے (۵) سنٹیمیٹر مکعب زائد و فاضل ہے اور اسکے عکس مؤخر دماغ جو مرکز ترحم و عطوفت (علامت ضعف) ہے عورتوں کا وسیع ہے۔ جب قوت عاقلہ کا دار و مدار صرف حالات دماغیہ کا تابع ہے اور ہر حیثیت سے مرد فاضل ہے تو اسکا یقینی نتیجہ یہ ہوگا کہ مردوں کی قوت عاقلہ بہ نسبت عورتوں کے فاضل و قوی ہے۔ انھیں وجوہ سے دور جدید کے عام فلاسفہ و طبیعین اور خصوصًا ڈاروِن اور اعظم علمار (علم الانسان) ڈاکٹر بروک کو اقرار کرنا پڑا کہ عورتوں میں بہ نسبت مرد کے قوت ادراکیہ یا احساس فطرتًا کم ہے اور بقراط و ارسطو تو پہلے ہی سے تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ عورتیں فطرتًا مردوں سے ہر حیثیت سے پست و ناقص العقل ہیں۔

اصول مذکورہ بالا میں معمولی فکر و غور سے یہ نتیجہ ماخوذ ہوسکتا ہے کہ الرجال قوامون علی النسار سی تعلیم اسلام قانون فطرت کے عین مطابق یا مساوات و تفصیل نسوان اسلام شریعت فطرت ہے یا مسلک اہل یورپ۔ اگرچہ بظاہر نظر یہ ایک معمولی مسئلہ تھا مگر میرا خیال ہے کہ انھیں اصول سے اسلام کے سیکڑوں مسائل کا احکام فطرت ہونا مستنبط ہوتا ہے جسکو اسوقت بخوف تطویل ترک کیا گیا

سید فضل امام متعلم ٹپنہ کالج

ارض القرآن۔ قرآن مجید کی تاریخی تفسیر قرآن مجید میں عرب کے جن مقامات کا ذکر ہے انکی جغرافیائی تحقیق عرب کی جن اقوام کا ذکر ہے انکی اجتماعی اثری مذہبی اور اخلاقی تاریخ مصنفہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اسلامی لٹریچر میں اپنی قسم کی یہ پہلی کتاب ہے قیمت علاوہ محصول (دو روپیہ ۸ آنہ)

انقلاب الامم۔ موسیو لیبان مصنف "تمدن عرب" نے اس کتاب میں قوموں کے بننے بگڑنے کے اسباب و علل سے بحث کی ہے اسکا ترجمہ دار المصنفین نے شایع کیا ہے مسلمانوں کے لئے اسکا مطالعہ نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنی موجودہ پست و زبوں حالت کی ماہیت و علت کو سمجھ سکیں اور اصلاح و درستی کی کوشش کریں قیمت علاوہ محصول ۱۲

دماغ اور عمل

قدرت نے ہمیں جتنی قوتیں اور جتنے جذبات اندرونی اور بیرونی دے رکھے ہیں اُن کی
جداگانہ تفسیر اکثر عالموں نے اپنے اپنے رنگ میں کی ہے اور اُن کی حقیقت دن بدن اور بھی
کھلتی جاتی ہے اگرچہ ہر ایک انسان ایسی قوتیں اور ایسے جذبات رکھتا ہے لیکن انسانوں میں
سے خال خال انسان ہی علمی رنگ میں اُنکی حقیقت سے واقف ہیں ہر شخص دل اور دماغ رکھتا ہے
اور مختلف رنگوں میں اُن سے کام لیتا ہے مگر علمی رنگ میں اُنکی قوتوں اور تصرفات سے کوئی کوئی ہی
واقف ہوتا ہی۔ دل اور دماغ دو طرح پر کام دیتے ہیں۔

(الف) اپنے طور پر

(ب) بزائد تصرفات کے تحت۔

اس طرح انسان کے اور اعضاء اور قوتیں بھی کام دیتی ہیں اپنے طور پر کام دینے سے یہ مطلب ہے
کہ ہمیں اسکے متعلق کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا خود بخود ہر قوت اور ہر جذبہ کام دیتا ہے دماغ اور
دل بہت سے کام ہیں بلا کسی تردد کے دیتے ہیں دیکھو انکی قوتیں برابر کام کرتی رہتی ہیں اسطرح
ضمیر اور دل بھی میں مصروف رہتے ہیں ان ہی کی مانند دوسری قوتیں اور دوسرے جذبات بھی لگاتار

مصروف رہتے ہیں۔

جو کام قوتوں اور جذبات سے لیا جاتا ہو وہ بلا کسی تمیز کے ہوتا رہتا ہے جاہل بھی ویسے ہی
اُن سے مستفیض ہوتے ہیں جیسے فلاسفر اور عالم فاضل ہوتے ہیں دیکھتے نہیں ہو کہ ایک اجڈ جاہل
کا دماغ بھی بعض کام اُسی طرح دیتا ہے جیسے ایک حکیم قانون دان اور فلاسفر کا دماغ دیتا ہے
از خود کام دینے کی قدرت نے جس جس قدر طاقت ہر ایک انسان کی قوتوں میں دے رکھی ہے اُسی
کے مطابق مصروفیت رہتی ہے۔

جیسے ایک فلاسفر اور حکیم کا دماغ مصروف رہتا ہے ایسے ہی ایک جاہل کا دماغ بھی کوئی نہ کوئی
مصروفیت رکھتا ہے جو لوگ بالکل اَن پڑھ ہوتے ہیں وہ بھی قوت حافظہ کی امداد سے بہت کچھ

یاد رکھتے ہیں بلکہ بعض بے علم لوگوں کا حافظہ پڑھے لکھوں سے زیادہ تر کام دیتا ہے اسی طرح دل
بھی مصروف رہتا ہے یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ انسان کی قوتیں از خود بھی کام دیتی ہیں معدہ تاوقتیکہ
بیمار نہ ہو از خود کام دیتا ہے اور اس خوبی سے دیتا ہے کہ سیکڑوں دوائیوں سے بھی ایسا نہیں دیا جا سکتا
اور کوئی شخص ویسی طاقت اس میں پیدا نہیں کر سکتا
یہ تو قدرتی کام ہوا۔

یہ کام معمولی ہوتا ہے محض زندگی کی مصروفیت اور ضروریات کے واسطے اسکے سوائے ایک
اور صیغہ بھی ہے جسے صیغۂ تصرفات کہنا زیادہ تر موزوں ہوگا وہ یہ ہے کہ انسانی قوتوں اور انسانی
جذبات کی جو مخفی قوتیں ہیں یعنی ان قوتوں اور ان جذبات کے اندرون میں جو اعلیٰ طاقتیں
رکھی گئی ہیں ان سے علمی یا ناقدانہ کام لینا

دیکھو جب تک انسان ان پڑھ رہتا ہے اسکی قوتیں از خود معمولی کام دیتی ہیں لیکن جب
ایک انسان تعلیم اور تربیت پاتا ہے تو اسکی قوتوں اور دل و دماغ میں کچھ اور بھی طاقت اور زور
پیدا ہو جاتا ہے۔ وہی شخص جو اپنے دماغ اور دل کو ایک معمولی چیز سمجھتا تھا اس سے بڑے بڑے
کام لینے لگتا ہے۔ پتھر لکڑی۔ سونا۔ چاندی۔ کوئلہ۔ پانی اور آگ از خود ہمیں جو کام دے رہے
ہیں وہ اگرچہ غنیمت ہیں لیکن ان سے بعض انسان علمی رنگ میں جو کام لیتے ہیں وہ کہیں برتر
اور اعلیٰ ہیں ان کی برتری اور علو اس سے ظاہر ہے کہ خود انسان بھی حیران رہجاتا ہے اور اسکی سمجھ
میں آجاتا ہے کہ اسکی قوتوں اور جذبات میں قدرت نے اور بھی کس کس قسم کی طاقتیں رکھ چھوڑی
ہیں اور ایک حکمت سے ان سے اور بھی کیا کچھ کام لئے جا سکتے ہیں۔ پانی اور آگ کا معمولی کام جو کچھ
ہے انسان ان سے لے رہے ہیں لیکن بھاپ سے جو کچھ کام لیا جاتا ہے وہ ایک ایسا زائد کام
ہے جو علمی رنگ میں ہی لیا جا سکتا ہے اور جو معمولی کاموں یا روزمرہ کے کاموں سے الگ ہے۔

وہ شخص جو شعر نہیں کہتا اگرچہ اسکی طبیعت میں یہ ملکہ قدرتاً مودعہ ہوتا ہے لیکن جب وہ شعر
کہنے لگ جاتا ہے تو اپنے پہلے اور حال کے دماغ میں ایک بین فرق پاتا ہے اور اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ پہلا دماغ
کچھ اور تھا اور حال کا دماغ کچھ اور ہے پھر دوسری حالت اور کیفیت دماغ کی ایک متصرفانہ حالت اور
کیفیت ہوتی ہے اور پہلی کیفیت ایک معمولی

ایک ایسا شخص جو اس وقت ایک مشہور صناع ہے کسی وقت ایسا نہیں تھا جب دوسرے رنگ میں دماغ سے کام لیا تو یہ شہرت اور یہ ملکہ پایا کچھ شک نہیں کہ ایسا ملکہ قدرتاً ہی اسکے دماغ اور دل میں مودعہ تھا مگر اس سے اس صورت میں کام لیا جا سکتا تھا جب معمولی طریقہ سے اُن پر زاید بوجھ ڈالا جاوے اور بالخصوص ان سے کام لیا جاوے۔ لوہے میں وہ برش نہیں ہوتی جو تلوار میں ہوتی ہو لیکن ایک کاریگر اُس میں ایسی برش اور تیزی پیدا کر دیتا ہو۔ کلک میں جادونگاری نہیں ہوتی مگر جب قلم بنایا جاتا ہے تو وہی کلک ایک اور رنگ اختیار کر لیتا ہو۔ ہر ہستی معمولی قوت کے سوائے ایک غیر معمولی جوہر بھی رکھتی ہو اور وہ جوہر کام نہیں دے سکتا لیکن اسوقت جبکہ علمی اور استدلالی رنگ میں اس سے کام لیا جائے۔

یہ دو طرح کی طاقتیں اسواسطے ان قوتوں اور جذبات میں رکھ دی گئی ہیں تاکہ جو غیر معمولی کام ہیں وہ تو از خود ہوتے رہیں اور جو اُن سے زیادہ ہیں وہ ایک کوشش اور تصرف کے بعد وجود پذیر ہوں صناع قدرت کی یہ حکمت ثابت کرتی ہے کہ جب تک انسان غیر معمولی کاموں کے واسطے کوشش نہ کرے تب تک وہ ہستی پذیر نہیں ہو سکتے نہ تو معادیات میں کام نکلتا ہے اور نہ معاشریات میں کام لیا جا سکتا ہے۔

انسان تین قسم کی قوتیں رکھتا ہو۔

(الف) قوائے طبعی

(ب) قوائے حیوانی۔

(ج) قوائے نفسانی۔

قوائے طبعی جگر سے متعلق ہیں وہ جاذبہ۔ ماسکہ۔ ہاضمہ۔ غاذیہ۔ دافعہ۔ نامیہ اور مولدہ ہیں۔

قوائے حیوانی۔ جو دل سے وابستہ ہیں۔ جیسے حرکت قلب۔ نبض۔ غضب۔ شہوت۔ اور قوت حیات۔

قوائے نفسانی۔ جو دماغ سے مربوط ہیں جیسے باصرہ۔ شامہ۔ سامعہ۔ ذائقہ۔ لامسہ۔ حس مشترک۔ خیال۔ متفکرہ۔ واہمہ اور حافظہ۔

اس تقسیم بالا سے یہ سمجھ میں آجائے گا کہ قوائے طبعی و قوائے حیوانی کا نظام تو زندگی کا تعلق ہے یا اُن کاموں سے جو زندگی کی اکثر ضروریات سے وابستہ ہیں، اور قوائے نفسانی یا قوائے دماغی کا نظام اُن امور سے جو قوائے طبعی اور قوائے حیوانی کے عملی رنگ میں خدام ہیں۔ بیشک قوائے طبعی اور قوائے حیوانی بھی موجب زندگی یا زندگی ہیں لیکن زندگی کی تکمیل اسوقت تک نہیں ہوتی جب تک قوائے نفسانی کام نہ دیں جتنی دماغی قوتیں ہیں وہ گویا نظام زندگی کے وہ خاص اور اعلیٰ ارکان ہیں کہ اُن کے بغیر گویا زندگی ہیچ اور ناکارہ ہو اگرچہ قوائے حیوانی پر مدار زندگی ہے مگر اگر قوائے نفسانی نہ ہوں تو قوائے حیوانی وہ قیمت نہیں رکھ سکتے جو اسوقت ہے یہ قوائے حیوانی ہی کی برکت ہے کہ زندگی زندگی ہے ورنہ یہ زندگی وبال جان ثابت ہو۔

مثلاً ایک اندھا اگرچہ زندہ ہوتا ہے مگر اُسکی زندگی عدم بصارت سے گویا زندگی کا پانچواں یا دسواں حصہ گنوا بیٹھی ہو۔ لمس ایک معمولی حس خیال کی جاتی ہے مگر اسکا بھی نہ ہونا نہ زندگی کے واسطے ایک بھاری نقص ہے اِن پانچوں قوتوں کے ہونے سے انسان کی زندگی ایک حسن رکھتی ہے اور اگر اس طرح قوت حس مشترک اور قوت خیالیہ۔ متکفرہ۔ اور واہمہ میں بھی کوئی نقص ہو تو زندگی وبال جان ہو جاتی ہے۔

اس سے ثابت ہو کہ زندگی کے اعلیٰ ارکان قوائے نفسانی ہی ہیں اور وہی دوسری قوتوں کی رونق و عظمت کا باعث ہیں اگر وہ نہ ہوں تو اُنکی ہستی بھی معرض نقصان میں جا رہتی ہے۔ اور اُنکی قیمت کچھ بھی نہیں رہتی یا بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔

تینوں قسم کی قوتوں کے کاموں میں فرق ہے جتنی طبعی قوتیں ہیں وہ تو عملی قوتیں ہیں جبتک وہ عامل رہیں اُن کی قدر و قیمت ہو جب عامل نہ رہیں تب اُنکی قیمت گھٹ جاتی ہو۔

قوائے حیوانیہ میں سے سوائے قوت غضبیہ کے اور سب قوتیں تقریباً قوائے طبعی کی طرح کام میں لگی رہتی ہیں جب تک وہ عملی حصہ نہ لیں تب تک اُن کی ہستی بھی ناکارہ ثابت ہوتی ہے۔

قوائے نفسانی میں سے قوت باصرہ۔ لامسہ۔ سامعہ۔ ذائقہ۔ اور شامہ بھی عملی ہیں انکی عملی طاقت میں بھی جب کبھی فرق آتا ہے تو یہ بھی ناقص شمار ہوتی ہیں باقی دماغی پانچ قوتیں حس مشترک۔ قوت خیالیہ۔ متفکرہ۔ واہمہ۔ اور حافظہ ایسی قوتیں ہیں جن کا کام

دو قسم کے ہیں۔

(الف) خیالی یا قیاسی۔

(ب) عملی۔

یہ پانچوں قوتیں ہمیشہ کام میں لگی رہتی ہیں اور ان کی مصروفیت کا رشتہ شکستہ نہیں ہوتا لیکن انکا عملی رنگ دوسری قوتوں سے جداگانہ ہے دماغ اپنے کام میں ہمیشہ مصروف رہتا ہے کبھی آرام نہیں کرتا۔ لیکن عملی رنگ ازخود نہیں قبول کرتا جب تک کوئی عامل نہ ہو تجویزیں بہت کچھ پیش کرتا ہے مگر پیش کرکے خاموش اور لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ اب پھر سوال ہوگا کہ اگر دماغ صرف تجاویز ہی پیش کرتا ہے تو عمل کون کرتا ہے یا کس قوت کی معرفت عمل ہوتا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ دماغ یا دماغی قوتیں یعنی حس مشترک۔ قوت خیالیہ متفکرہ۔ واہمہ اور حافظہ۔ اپنے اپنے کام میں لگے تو رہتے ہیں اور انکی یہ مصروفیت ایک اہم مصروفیت یا اہم عمل ہے لیکن عرفی رنگ میں جسے عمل کہا جاتا ہے وہ اس دائرہ سے خارج ہے مثلاً دماغ پیش کرتا ہے کہ سفر و سیاحت ایک اچھا کام ہے یہ ایک تجویز ہے لکھنا ایک ضروری فن ہے یہ بھی ایک تجویز ہے پڑھنا واجب و ضروری ہے یہ بھی ایک تجویز ہے جب تک زید سفر نہ کرے لکھنا نہ سیکھے پڑھے نہیں تب تک عملی صورت کس طرح صورت پذیر ہو سکتی ہے یہ کام ہے جسم کا جسم کے اعضا کا حرکت کا تدبر کا تصرف کا سامان کا اور موقعہ کا ان سب اشیا کا نام بالفاظ دیگر عمل یا طریق عمل ہے۔

کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ سوائے عمل کے دماغی تجاویز کی کوئی قیمت پڑ سکتی ہے۔ اب سوال ہوگا کہ مقدم کیا ہے؟ مقدم ہے دماغ اور دماغ کی تجویزیں صرف قیاسی رنگ رکھتی ہیں عمل کا دوسرا نمبر ہے۔ کیونکہ جب تک دماغ کوئی خیال اور کوئی تجویز پیش نہ کرے تب تک عمل کس طرح صورت پذیر ہو۔ میں کاغذ پر ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا جب تک میرے دماغ میں لکھنے کا خیال متموج نہ ہو۔ میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا جب تک میرا دماغ مجھے ایسی اجازت نہ دے۔ دماغی تجاویز کے ساتھ ہی ارادہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور وہی عملی صیغہ کی پہلی گردان ہے۔ ارادہ کیا ہے۔ نفس ناطقہ یا دماغی خیالات کا افعالی صورت میں منتقل ہونا یا منتقل کیا جانا۔ ارادہ افعالی رنگ میں چند حرکات اور چند تصرفات کی صورت میں صورت پذیر ہوتا ہے۔ ارادہ سے ہمیشہ پانچ قسم کے

اثر متعلق ہوتے ہیں۔
(۱) اعضائے جسمانی کی حرکات جہاں تک کہ ذہن کی فعلی حالت اُن پر اثر ڈال سکتی ہے۔
(۲) توجہ کی سمت اور مقدار کا تقرر
(۳) محرکات اور توجہ کے مادی ذرائع۔
(۴) ایک نصب العین۔
(۵) اسکی تکمیلی صورت۔

ارادہ کیا ہے۔

خود بہ خود کام کرنے یا حیات نفسیہ کے فعلی پہلو کی شرطوں کا پورا کرنا یا نفس ناطقہ اور دماغی خیالات کے عملی نشو ونما کا نام ارادہ ہے۔

جب ارادہ خیالات تک ہی محدود رہے تو وہ بھی ایک خیال ہی ہوگا ارادہ اس حالت میں ارادہ کے نام سے موسوم ہوتا ہے جبکہ فعلی رنگ میں اسکی تکمیل ہو جائے اور کوئی شخص ارادہ نہیں کر سکتا جب تک عقل۔ حافظہ۔ واہمہ۔ اور فکر کو کام میں نہ لائے ارادہ کی نوبت بعد میں آتی ہے اور چند قوتیں پہلے سے کام میں مصروف ہوتی ہیں بہ الفاظ دیگر ارادہ کیا ہے ان قوتوں کی فعلی تکمیل۔

قوت ارادہ کا اعلیٰ ترین انتخاب اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی انتخاب کیا جائے یا جب کوئی نصب العین ہو۔ ہر فعل ارادہ اور خصوصاً ہر نصب العین یا انتخاب میں کوئی نہ کوئی مقصد مضمر ہوتا ہے تخصیص مقصد کیا ہے ایک نصب العین جو شخص اپنے سفر کا پروگرام نہیں بناتا اور سفر کی کوئی کوئی غرض نہیں مقرر کرتا وہ سفر نہیں کرتا ہے بلکہ ایک آوارہ گردی۔

دماغی قوتیں جس مصروفیت میں شب و روز رہتی ہیں وہ کل ہی نشو ونما نہیں پاتیں اُنکا بہت کم حصہ عملی رنگ میں لایا جاتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں دراصل عمل ہی ہے قیاس یا قیاسی باتیں کوئی قیمت نہیں رکھتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایسے لوگ فلسفہ بھی رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ فلاسفر محض باتیں بناتے ہیں یا قیاسیات میں غرق رہتے ہیں دنیا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

یہ درست نہیں فلسفہ کا تعلق دل و دماغ دونوں سے ہے نہ اُس دل سے جو قوائے حیوانی کا ایک رکن اعظم ہے بلکہ اُس دل سے جسے دوسرے الفاظ میں ضمیر کہا جاتا ہے۔

یہ تو مانتے ہو کہ ارادہ یا ارادہ کی تکمیل بھی اُس صورت میں متصور ہے۔ جب تک کہ دماغی قوتیں کام نہ دیں اگر قوت مدبرہ اور قوت متفکرہ کام ہی نہ دے تو ارادہ کیا کر سکتا ہے حروف اور الفاظ ہی نہ ہونگے تو تحریر کیا ہوگی۔ دماغ مختلف خیالات ہیں تاہم اُنمیں سے جو خیالات معمولی ہیں وہ عملی نام پاتے ہیں اور جن کے عمل کی نوبت نہیں آتی وہ امیدوار عمل رہتے ہیں اور جو عمل کے قابل نہیں ہوتے وہ رفتہ رفتہ خود ہی نسیًا منسیا ہو جاتے ہیں حافظہ بھی وہی باتیں خصوصیت سے محفوظ رکھتا ہے جن کی کسی نہ کسی رنگ میں ضرورت پڑتی ہو یا وہی خیالات بار بار ظہور پذیر ہوتے ہیں جو کچھ وقعت اور قیمت رکھتے ہیں۔ جن خیالات یا قیاسات فلسفہ کو محض باتیں کہا جاتا ہو در اصل وہ بھی یا اُنکا بہت سا حصہ مختلف رنگوں میں کام دے رہا ہے فلسفہ اخلاقی سوائے لفاظی کے اور ہے کیا لیکن دیکھتے نہیں کہ عاملانہ رنگ میں وہ کسقدر کام دے رہا ہے ایک فلاسفر یہ کہتا ہے کہ

"دنیا کی مصروفیتوں میں رہ کر بھی خود کو الگ اور آزاد رکھنا چاہیئے۔

بظاہر یہ ایک قیاس یا ایک خیال ہے لیکن دنیا میں بہت سے انسان اسکے پابند نہیں ہیں اور بہت سے لوگ اسپر عمل نہیں کرتے اور کیا یہ تھیوری دنیا کے واسطے نعمت اور رحمت نہیں ہے۔

عمل دو قسم کے ہیں۔

(الف) خیالی۔

(ب) افعالی۔

اگرچہ خیال خیال ہی ہوتا ہے لیکن خیال بھی ایک عملی رنگ رکھتا ہے اور بعض اوقات یہی عمل ایک وقعت پاتا ہے۔ دیکھو شرعی اور سیاسی قوانین میں جرائم کا ثبوت بعض دفعہ نیت پر موقوف ہوتا ہے نیت مقدم ہوتی ہے۔ نیت ایک عمل ہے لیکن خیالی ایک شخص بندوق چلاتا ہے کسی جانور کو لگ جاتی ہے کسی انسان کو بثبوت نیت پر وہ سزا سے بچ جاتا ہے اس صورت میں تخیل ایک عملی رنگ میں کام دے جاتا ہے۔

عبادات میں خضوع اور خشوع کی شرط گویا خیالی عمل کی تقدیم ظاہر کر رہی ہے۔ ایک عابد بظاہر عبادت کرتا ہے لیکن اُسکا خیال بعض اور خیالات میں مصروف ہے تو اسکی عبادت وہ قیمت نہیں رکھ سکتی جو رکھنی چاہیئے جب ایک خیال کی تکمیل چند حرکات اور تصرفات کے تحت ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ ایک خیال عملی رنگ میں لایا گیا۔

جب یہ بحث شروع ہوتی ہے کہ

"ارادہ کی آزادی کیا ہے اور ارادہ کہاں تک فعل مختار ہے تو اسکا جواب علم النفس نہیں دے سکتا فلسفہ ہی دیتا ہے دیکھو کیسے کیسے مشکل سوالات کا جواب دیتا ہے اور کس خوبصورتی سے ایسی مشکلات کا حل کرتا ہے جن خیالات کی نسبت لوگ یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ خیال ہی خیال ہیں وہ درست نہیں شاعری بھی ایک فلسفہ ہے گو شاعر بہت کچھ اِن خیالات ہی سے کام لیتا ہے مگر بعض دفعہ کسی شعر کے پڑھنے سے دل و دماغ پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ پڑھنے والا گھڑیوں مزے لیتا رہتا ہے اور اسکی طبیعت پر خصوصیت سے اثر ہوتا ہے یہ بھی ایک عمل ہی ہے۔ اسے روحانی عمل کہنا زیادہ تر زیبا ہوگا۔

حضرت اکبر الہ آبادی کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے سے میرے دل پر جو اثر ہوا اور میری طبیعت جن تاثرات کا شکار ہوئی وہ میرے واسطے ایک عمل ہی تھا اور ایک ایسا عمل جو دلی عمل تھا۔ اور جس کے مقابلہ میں حرکاتی عمل یا متصرفانہ عمل کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ در اصل تخیلات فلسفہ بھی ایک عمل ہی ہیں۔

چند اشعار حضرت اکبر

ہم کیوں یہ مبتلائے بے تابیٔ نظر ہیں — تسکین دل کی یارب وہ صورتیں کدھر ہیں
گردوں نے کر دیا ہے اک انتشار پیدا — جو پاس تھے ہمارے وہ سب اِدھر اُدھر ہیں
ذرے جو گل بنے تھے وہ بن گئے بگولے — جو زینت چمن تھے وہ خاک رہگزر ہیں
دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق — وہ کیا ہے ایک جھلک ہے ہم کیا ہیں اک نظر ہیں
پیدا کئے فلک نے نادیدنی نظارے — نیچی ہیں ان کی نظریں جو صاحب نظر ہیں
کیا مشرقی کفن بھی وہ ترک کر سکیں گے — اوضاع مغربی میں جو غرق سر بسر ہیں

اکبر کے شعر سن کے کہتے ہیں اہل باطن
اب بھی خدا کے بندے کچھ صاحب اثر ہیں

ذرا یہ اشعار پڑھیے اور دل سے پھر کہیئے کہ کیفیت کیا کچھ ہوتی ہے عمل کیا ہے چند صورتوں کا تحرک اور وجود کیا ان اشعار کے پڑھنے سے دل و دماغ پر جو گذرتی ہے وہ عمل نہیں ہے اور کیا عمل کچھ اور ہوتا ہے کیا ہنسنا اور رونا عمل نہیں ہے کیا ندامت عمل نہیں ہے ایک ہنسنے والے اور رونے والے اور ایک نادم کے دل و دماغ پر جو کچھ زد پڑتی ہے وہ ایک عمل ہی تو ہوتا ہے کیا بعض خیالات ہی ہنساتے اور رولاتے نہیں ہیں یا اثر بھی ایک عمل ہی تو ہے۔

بیشک عملی پہلو سے ہی دنیا آباد ہے اور عمل ہی مقدم ہے لیکن اپنی اپنی جگہ پر قیاسات اور تھیوریاں بھی مقدم ہیں اور عملیات کی ماں تھیوریاں ہی ہیں۔ اگر ایسی تھیوریاں نہ ہوں تو عمل بھی نہ ہوں سامنے کوئی سماں اور کوئی منظر ہی نہیں تو آنکھ دیکھ کیا سکتی ہے اور بصارت کا امتحان کیا ہو سکتا ہے اول خیال اور بعد ازاں عمل جب خیالی تگ و دو بند ہو جائیگی تو میدان زندگی بھی صاف ہو جاویگا یہ خیال ہی ہے کہ مختلف مراحل سے زندگی کو لئے جا رہا ہے زندگی کیا ہے ایک خیال ہی تو ہے۔

نبض کے بند ہونے سے کہتے ہیں انسان مرجاتا ہے یا نیم مردہ ہوتا ہے سچ پوچھو تو تخیل کے بند ہونے سے انسان مرجاتا ہے۔ اگر ایک شخص کی نبض تو چلتی ہو لیکن قوت خیالیہ کوئی کام نہ دیسکے تو کیا ایسا انسان زندہ ہوگا۔ یا اسکی زندگی کوئی وقعت رکھ سکتی ہے۔

دماغ اور دل دو ایسے آلات ہیں جو انسانی زندگی کے دو روشن چراغ ہیں اور دماغ اور اسکی قوتیں سب سے فایق اور اعلیٰ ترین تخیل اور فکر کی درستی ہی ہماری خوبیوں اور سب کاموں کا منبع ہے۔ غلطی پر ہیں وہ لوگ جو تخیل کی قیمت کم لگاتے ہیں عمل بھی ضروری ہے اور اسپر بہت کچھ مدار ہے لیکن وہ بھی مادر تخیل ہی کی کوکھ سے نکلتا اور اسیکی گود میں پرورش اور نشوونما پاتا ہے۔

حسن خیال ہی سے حسن معاد اور حسن معاشرت کی بنیاد پڑتی ہے لیکن وہ خیال جو عملی رنگ میں لایا جائے جو خیال کسی قسم کا بھی عمل نہیں رکھتا تو وہ محض ایک بے معرف ہستی ہے۔

سلطان احمد

شہاب کی سرگذشت

(بسلسلۂ گذشتہ)

محمود۔ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ میں تو اب بھی کہہ رہا ہوں کہ اگر سکینہ مجھسے نہ ملے تو بھی میری محبت
زائل نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہو اس سے مجھے تکلیف پہونچے اور شاید ایسی تکلیف کہ میں اُس سے جانبر ہو سکوں
شہاب۔ اگر میں تمھارے اس دعوے کو تسلیم بھی کر لوں تو بھی تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس سے ملنے
کی آرزو نتیجۂ محبت تھی۔ یعنی اگر تمھیں اُس سے محبت نہ ہوتی تو کبھی اس سے ملنے کی تمنا تمھارے دل میں
پیدا نہ ہوتی یا یہ کہوگے کہ محبت نتیجۂ آرزو ہے۔ تم یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں تمھاری محبت
کی کھلی ہوئی توہین ہے پھر جب تمھاری محبت کا اقتضا یہ ٹھہرا کہ تم اس سے ملنے کی آرزو دل میں پیدا
کرو اور نہ صرف آرزو بلکہ حصولِ آرزو کے لئے آسمان زمین سر پہ اٹھا لو، تو پھر تم یہ کیونکر کہتے ہو کہ
تمھاری محبت کا نصب العین صرف محبت ہو اور اس میں کسی دوسری چیز کو دخل نہیں تم میں تو
یہ حس ہی نہ ہونی چاہئے کہ سکینہ ہے کون اور کہاں، چہ جائیکہ اُسکے نہ ملنے پر کُڑھنا۔ اور کوششیں
کرکے آخر کار اُس سے مل ہی جانا۔ یاد رکھو محمود، اس مسئلہ میں فریب نفس اسقدر تکمیل حسن کے ساتھ
ملا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو حقیقت کا معلوم کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کوئی مثال تمھیں ایسی نہ ملیگی کہ
اگر محبت کا تجزیہ کیا جائے تو اسکی علتِ حقیقی جذبۂ شہوانی نہ نکلے اس لئے اگر تم بھی اسی فریب میں مبتلا
ہو تو جائے عجب نہیں۔ اور نہ میں اسکو بُرا سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے فطری جذبات کو پورا کرے
بلکہ بسا اوقات اُن کا پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے، لیکن میں تو صرف اس بات سے جلتا ہوں کہ لوگ
محبت کا ذکر کیوں کرتے ہیں وہ اس عالم کی باتوں میں اس عالم کی بات کو کیوں ملا دیتے ہیں اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا
کہ میرے حلقۂ احباب میں تمھیں ایک ایسے شخص ہو جس کے اندر حقیقی معنی میں محبت کا نشوونما ہو سکتا ہے
تو میں کبھی مخالفت نہ کرتا، لیکن چونکہ میں تم کو عام سطح انسانی سے بہت بلند پاتا ہوں اس لئے جی
نہیں چاہتا کہ تم بھی [illegible] غلطی میں مبتلا رہو جس میں عام لوگ مبتلا پائے جاتے ہیں اور اُن روحانی
[illegible] تمھیں [illegible] حاصل کر سکتے ہو اسقدر ارزاں دیدو، تم شاعر ہو، ادیب ہو

ایسے شاعر و ادیب کر زمانہ کم پیدا کرتا ہے، تم فطرتاً نقاش و مصور پیدا ہوئے ہو ایسے نقاش و مصور
کہ اگر میں تمھیں خود فطرت کا موئے قلم کہوں تو بیجا نہ ہوگا، تم ذہین و حساس ہو، ایسے ذہین و حساس
کہ تم سے کوئی راز چھپانا بسا اوقات مشکل ہو جاتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ تمھیں اِن عطیات کی کوئی
قدر نہیں ہے اور صرف ایک رات کے عوض میں تم انھیں دیدینے کے لئے آمادہ و طیار ہو۔ کیا تم
سمجھتے ہو کہ نکاح میں بھی وہی لذت ہو جو اس کے خیال میں ہو کیا تمھیں یقین ہے کہ کسی سے ملنا اُس
ملنے کی آرزو سے زیادہ پر لطف ہو۔ کیا اب تک تم ناواقف ہو کہ آرزو کا حصول آرزو کی موت ہو
اور اسطرح حصولِ آرزو دلِ آرزومند کے ایک جزو کو فنا کردیتا ہو اور اُسی مقدار سے انسان میں
جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ لطف کا حقیقی راز صرف خلش ہے، اگر ہمیں جستجو نہ ہو تو ہماری زندگی یکسر حیات
منجمد ہے اور پارۂ سنگ اور قلب انسانی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر محبت کا نتیجہ وصل ہی سمجھ لیا
جائے تو بھی ظاہر ہے کہ نتیجہ کے بعد کوئی مرحلہ طے کرنے کے لئے نہیں رہجاتا کیونکہ منزل پر پہونچ جانا
قطع سفر ہے۔ اس لئے اگر غور کرو تو تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ محبوب سے ملجانا کتاب محبت کا وہ آخری جزو ہے
جس کے بعد اگر تم پھر اُسکو شروع کرو تو خیر ورنہ کوئی جذبہ ایسا باقی نہیں رہتا جس کے لئے دل بے چین
ہوسکے اور تم اُس کرب و اضطراب کو سرمایۂ شعر قرار دے سکو تمھیں دنیائے شاعری کے حالات سے
مطلع کرنا غلطی ہے۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ زمانہ کے کن شعراء نے عروج حاصل کیا اور کس دور کی خوش الحانی
شاعری کو جاسکتی ہو۔ حقیقی معنی میں شاعری کی روح اُسیوقت پیدا ہوتی ہے جب آرزوئیں یاس میں
تبدیل ہونے لگتی ہیں اور تمنائیں ناکامی میں اور اگر ایسا نہ ہو تو کبھی وہ جذبات پیدا ہو ہی نہیں
سکتے جن میں بلندی و رفعت کی جھلک پائی جائے اور نہ شاعری میں ارتقاء ہوسکتا ہے۔ کیونکہ
ہجر تو اک بے پایاں چیز ہے اور اس لئے ترقی کے لئے کافی وسعت اسمیں موجود ہے۔ برخلاف
کامیابی کے کہ وہ دوڑ کی آخری حد ہے جہاں جذبات پہونچکر سمٹنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ فنا
ہو جاتے ہیں۔ مجھے اگر تمھاری حیات شعری اسدرجہ محبوب نہ ہوتی تو میں کبھی مخالفت نہ کرتا
لیکن چونکہ میں تمھارے ساتھ اپنی بہت سی آرزوئیں متعلق ادب و شعر کے وابستہ رکھتا ہوں
اس لئے کسی طرح گوارا نہیں ہوتا کہ تمھیں تباہ و برباد اور تمھارے دماغ کو ویران اور سنسان دیکھوں
میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ کل تک بہ حالتِ یاس و ناکامی جس جذبہ کا اظہار تم الفاظ سے کرسکتے تھے

آج نہیں کر سکوگے کیونکہ تمھیں سکینہ سے ملجانے کا یقین ہوگیا ہے اور جو آج لکھ سکوگے کل وہ بھی ممکن نہوگا
جب تم اپنے مطلوب کو پا وگے۔ پھر اب تمھارے سامنے دو چیزیں ہیں، تمھاری سکینہ جس کو تم اپنی بیوی
بنانا چاہتے ہو اور تمھارا وجودِ شعری جسکا قیام تمھاری عین خواہش ہے اور تمھیں اختیار ہے جا ہو
جس کو لے لو چاہے اُسکو۔ یہ ناممکن ہے کہ دونو باتیں تم حاصل کر سکو۔ فطرت ایسی فیاض نہیں اور
اس لئے اب مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم اسپر راضی ہو کہ اپنی لطافت خیال، نزاکت
تخیل، رقت قلب، گداز طبع، ندرت جذبات، پاکیزگی حسیات، اور روحانیت کی قربانی
سکینہ کی صورت، اک مادی چیز پر چڑھا دو تو خوشی سے تم سکینہ سے شادی کر لو لیکن اگر تمھیں
ان ہدایاے فطرت کی قدر ہے تو نکاح کے خیال کو چھوڑ دو اور دنیا پر ظاہر کردو کہ تم کس لئے پیدا
کئے گئے ہو اور تم کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ دیکھو محمود میں تم کو ایک نہایت باریک نکتہ بتاتا ہوں کہ انسانی
محبت کی ابتدا کبھی حقیقی معنی میں محبت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ہمیشہ مبنی ہوتی ہے جذبات شہوانی پر
لیکن تم نے اسی کے ساتھ سنا ہوگا کہ یہی عشق مجازی عشق حقیقی میں تبدیل ہو جاتا ہے یعنی مادی
محبت روحانیت اختیار کر لیتی ہے اُسکی صورت یہی ہے کہ وہ محبت ناکام و نامراد رہے اور اسی طرح مدارج
محبت طے ہوتی رہیں یہانتک کہ اخیر میں سوائے رقت و گداز کے کچھ نہ رہجائے کبھی تم نے نہ سنا ہوگا
کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو پاکر انھیں جذبات محبت کو قائم رکھ سکا ہو اور اُس نے کوئی ترقی اپنے
خیال میں کی ہو۔ میں تمھیں بھی اس لئے ناکام و نامراد دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے موضوع سے جدا
نہ ہو جاؤ اور اخیر میں تمھیں میں صرف گریۂ مضطر دیکھوں۔ ہر چند میں اس وقت کے خیال سے
ڈرتا ہوں کہ خدا جانے تمھاری تحریر کا اسوقت مجھ پر کیا اثر ہوگا، لیکن کچھ پرواہ نہیں میں بھی
تمھارے ساتھ رونگا، میں بھی تمھارے ساتھ تباہ ہونگا اور سمجھونگا کہ تمھاری وجہ سے میری زندگی
ٹھکانے لگ گئی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم طلوع و غروب آفتاب کے مناظر کو دیکھو اور اُن میں بالکل
جذب ہو جاؤ، تم ایک پھول کو شاخ پر جھومتا ہوا دیکھو اور کائنات کو فراموش کردو تم ایک خشک
پتی کو دیکھو اور خزاں کی ساری کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لو، تم ایک سبز گھاس کا تنکا دیکھو اور
بہار کے اثرات کو اپنی روح میں منتقل کر لو، تم پانی کو دیکھو اور تڑپو، چاند کو دیکھو اور بیقرار ہو جاؤ،
یہانتک کہ تمھاری ہر نظر تمھارے لئے ایک دفتر جذبات ہو جائے اور تم اپنے وجود کو بالکل بھول جاؤ

اور نہ صرف وجود کو بلکہ اس بھول جانے کو بھی فراموش کردو میں نے اپنے حلقہ احباب میں کسی کے ساتھ یارانہ
قائم نہیں کی تھی صرف تمھیں کو اسکا اہل سمجھا تھا لیکن افسوس ہی کہ آج تم مجھے اس طرح مایوس کر رہے ہو اور
پھر کہتے ہو کہ میں بھی تمھارے ساتھ اس حماقت میں مبتلا ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ تمھارا جنازہ اٹھایا
جا رہا ہی۔ اس سے قبل تمھاری کوششوں کو میں دیکھ رہا تھا لیکن اول تو یہ خیال تھا کہ شاید تم کامیاب نہو گے
اور اس لئے مجھے ضرورت نہوگی کہ تمھیں سمجھاؤں اور اگر کوششوں میں کامیاب ہوئے بھی تو یہ سمجھتا تھا کہ یقیناً جب
تم کبھی تنہائی میں اس مسئلہ پر غور کرو گے تو آپ اس خیال کو ترک کر دو گے۔ لیکن میرا خیال صحیح ثابت نہوا اور
بد قسمتی سے تمھاری کوششیں بھی کامیاب ہو گئیں اور تم نے خود بھی کبھی اسپر غور نہیں کیا۔ اس لئے اب معاملہ اس
حد سے گذر گیا کہ میں خاموش رہوں اور انقلاب مانہ کی توقع پر اسکو چھوڑ دوں۔ میں مجبور ہوں کہ تم سے اک
آخری فیصلہ سن لوں اگر تم شادی کرنے پر بیشک آمادہ ہو اور اب اس سے باز نہیں آسکتے تو صاف صاف
کہدو کہ میں اپنی توقعات تمھاری طرف سے فوراً اٹھا لوں اور تمھیں اپنی نظروں سے گرا کر مسعود و عارف
حمید وغیرہ کے پہلو میں اک عام سطح انسانی پر دیکھ کر صرف کبھی کبھی ہنس لیا کروں یا کہدو کہ تم سکینہ کو ہمیشہ
کے لئے خیر باد کہنے پر تیار ہو اور اس عارضی تکلیف کے مقابلہ میں ابدی راحت و لذت کو پسند کرو گے۔"

محمود:- "میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے پوچھتا ہوں کہ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں شادی سے
انکار کر دوں؟

شہاب:- "بالکل اُسی طرح جس طرح تم نے اقرار کیا ہے۔ اگر تمھیں یہ خیال ہو کہ دنیا کیا کہے گی تو اور بھی زیادہ
افسوس تمھارے اوپر ہے کہ سکینہ کو چھوڑنے کو تو رضی ہو، لیکن زمانہ کا طعن نہیں سن سکتے۔ یاد رکھو
زمانہ سے زیادہ خود غرض کوئی نہیں وہ ہمیشہ اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے نہایت بیدردی سے دوسروں کو
قربان کر دیتا ہی۔ اور اگر تمھیں ایسا ہی خیال ہے تو بھی صرف دو چار روز کی تکلیف و اذیت ہی اس کے بعد
کوئی ذکر بھی نہ کریگا کہ محمود کون تھا اور اُس نے کیا کیا۔ حیرت ہی کہ تم اس وقت کیسی بچوں کی سی باتیں
کر رہے ہو۔"

محمود:- "ہاں شہاب سچ ہی میں بچوں کی سی باتیں کر رہا ہوں اور اسوقت تم سے زیادہ دانا حکیم فیلسوف
کوئی نہیں لیکن میں تمھیں اپنا دل کس طرح دکھاؤں کہ اسکا کیا حال ہے۔ اس خیال سے کہ میں خود سکینہ
کو چھوڑ دوں خدا جانے میرے اوپر کیا گذر جاتی ہی۔ تمکو نہیں معلوم کہ اُسے یہ معلوم کر کے کسقدر صدمہ پہنچیگا

اور شاید وہ زندہ نہ رہ سکے گی۔ اسلئے اگر میں اس سے شادی کرکے اپنے جذبات، اپنی حیات شعری کو اپنی نسبت کی (تمھارے قول کے مطابق) قربانی کرونگا، تو دوسری صورت میں گویا میں اسیر رہنی ہونگا کہ سکینہ کو اپنی شاعری پر قربان کردوں کیا اس سے زیادہ خودغرضی کوئی اور ہو سکتی ہو کہ اپنے فائدہ پر جو ابھی یقینی بھی نہیں ہے دوسرے کو قربان کردوں اور وہ دوسرا بھی کون؟ سکینہ! سکینہ سا محبت کرنے والا، سکینہ سا دم بھرنے والا!! خدا کے لئے شہاب خاموش ہوجاؤ اور مجھے اسوقت اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

شہاب۔ دیکھو محمود۔ اگر تم سکینہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو میں تمھیں مجبور نہیں کرتا کیونکہ ایسا نہیں کرسکتا۔ کیوں نہیں صاف صاف کہدیتے کہ میں اب شادی سے باز نہیں آسکتا۔ اس میں میرے بزدل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو۔ یہ آخر رونے کیوں دیتے ہو مجھے اس سے زیادہ نفرت کسی امر سے نہیں کہ ایک شخص کوئی عزم وارادہ نہ رکھے۔ میں اس شخص کو بہت اچھا سمجھتا ہوں۔ جو بڑی سی بڑی معصیت کرے لیکن مردانہ عزم کے ساتھ اور اچھے سے اچھا کام کرنے والا میرے نزدیک بدترین شخص ہے اگر اس میں کوئی عزم و استقلال نہیں ہو۔ اگر تم نے اس طرح یہ ارادہ بھی کرلیا کہ شادی نہ کروگے تو میں کبھی خوش نہیں ہوسکتا۔ میں تو چاہتا ہوں تم خود اسپر غور کرو اور اپنے نفع و ضرر کے درمیان ایک امتیاز قائم کرکے آپ ہی کوئی فیصلہ کرو ارادہ کی مضبوطی کے ساتھ، دل سے کسی کے کہنے سے نہیں، خود سمجھ کے کسی کے سمجھانے سے نہیں۔"

محمود۔ میں سمجھتا ہوں جو کچھ تم کہتے ہو۔ لیکن سوال یہ ہو کہ میں نے انکار کردیا تو پھر سکینہ کیا کرے گی۔ یقیناً وہ یونہی گھر میں بٹھا نہ رکھی جائے گی اور پھر تمھیں اندازہ کرو کہ اسپر کیا گذر جائے گی۔"

شہاب "معقول۔ کیا جس طرح تم کوئی عزم کرسکتے ہو، عورت نہیں کرسکتی، کیا نکاح کوئی زبردستی کا سودا ہے کہ خواہ مخواہ سکینہ کو ماننا ہی پڑیگا۔ تم کیوں نہ یہ یقین کرو کہ وہ بھی ہمیشہ ویسی ہی زندگی بسر کرے گی جیسی تم۔"

محمود۔ بھلا یہ کیونکر اس سے ممکن ہو۔ وہ کس طرح والدین کی مرضی کے خلاف کرسکتی ہو۔ اسکی حیا کیونکر اجازت دے سکتی ہے کہ وہ صاف صاف انکار کردے اور اپنے تئیں تمام زمانہ میں رسوا کرے تم بھی ذرا غور کرنے کی عادت ڈالو۔ یا تمھیں سب معاف ہو۔

شہاب۔ اگر تمھارا سکینہ پر اتنا بھی اثر نہیں ہے تو پھر کیوں اسقدر بیقرار ہو۔ اور یہ بھی مان لیا کہ سکینہ کی شادی کسی دوسرے سے ہوجائیگی اور وہ انکار نہیں کرسکتی، تو پھر کوئی حرج نہیں ہوجانے دو۔

محبت و نکاح دو مختلف چیزیں ہیں۔ نکاح کا تعلق محبت سے بالکل نہیں ہے صرف مذہب سے ہے لیکن شہاب وہ کسی دوسرے کی ہوسکتی ہے لیکن روحانی لحاظ سے وہ تمھاری ہے اور ہمیشہ تمھاری رہیگی۔ اور یہی تمھارا مقصد ہے۔ اگر سکینہ کو تم یہ تمام باتیں سمجھا سکو تو بہتر ہے۔ ورنہ زمانہ خود سمجھا دیگا۔

(۳)

محمود اپنی گفتگو کے بعد اُٹھ کر چلا جاتا ہے اور شہاب اپنی کامیابی پر مسرور ہو کر ادھر ادھر کمرہ میں ٹہلنے لگتا ہے اور سوچتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا وہ کسقدر درست تھا۔ اور اگر واقعی محمود نے یہ عزم کر لیا کہ شادی نہیں کریگا تو اس میں کلام نہیں کہ وہ کچھ چیز ہو جائیگا۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ عرب میں تو بیسیوں مثالیں ایسی ملیں کہ عاشق مجبور رہے اور معشوقہ کا عقد کسی دوسرے سے ہو جائے اور ہندوستان سے ایک مثال بھی ایسی نہ پیش کی جا سکے۔ محمود کو سمجھنا چاہیے کہ اُس کی تکمیل شاعری اُسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ سخت سے سخت درد مفارقت میں مبتلا ہو۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ سکینہ کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہوگا اور شاید وہ جانبر نہو سکے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کے اصول بدل جائیں اور فطرت اپنے اسباب و ذرائع میں کوئی تغیر و تبدل کر سکے۔ موت ہر شخص کی حیات کا نتیجۂ لازم ہو کون کہہ سکتا ہے کہ سکینہ محمود کی آغوش میں رہکر ہمیشہ زندہ رہیگی۔ ممکن ہو کہ وہ نکاح کے بعد ہی مرجائے۔ پھر محمود کیا کریگا یہ سخت حماقت ہو کہ محض اس خیال سے ایک ایسے مقصود کو ترک کر دیا جائے جو دنیا کی سمجھ سے بہت باہر ہے اور جس کے حصول کے لئے یقیناً اس نوع کی مصائب کا برداشت کرنا ضروری ہو لیکن کیا محمود ایسا کریگا کیا وہ انکار کریگا مجھے اب اُس سے خود ملنے کی ضرورت نہیں اور نہ اب اس ذکر کو دوبارہ زندہ کرنے کی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ میں اُس کی شادی میں شریک نہ ہونگا میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ محمود کے ادبی اور ہستی مستولی ہو جائے اور اُس کو میری آغوش خیال سے چھین لے۔

(۴)

حسن کی وہ رنگینیاں جو صرف تخیل میں نظر آ سکتی ہیں، شام کی آرج لفریبیوں سے ملکر جنھیں صرف آیا کو ہی پیش کر سکتا ہے۔ اپنے پورے عروج کے ساتھ جاذب قلب و نگاہ تھیں وضع و لباس کے متعلق وہ اختراعات جمیلہ جو ترقی تہذیب و تمدن کی برکات میں شمار کئے جا سکتے ہیں چاروں طرف بکھرے ہوئے نظر آ رہی تھی۔ رعنائی اور بانکپن کی وہ دلدوز ادائیں جنھیں صرف ارتقاء علم و مدنیت ہی سکھا سکتا ہو سال کے ذرہ ذرہ سے پیدا ہو رہی تھیں۔

شہاب نے ارادہ کر لیا تھا کہ آج وہ ایک ایک گذرنے والی عورت کو غور سے دیکھکر یہ معلوم کریگا کہ ساریوں کے کتنے رنگ، آرائشِ گیسو کے کتنے انداز اور حسن کی بے حجابیوں کی کسقدر صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اور پھر ان سب میں وضع مشترک کیا ہے۔ وہ ایک جگہ خاموش بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا اور پنسل سے ایک کاغذ پر کچھ لکھتا جاتا تھا۔ محمود بھی اسکے پاس ہی بیٹھا ہوا شہاب کی اس ندرتِ خیال پر مسکرا رہا تھا۔ شہاب دو گھنٹے کے اندر پورے چار صفحے رنگ چکا تھا اور چونکہ اب چار چار چھ چھ کا جھرمٹ مسلسل بغیر کسی وقفہ کے اُس کے پاس سے گذر رہا تھا اسلئے اب اُس نے لکھنا چھوڑ دیا اور صرف نگاہ کے ذریعہ سے اس فراوانی حسن و اوضاعِ حسن کو اپنے دماغ میں منقوش کرنے لگا، لیکن اس خیال سے کہ وہ ریاضی کو نتیجہ تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنانا چاہتا تھا۔ اور اس میں صحیح اعداد کی ضرورت تھی، اور صرف دماغی معلومات کوئی مدد نہ دے سکیں گی اُس نے اب ہر ایک کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا اور کاغذ موڑ کر محمود سے کہنے لگا کہ "یہ ایک دن کا کام نہیں ہے مسلسل ہفتوں یہاں آنے کی ضرورت ہے تاہم میں ایک ہی دن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس عہد کی عورت نہ کسی سے محبت کر سکتی ہے اور نہ اُسے کسی دوسرے کی محبت کی قدر ہو سکتی ہے"

محمود۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ صرف صورت و وضع کو دیکھ کر یہ نتیجہ کیونکر نکالا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس یقین کیساتھ"

شہاب۔ "اگر صورت میں کوئی بات ایسی نہ ہوتی جس سے دل کا حال معلوم ہو سکتا تو یقیناً انسان کا دل اُس کی پیشانی پر قائم کیا جاتا اور پھر خصوصیت کے ساتھ عورت کا دل کہ اگر بغیر اُسکا مطالعہ کئے ہوئے کوئی شخص اپنے معاملات اُسکو سونپ دے تو کہیں کا نہ رہے"

محمود۔ "ممکن ہے تم اسقدر مشاق ہو کہ صرف صورت دیکھکر کیفیات اندرونی اور خصائل کی خصوصیات کا اندازہ کر سکو لیکن کم از کم میں تو بالکل قاصر ہوں"

شہاب "یاد رکھو جو عورت جسقدر زیادہ حسین نظر آنے کی کوشش کرتی ہے اُسی قدر اسکا باطن خراب و کریہہ ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو کشاں کشاں ان عورتوں کو مردوں کی حریص نگاہوں کے ہجوم میں ساحل اپالو پر لے آئی ہے۔ یقیناً ان کی آرائشیں، ان کی جامہ زیبیاں، ان کی بے حجابیاں اور خوش ادائیاں متمنی ہیں کہ مرد کی جو نگاہ ان پر پڑے وہ ملتجی ہو، ملتمس ہو، مسترحم ہو۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس تعیش جو مردوں نے کیوں یہ پیدا ر عورت کے دل میں پیدا کر دیا ہے اور کیوں اُسکو اسقدر جری و بیباک بنا رکھا ہے نرم نرم ریشمی ساریاں صرف اسلئے استعمال کی جاتی ہیں کہ دیکھنے والے یہ معلوم کر لیں کہ انکے اندر جسم

ے زیادہ نرم بدن چھپا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی مقصود ہے کہ ساری کا آنچل نرمی کی وجہ سے گھڑی
ڑی سرک جایا کرے اور وہ اپنے کافور سینہ و بلوریں شانہ کی ایک شفاف جھلک دکھا کر بار بار پھر
ے سنبھال لیا کریں اور اس طرح اپنے گورے گورے ہاتھوں کو بھی کہنیوں تک دکھا سکیں شاید تمھیں
علوم نہ ہوگا کہ یہ جتنی عورتیں اس وقت زیبائش و رعنائی کی پیکر مجسم نظر آتی ہیں، اپنے گھروں میں
ان صرف انکا شوہر دیکھنے والا ہوتا ہے، نہ وہ ملبوس میں اہتمام کرتی ہیں اور نہ انھیں یہ ادائیں ہوتی
یں۔ لیکن ادھر آفتاب ڈھلنا شروع ہوا اور ادھر انھوں نے اپنے لباسوں کا جائزہ لینا شروع
کہ آج کس رنگ کی ساری منتخب کی جائے، آئینہ سے مشورہ ہونے لگا کہ آج کس طرح بالوں کو سنوارا جائے
معمول سے زیادہ دلوں کو الجھایا جاسکے۔ یہ صبح و شام اپنے صحیح فرائض زندگی کو بھولکر گھنٹوں
ب سنورنے والیاں، یہ اپنے بیباک تبسموں، اپنی دلیر نگاہوں اور اپنی جری و شوخ چتونوں
ے دنیا کو اپنا مالوف کرلینے کی آرزو رکھتے ہوئے خود کسی سے محبت نہ کرسکنے والیاں یاد رکھو کہ
نکے تبسم میں زہر ہے، ان کی نگاہیں سم آلود ہیں اور یہ وہ ناگنیں ہیں جنکو دنیا کے تمدن و تہذیب
ے عالم میں صرف ہلاکت پھیلانے کے لئے چاروں طرف منتشر کر رکھا ہے۔ ذرا تم دکھا کر دیکھو کہ میں نے
چ پانسو عورتوں میں کم از کم چار سو ایسی دیکھی ہیں کہ اگر انکے بالوں کے مصنوعی گھونگر ہٹا دیئے جائیں
ور ان کی پیشانی پر بل کھانے والی زلفوں کی کاذب اداؤں کو محو کردیا جائے، اگر ان کی نظر فریب
ماریوں کا رنگ چھین لیا جائے، اگر انکی رفتار سے فن خرام کی صنعتوں کو دور کردیا جائے، اگر گلے
ے اُس لوچ کو جس کی مدد سے وہ قصداً اپنی آواز و قہقہہ کو نرم و باریک نکال سکتی ہیں الگ کردیا جائے
ر ان کی قمیصوں کی نامعلوم سلوٹوں کی تراش کو جسکی وجہ سے انکا سینہ خواہ مخواہ خدا جانے کیا نظر
نے لگتا ہے، ممنوع قرار دیدیا جائے، اگر انکی کمر سے پیٹیاں جدا کرکے وہاں کے اعصاب کو پوری
زادی کے ساتھ پھیلنے کی اجازت دیدی جائے، تو شاید محمود تم ایسے حریص و بے اختیار مرد کی نگاہ
ی اُن پر نہ پڑے۔ پھر حیرت ہے کہ جب انکو عورتیں صرف عورت ہونے کے لحاظ سے کچھ نہیں ہیں، جب
نکا حسن محض حسن ہونے کی حیثیت سے اسقدر ناقص و ناکمل ہے تو پھر عالم میں یہ کیوں اسقدر
ندت کے ساتھ ہر جگہ ہر وقت ہنگامۂ حسن و عشق برپا ہے اور کیوں مرد اپنے تئیں اُن چیزوں کے لئے
باہ و برباد کر دیتا ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی توجہ کی مستحق نہیں اور جو خود ہمارے ذہن و عقل کی

فریب کاریاں ہیں تمکو یاد ہوگا کہ میں نے ہمیشہ مرد کو بیوقوف اور عورت کو ذہین کہا اور اُسکی وجہ یہی ہو کہ عورت سخت سے سخت فریب میں ایک حسن پیدا کرکے مرد کو مسحور کرلیتی ہے اور مرد' یہ احمق و ناعاقبت اندیش مرد فریب کو فریب جانکر بھی اُس کی پذیرائی کرلیتا ہے اور اسپر فخر کرتا ہے۔ دنیا جس کو حسن سمجھتی ہو وہ اکثر و بیشتر صرف ملمع ہو اور محبت ریاکاری۔ ہم میں کم ایسے ہیں جو حسن کو جسارت و فریب سے جدا کرسکیں اور محبت کو تخیل و تصنع سے "

محمود۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم حسن کے ساتھ محبت کی طرف سے بھی بیزار ہوتے جاتے ہو اور ہونا ہی چاہیئے کیونکہ حسن کا احساس محبت ہے اور اُس سے تم ناآشنائے محض ہو"

شہاب" ہاں وہ محبت جس سے میں اب بالکل بیزار ہوگیا ہوں اسقدر بادم انسانیت ہو کہ دوستی کا وجود جو میرے نزدیک تمام جذباتِ دقیقہ میں سیال ترین جذبہ ہو اب بالکل مفقود ہوتا جاتا ہو یہاں تک کہ اگر آج میں لفظ محبت کے مفروضہ مفہوم سے تنگ آکر اپنے کسی رفیق سے یہ کہدوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے' دوستی ہے تو وہ برہم ہوجائیگا۔ وہ چاہتا ہو کہ میں ہمیشہ اسکو فریب میں مبتلا رکھوں اور اُسے یہ کبھی منظور نہیں ہوتا کہ اپنے مزعوم کے خلاف حقیقت کو معلوم کرے۔ ممکن ہے کسی کے ساتھ میری محبت (ویسی ہی محبت جیسی آجکل رائج ہو) دوستی کی حد تک پہونچ جائے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہو کہ جس وقت تک میں صرف محبت کا مدعی ہوں۔ اس محبت سے خودغرضی اور مکر و فریب کو جدا کرسکوں۔ یاد رکھو کہ محبت میں ہمیشہ جذبۂ نفسانی کام کرتا ہے اور اس لئے اسکا قیام صرف ہیجانِ غرض کی پرجوش سطح پر قائم ہو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فقدانِ ہیجان فقدانِ محبت کا باعث ہوگیا اور بہت کم ایسی مثالیں نظر آتی ہیں کہ تعلقاتِ محبت دوستی میں تبدیل ہوجائیں افسوس ہو کہ دورِ خلوص و صداقت شروع ہونے سے پہلے ہی ہماری خواہشیں مردہ اور ہمارے ولولے افسردہ و مضمحل ہوجاتے ہیں۔ تم کہوگے کہ محبت میں انسان کیسی کیسی قربانیاں کردیتا ہے، کیسا کیسا جبر اپنے نفس پر کرتا ہے۔ میں کہوں گا کہ یہ خودغرضی ہے۔ تم ایک حسین صورت کے لئے کبھی تباہ و برباد نہیں ہوتے بلکہ خواہش نفس کی رعایت تمھیں بیکار کردیتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ تباہیاں محبت سے پیدا ہوتی ہیں، دوستی سے نہیں۔ محبت ہماری بصارت سلب کرلیتی ہو اور دوستی ہماری روح کو منور بنادیتی ہے۔ وہ دعوتِ خسران ہے اور یہ کسب فیضان۔ لیکن میرا مقصد محبت سے وہ محبت ہو جو آجکل سمجھی جاتی ہو ورنہ محبت و دوستی ایک چیز ہو۔ میں نے یہ تفریق

قصداً کی ہے تاکہ اس زمانہ میں صحیح و غلط، نسیہ ونقد، کذب و صداقت کو جدا جدا بیان کرسکوں مگر میں تمھیں لفظ دوستی کے بار بار اعادہ سے تکلیف نہ ہونے دونگا۔ کیونکہ تم اس معاملہ میں مجھسے سخت اختلاف رکھتے ہو۔ میں بجائے اس کے محبت ہی کا لفظ استعمال کرونگا مگر ہوگا وہ اُسی مفہوم میں جو مفہوم میں نے دوستی کا قرار دیا ہے اور جسکو آجکل........"

محمود (بات کاٹکر) دیکھو شہاب وہ آرہی ہے تھیٹر کی مشہور ایکٹرس جس نے ساری بمبئی کو مبہوت و مسخر بنا رکھا ہے۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ ایک شب تو چلو ذرا دیکھیں تو سہی کہ اس کے نغمہ و رقص میں وہ کیا بات ہے جس نے آگ لگا رکھی ہے لیکن تمھیں اپنی فلسفہ طرازی سے فرصت کہاں؟ اسکے زیادہ مشہور ہوجانے کا سبب یہ سنا جاتا ہے کہ وہ کمال حسن کے ساتھ اپنے فن میں بھی بے مثل ہے۔ کیا آج چلوگے؟"

شہاب کچھ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک چھریرے بدن کی عورت نہایت سادہ باریک ململ کی سپید ساری میں اپنی کشیدہ قامتی کی رعنائیوں کو لئے ہوئے خراماں خراماں محمود و شہاب کے پاس سے گذری اور وہیں قریب ایک بنچ پر آکر بیٹھ گئی۔

اختر ایک سترہ۔ اٹھارہ سال کی نوجوان لڑکی تھی اور اسکا رنگ کچھ سانولا تھا۔ یہ رنگ شباب کے عالم میں یونہی بے انتہا دلفریب و دلکش ہوتا ہے لیکن اختر کے سانولے رنگ میں یہ خصوصیت اور زیادہ قیامت خیز تھی کہ جسقدر زیادہ غور سے دیکھا جاتا، اتنا ہی وہ کھلتا ہوا نظر آتا یہاں تک کہ بعض دفعہ تو یہ معلوم ہوتا کہ اس میں بجلیاں کوٹ کر بھر دی گئیں ہیں۔ اسکا جسم اسقدر نازک تھا کہ یہ اندیشہ ہوتا کہ اگر ساحل پر کھڑی ہوگئی اور ہوا تیز چلنے لگی تو اُڑکر سمندر میں گر جائے گی جسوقت وہ یہاں آئی تو اپنی اُڑنے والی ساری کے آنچل کو سنبھالتی ہوئی اور لچک لچک جاتی تھی شاید وہ خود اندیشہ کرتی تھی کہ کہیں اسکے قدم زمین سے اُکھڑ نہ جائیں اور اس لئے وہ فوراً سب سے پہلی خالی نشست گاہ پر بیٹھ گئی۔ اُسکا چہرہ، اُس یونانی ساخت کا تھا جو صرف وینس (زہرہ) کے مجسمہ کے لئے موزوں ہوسکتا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ایسی مقناطیسی شراب جھلکتی تھی کہ جسوقت وہ نگاہ اُٹھا کر کسی کو دیکھتی تو یہ معلوم ہوتا کہ اُسکو مدہوش بناکر اپنی نگاہ کے ساتھ جس طرف چاہے گی اُٹھا کر پھینک دیگی۔ اُسکی گھنی پلکیں اسقدر لانبی تھیں کہ پوری آنکھ کھل جانے کے بعد بھی وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتی تھیں اور اسطرح باہم ملی ہوئی نظر آتی تھیں جیسے شاما کے دو نازک پروں کو بات پر رگڑ کر ایک دوسرے سے ملا دیا جائے اور وہ ایک خاص نرمی سے باہم متصل رہیں۔ اُس کی

پیشانی کی فراخی کا صحیح اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بل کھائی زلفوں کے چھلوں نے اسکی وسعت کو چھپا رکھا تھا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہ تھا کہ اُس کی پیشانی کا صندل گیسوؤں کی ناگنوں کو پوری طرح آسودہ کر رہا تھا۔ اُس کے خد و خال، اُس کے انداز سے وہ متانت و سنجیدگی پیدا تھی جو اُسے عام سطح نسائی سے بہت بلند ظاہر کر رہی تھی۔ اُس کے چہرے سے ایک نمایاں غور، ایک کھلا ہوا تامل ٹپکتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ذکاوتِ حس اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اسوقت کائنات کے ہر ہر ذرہ کی جنبش اپنے دل میں لئے ہوئے متاثر ہو رہی ہے۔ وہ اسوقت اسی رعنائی۔ اسی بانکپن، اسی شاہانہ متانت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ ہوا کے ایک تیز و شریر جھونکے نے بالوں کے حلقوں کو پیشانی سے ذرا جدا کر دیا اور اُس نے اپنے فیروزی رنگ کے ریشمی رومال میں پسینہ کے ننھے ننھے موتیوں کو جمع کرتے ہوئے گردن میں ایک غیر محسوس خم پیدا کر کے کن انکھیوں سے شہاب و محمود کو دیکھ لیا۔ اور پھر اپنے داہنے ہاتھ کو اُلٹ کر اسپر داہنا رخسار رکھ لیا۔ اور سمندر کی موجوں کو دیکھنے لگی اس منظر میں، اِس وقت اختر کی یہ سب سے پہلی نیم نگاہی تھی جو شہاب و محمود پر صرف کی گئی اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بیکار گئی۔

ساحل آیا تو پر اسوقت ایک ہنگامہ بپا تھا۔ سیکڑوں مرد اور عورت اور اتنے ہی اُنکے مختلف کا ماجگاہ تفریح و مشاغل چھوٹی چھوٹی کشتیاں اپنے عریض و طویل بادبانوں کے ساتھ بہتی چلی جا رہی تھیں۔ متعدد بڑے بڑے جہاز سمندر کی ہر سانس کے ساتھ نیچے اوپر ہو رہے تھے تبسموں کی روشنی اور ہلکے ہلکے قہقہوں کی آوازیں فضا میں ایک موسیقی درخشاں دوڑا رہی تھی وہ ہوا میں بکھر بکھر اُڑنے والی ہلکی ہلکی ریشم کی ساریاں، اور اُن پر ٹکے ہوئے وہ آنکھوں کو خیرہ کرنیوالے زرکار بلمبے۔ وہ صدف آسا کانوں میں رنگیں رخساروں سے چھو کر کانپ اُٹھنے والے آویزے اور اُن آویزوں سے وہ شعاع ریز درخشاں و تابندہ الماس۔ وہ پیشانیوں کی محدود و مختصر فضا میں ناقابل شمار ادا سے گیسو کی آرائشیں، اور اُن آرائشوں کی وہ مبہوت و دیوانہ بنانے والی نکہت باریاں، یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج یہ قطعۂ زمین پرلگا کر اُڑ جائیگا شہاب کو اس منظر نے بالکل بے اختیار کر دیا۔ اور ایک جوش کیساتھ محمود سے بولا کہ۔ " دیکھنے ہو محمود۔ یہ رونقِ تہذیب یہ ہنگامہ علم اور تمہارے خیال سے یہ طوفانِ حسن اگر ایک لمحہ کے لئے میں خدا ہو جاتا تو اس منظر کو اسی حال میں اسی ہنگامہ کے ساتھ انھیں رنگینیوں کے ساتھ قایم و منجمد کر دیتا اور صرف تمہارے لئے تاکہ تم اِن عورتوں میں سے ہر ایک کے ساتھ کامیاب، وصل نصیب محبت کر سکو"

(باقی آیندہ)
نیاز فتحپوری

تلاش عیش

(بسلسلۂ اشاعت گذشتہ)

مولوی صاحب کو مضمون کی اطلاع بہت دیر میں ہوئی اسلئے کہ پنشن لینے کے بعد سے انھوں نے اخبار دیکھنا چھوڑ دیا تھا اخبار دیکھنے کے زمانہ میں بھی انھیں اس قسم کے مضامین سے دلچسپی نہ تھی۔ انکے مطالعہ میں زیادہ گورنمنٹ گزٹ کے اقتباسات مقدمات کی رپورٹیں اور مختلف دنیا کی خبریں رہاکرتی تھیں۔ انکو سیاست اور معاشرت کے مضامین پسند نہ تھے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ دنیا کے معاملات پر رائے قائم کرنا فضول سمجھا کرتے تھے۔ انکا قول یہ تھا کہ جس معاملہ سے براہ راست تمھیں کوئی تعلق نہیں ہے اسپر بحث کرنا اور اُسکے متعلق کوئی فیصلہ کرنا جسکا کوئی اثر نہو بالکل بیکار ہے مضمون کو دیکھکر انھیں غصہ مطلق نہ آیا بلکہ بہت متانت کیساتھ مسکرائی لگی انھیں بارہا مجسٹریٹی کے زمانہ میں اُن لوگوں کی گالیاں سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ جو انکے ہاتھ سے سزا پاتے تھے۔ اس مضمون نویسی کو بھی سزا یافتوں کی فضول شکایت کی سی حرکت انھوں نے خیال کیا۔ جن صاحب نے مضمون دکھایا تھا انسے کہنے لگے "اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ کیا قانون ان شکایتوں سے بدل دیا جائیگا۔ یہ تو قانون بھی نہیں ہے۔ مذہبی احکام ہیں کیا انھیں بدلنے کا قصد ہے؟ مجھے تعجب ہوکر یہ ایڈیٹران اخبار ایسے مضامین کیوں شایع کرتے ہیں" تنہائی میں ایک مرتبہ پھر اس مضمون کا خیال آیا اور با آواز بول اُٹھے "کیا انکا خیال ہے کہ ان حرکتوں سے انکا مقصد پورا ہو جائیگا۔ اور میں خوف کھاکر طلاق دینے پر رضی ہو جاؤں گا۔ انھوں نے ابھی مجھے پہچانا نہیں ہے" اسوقت تک مولوی صاحب نے حسینہ کو اپنے بھانجے کے گھر سے نکالنے کی جیسی چاہیے ویسی کوشش نہیں کی تھی جسکے یہ معنی ہیں کہ اپنے اثر و زور دباؤ کو پوری طرح کام میں نہیں لائے تھے۔ اسکی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ ابھی انھیں قطعًا ناامیدی حسینہ کے واپس آنے کی نہیں ہوئی تھی۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ بلقیس کہاں تک اسکے خرچ کا بار اُٹھائیگی جب خرچ کی تنگی ہوگی تو چار و ناچار اُسے واپس آنا پڑیگا مگر یہ خیال انکا غلط نکلا تنگی خرچ کے آثار انھیں نہیں دکھلائی دیے برخلاف اسکے اُنھوں نے یہ دیکھا کہ باضابطہ انکی مخالفت دنیا کے سامنے کی جانے لگی حتی کہ اب مضمون اخباروں میں شایع ہونے لگے اگرچہ اس طریق عمل کے

سودمند ہونیکا انھیں اعتبار نہ تھا لیکن اسسے فارغ البالی کا پتہ ضرور چلتا تھا۔ اسی روز اُنھوں نے اپنی بہن اور بہنوئی یعنی بلقیس کی ساس اور سسرے کو خط لکھا خط بہت لمبا چوڑا تھا اور اپنے بھانجی کی شکایت سے پُر تھا۔ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کرکے آخر میں یہ لکھا کہ اگر آپلوگوں کو مجھ سے ملنا منظور ہے اور میرا خیال کچھ بھی ہو تو اپنے صاحبزادے کو آکر سمجھائیے کہ وہ میری بیوی کو اپنے یہاں نہ کہیں اگر ایسا نہ ہوگا تو یہ سمجھ لیجئے کہ میرے اور آپکے درمیان کسی قسم کا تعلق باقی نہ رہیگا۔

حسینہ کی مضمون لکھنے والی حرکت نے خاندان کی تمام عورتوں میں اُسے مورد الزام بنا دیا تھا میاں کو چھوڑکے الگ رہنا ہی کیا کم تھا۔ کہ گھر بلو دنیا الیسپر الزام نہ دیتی۔ اسپر یہ حرکت تو ایسا جرم تھا کہ معاف کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ قلعہ شرافت پر یہ ایک شدید حملہ تھا جسکا جواب بھی قلعہ سے ذس گنی شدت کیساتھ دیا جانے لگا۔ کسی شریف بیوی کو اسکے ساتھ ہمدردی نہ تھی نہایت ہی مکروہ الفاظ سے وہ یاد کی جاتی تھی۔ مولوی صاحب کا خط جب بہن کے پاس پہونچا تو انھوں نے اور اُنکے میاں نے کہا "بھائی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے ایسی عورت اس قابل ہو کہ کسی شریف گھر میں رہے؟"

میاں۔ میں آج ہی خط لکھتا ہوں۔

بیوی! مگر سوچ لو۔ کیونکہ تمھاری بہو صاحب بھی تو حسینہ بیگم سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر میاں نے کہا اور بیوی نے نہ مانا تو پھر کیا ہوگا۔ بہو صاحب کی بہن بنکر وہ وہاں رہی ہیں؟

میاں: اسکی مجال ہو کہ نہ مانے اگر نہ مانینگی اور صاحبزادے صاحب اُنکے کہنے پر عمل کرینگے تو میں تو کبھی دونوں کی صورت نہ دیکھونگا۔ تم جانتی ہو کہ میں نے ہر قسم کی آزادی انھیں دی اسکا بھی کبھی خیال نہ کیا کہ والدین کے ساتھ انھوں نے برتاؤ کیسا کیا۔ بہو کو بھی میں نے ہمیشہ چاہا اور اسکو گھر کا مختار بنایا کبھی تم کو میاں بیویوں کے معاملات میں دخل نہ دینے دیا۔ اسپر بھی وہ لوگ میری کسی بات کو جو خاص طور پر کرنے کو کہوں نہ کرینگے تو میں یقیناً نہ برداشت کرسکونگا۔

بیوی۔ میں کہتی ہوں کہ کہیں ایسا نہو کہ لڑکے کا گھر اُجڑ جائے۔ آجکل لڑکیاں کسی کے دباؤ میں تو ہوتی نہیں۔ اسپر طرہ یہ کہ ایک بلا کا ساتھ ہے اگر اُسنے اس بلا کی سی حرکت کی تو کیا ہوگا۔

میاں۔ تم عورتوں کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ ادھر تو بھائی کے ساتھ ہمدردی کا کررہی ہو جو اُنکا حکم ماننے کے لئے تیار ہے اُدھر یہ خیال ہے کہ کہیں یہ نہو کہیں وہ نہو۔ اگر بھائی کی شکایت

تم صحیح سمجھتی ہو تو جو کچھ نتیجہ ہو ہمیں یہ ہی کرنا چاہیئے۔

بیوی۔ اس میں کیا فرق ہے۔ انکی شکایت بالکل بجا ہے۔ بلکہ یہ ہی تعجب ہے کہ ابتک وہ کیونکر خاموش بیٹھے رہے۔

میاں۔ تو پھر۔

بیوی۔ تو پھر یہی ہے کہ سوچکے جو تم مناسب سمجھو کرو۔

میاں۔ کیا خوب جواب دیا ہے۔ میں تمھاری رائے دریافت کرتا ہوں تم مجھسے کہتی ہو کہ جو مناسب جانو وہ کرو۔ یہ تو عورتوں کی حالت ہے اسپر یہ جرأت اور یہ دعوے برابری کے۔

اس آخری جملہ کو سنکر تو یہ بیوی بھی حقوق طلب ہوگئیں۔ اور کہنے لگیں "تمھیں مردوں نے تو ہم لوگوں کو بیوقوف بنا دیا۔ جب پڑھنے لکھنے نہیں تو عقل کہاں سے آجائیگی۔ میاں کو ہنسی آگئی بولے "کیا تم بھی حسینہ کی طرح بھاگ جاؤگی اور طلاق کا دعوے کروگی

بیوی۔ نوج خدا نہ کرے کیوں نہیں بڑھاپے میں طلاق لیکے دوسرا نکاح کروں گی۔

میاں۔ الزام مردوں پر تو حسینہ ہی کی طرح لگا رہی ہو۔

بیوی۔ اچھا خیر بات کرو بڑھاپے میں مذاق کرنے بیٹھے ہیں۔

۱۴

حسینہ کا دل و دماغ مسئلہ نکاح میں گویا غرق تھا۔ ہر وقت اسکی سوچ اور اسی کی فکر میں رہتی تھی اسنے اپنی ذات اور دنیا کی قوتوں کا پہلے پہل گویا احساس کیا۔ اس سے یہ معلوم ہونے لگا کہ وہ ایک خیال کی مجسمہ ہے جسکا تصادم دوسرے خیالات کے مجسمات سے ہورہا ہے اُس خیال نے اسکی ذات اور اسکی ہستی کو جذب کرلیا۔ کسی خیال کے پیدا کرنے اور پرورش کرنے میں جو مزا اور لطف انسانی دماغ اور انسانی ہستی کو آیا کرتا ہے اُس لطف اور مزے میں وہ دیوانی ہونا شروع ہوئی اور خیال کے پیچھے برباد و فنا ہونے کی لذت اور جانفشانی کا اندازہ بھی ہونے لگا اُسے یہ پتہ لگا کہ مقصد ہستی یہ ہے کہ اپنے خیال کو دنیا میں پھیلائے اور دنیا کو منوائے جو لوگ یہ نہیں کرتے وہ مقصد زندگی سے ناواقف ہیں انکا درجہ جانوروں سے کسی طرح زائد نہیں ہے انسانی جسم کی پرورش صرف اسلئے ضروری ہے کہ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ جو جسم خیال نہیں پیدا کرتا۔ اسکی پرورش بیکار ہے

اسکا ہونا اور نہ ہونا یکساں ہے" راتوں کو اُسے نیند نہیں آتی تھی۔ پوری پوری رات اسی مسئلہ کی اُدھیڑبن میں بیٹھے بیٹھے گذار دیتی تھی۔ اسکی بھوک و پیاس کم ہوگئی جسم لاغر ہوگیا۔ چہرہ حیوانی خوبصورتی یعنی آب و رنگ اور خال و خط کے بجائے وہ حسن پیدا ہوا جسے آنکھ دیکھ کے نیچی ہوجاتی ہے اور دل مرعوب ہوجاتے ہیں۔ اسکے حسن میں نار و نور کے جلوے پیدا ہونے لگے۔ چہرہ اندرونی ذہنی قوتوں کا آئینہ بن گیا۔

ایک روز کمرہ میں تنہا بیٹھی تھی۔ دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا واقعی خدا نے عورت کو اسواسطے پیدا کیا ہے کہ مرد کی غلامی کرے عام انسانی حقوق سے محروم رہے۔ خلوص دل سے دعا مانگنے لگی کہ اس حقیقت کو منکشف کر دے اس حقیقت کو ذہنی دلیلوں سے دریافت کرنا میری سمجھ سے نہیں ہوسکتا کیا تو اپنے راز صرف منطق اور فلسفہ جاننے والوں پر کھولتا ہے کیا یہ لوگ تیرے بندے ہیں۔ جاہل اور کم سمجھ یہ شرف نہیں رکھتے وفور خلوص اور انہماک نے اُسے خود فراموش کر دیا۔ عالم مادی سے گویا عالم ارواح میں پہونچ گئی۔ یہ معلوم ہوا کہ کوئی مادی شئے نہ اُس میں موجود ہے نہ اردگرد سوائے نور ہی نور کے کوئی چیز ہے ہر دلی خیال نے صورت اور شکل اختیار کرلی اور میدانِ لامکاں میں نظر آنے لگے حالت اول یہ رہی کہ اُسے سوائے عالم بے ذات کے کچھ نہ معلوم ہوا اپنے خیالات کے مجسمات سامنے تھے اور کچھ نہ تھا۔ اُسنے اپنے کو متحیر اور پریشان پایا یکایک ایک ایسی شکل نمودار ہوئی جسکو عظیم و خفیف دونوں کہہ سکتے ہیں خوبصورت سمجھو تو خوبصورت بدصورت سمجھو تو بدصورت خوفناک خیال کرو تو خوفناک اور دلکش تصور کرو تو دلکش وہ ایک صورت بے ذات تھی اور ذات بے صورت تھا صورت کے تصور کے ساتھ وہ صورت پذیر تھی اور خیال محض کے روبرو خیال محض تھی۔ سینہ پر عجز و انکسار کی کیفیت طاری ہوئی اُسنے پوچھا کہ کیا حقیقت کا مجھپر انکشاف ہورہا ہے؟ جواب ملا حقیقت راز نہیں رکھی گئی۔ کوئی شخص دریافت کرنے کی کوشش نہیں کرتا جو کوشش کرتا ہے اسپر منکشف ہوجاتی ہے۔ کیا تو نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسکی ذات کی طرف سے جواب ملا نہیں۔ میں نے صرف بحث کرنے اور قائل کرنے کی ابتک کوشش کی تھی۔ بلبلا کے اُسنے پوچھا کیا عورت مرد کی زیر دست اور غلام ہو۔ جواب ملا تو کیا محسوس کرتی ہے؟ میں تو اسکو خود مختار پاتی ہوں۔ بیشک خدا کی رحمت ہر مخلوق پر یکساں ہے" یہ جواب پورا نہیں ہوا تھا کہ بقیں کرو میں آنکھ جسطرح ہوا کے جھونکے

یکایک چراغ گل ہوجاتا ہے اور تاریکی چھاجاتی ہے اسیطرح بلقیس کے پیر کی آواز اور پکارنے سے عالم روحانی یکایک غائب ہو گیا۔ حسینہ بیقرار ہو کے بولی بلقیس تم اسوقت کیوں آگئیں۔

بلقیس۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمھارا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ اسوقت تم کیا کر رہی تھیں۔

حسینہ۔ کیا بتاؤں کیا کر رہی تھی اور کیا دیکھ رہی تھی۔

بلقیس۔ اس طرح بیٹھی تھیں جیسے کوئی ہندو کسی بت کی پوجا کرتا ہے۔

حسینہ۔ میں تمھیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا دیکھا۔ سچ یہ ہے کہ لوگ حقیقت جاننے کی کوشش نہیں کرتے حقیقت ہرگز راز نہیں ہر شخص جان سکتا ہے اگر جاننا چاہے۔

بلقیس۔ یہ تم کیا بک رہی ہو۔ واقعی تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے

حسینہ۔ نہیں میرا دماغ خراب نہیں ہے۔ میں جاننے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں تاریکی نہیں پسند کرتی روشنی چاہتی ہوں۔

بلقیس:۔ کیا روشنی تمھیں مل گئی۔

حسینہ۔ بیشک مل گئی۔

بلقیس۔ کیونکر ملی۔ کسنے دی۔

حسینہ۔ ہر شخص کو مل سکتی ہے جو تاریکی کو ناپسند کرے۔

بلقیس۔ اچھا اسکے متعلق پھر باتیں ہونگی۔ ایک بڑا سخت معاملہ آپڑا ہے۔ میرے ہوش پراگندہ ہیں کہ کیا کروں۔

حسینہ۔ خیر تو ہے کیا معاملہ ہے۔

بلقیس۔ تم ہوش میں آلو تو میں کہوں

حسینہ۔ میرے ہوش و حواس بالکل درست ہیں۔ تم کہو۔

بلقیس۔ اسوقت ایک خط میرے خسر صاحب کا آیا ہے اُسنے مجھے بڑی پریشانی میں ڈالدیا ہے۔

حسینہ۔ آخر اُسمیں کیا لکھا ہے

بلقیس۔ تمھاری بابت لکھا ہے

حسینہ۔ میری بابت۔ میری بابت کیا لکھا ہے۔ انکو میرے معاملات میں کیا دخل

بلقیس۔ ان کے پاس ایک خط تمہارے شوہر صاحب کا گیا تھا وہ بھی بھیجدیا ہو
حسینہ۔ میرا کوئی شوہر نہیں ہے۔ میرا جو شوہر تھا اس سے میں جدا ہو گئی اب میرا کوئی شوہر نہیں
بلقیس۔ خیر وہی تمہارے مولوی صاحب۔
حسینہ۔ کیا خط میں دیکھ سکتی ہوں۔
بلقیس۔ میرے پاس نہیں ہے۔ وہ اپنی جیب میں ڈالے چلے گئے۔ میرے نام نہیں ہے انھیں کے نام ہے۔
حسینہ۔ لکھا کیا ہے۔
بلقیس۔ لکھا یہ ہے کہ میں تمہارے ماموں کا خط ملفوف کرتا ہوں ان کو جو شکایتیں تم سے ہیں انھیں میں بالکل بجا سمجھتا ہوں جو انھوں نے لکھا ہے اس پر تم نے عمل نہ کیا تو مجھے تمہارے ساتھ بعینہ وہی شکایتیں پیدا ہو جائینگی۔ جو انکو ہیں۔
حسینہ۔ آخر انھوں نے کیا شکایتیں کی ہیں۔
بلقیس۔ شکایتیں کیا صرف یہ شکایت ہے کہ میں نے تمکو اپنے پاس کیوں رکھا۔
حسینہ۔ بس اتنی سی بات کا اتنا تومار اٹھایا تم کیوں پریشان ہوتی ہو تمہاری مجبوری کو میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔ تم میرے ساتھ اپنی مٹی نہ خراب کرو۔
بلقیس۔ تم نے تو کہا۔ میں خود بھی جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی بات نہ آئیگی لیکن میرا دل یوں نہیں مانتا۔
حسینہ۔ کیا نہیں مانتا۔
بلقیس۔ تم مجھ سے الگ رہو۔
حسینہ۔ تم میرا ساتھ کہاں تک اور کب تک دوگی مجھے معلوم کیا کرنے والی ہوں اور کیا کرونگی۔
بلقیس۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ تم بے پناہ کہاں جاؤ گی اور کیا کروگی۔
حسینہ۔ ... دنیا میں انسان تنہا آتا ہے اور تنہا ہی جاتا ہے تنہائی کا کیا خوف
بلقیس۔ تمہاری باتیں بالکل اسد والوں کی سی ہو گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت بیوگی

ہو گئی ہے

حسینہ۔ نہیں میں مذاق نہیں کرتی تم یہ لکھدو کہ آپکے حکم کی تعمیل میں مطلق عذر نہیں لیکن آپکی بڑی مہربانی ہوگی اگر پندرہ دن کی مہلت دیجئے تاکہ وہ اپنا کچھ انتظام کریں۔ میں سمجھتی ہوں ۱۵ دن کی مہلت وہ دیدینگے۔

بلقیس کا دل بھر آیا۔ حسینہ کی صورت دیکھکے رونے لگی حسینہ نے جو اُسے روتے دیکھا تو بیتاب ہوکے دوڑی اور گردن میں ہاتھ ڈال کے اُسکو پیار کیا اور کہا "تم اب اتنی کمزور دل کی ہوگئیں کہ جس سے تمکو محبت ہو اُسکی مفارقت نہیں گوارا کر سکتیں میں مری تو جاتی نہیں صرف تمہارے گھر سے چلی جاؤں گی۔

بلقیس:۔ صرف یہی بات نہیں میرے دلمیں نہ معلوم کیا کیا کرو ہم آتے ہیں۔

حسینہ۔ وہم کیا آتے ہیں۔

بلقیس اکیلی جاکے رہوگی خدا جانے کیا کرو۔ کیا تعجب ہو۔ پریشان ہوکر کیا کر بیٹھو۔

حسینہ۔ نہیں یہ خیال آتا ہوگا کہ پریشانی میں اپنی جان نہ دیدوں۔ ایسا خیال ہرگز نہ کرنا میں ایسا کبھی نہ کروں گی۔

بلقیس کیونکر نہ خیال کروں پریشانی میں انسان جو کچھ نہ کر بیٹھے تھوڑا ہے۔

حسینہ۔ میری پریشانی اسقدر جو بڑ ابھی نہیں پہونچی ہے جب وہ حالت ہوگی تمکو اطلاع اسکی ضرور ہوجائیگی۔ تمہاری پریشانی سے البتہ میں پریشان ہو رہی ہوں تمہاری محبت یہ ہے کہ مجھے ہمت دلاؤ تاکہ میں اپنا کام کرسکوں برخلاف اسکے تم میری ہمت توڑنے کی باتیں کر رہی ہو۔

۱۶

حسینہ پندرہ روز میں اپنا سامان درست کرکے سفر کے لئے تیار ہوئی۔ بلقیس نے بہت منع کیا ڈرایا مگر اسنے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ اس درمیان میں وہ لکھنؤ کے ہر گروہ کے لیڈروں سے ملی اور مسئلہ نکاح کے متعلق گفتگو کی ہر شخص سے مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے اسکی کچھ دستی اور بجائے ہمدردی کے مخالفت پر آمادہ ہوئے علماء میں سے پانچ سات بزرگوں کے پاس گئی لیکن ہر ایک نے اُسے لعنت و ملامت کی اور کہا کہ تم خدا کے احکام توڑنے کھڑی ہوئی ہو اور ہم سے مدد چاہتی ہو؟۔ ہماری تو یہ رائے ہے کہ تمہارا شریف عورتوں میں آنا جانا اور انسے ملنا سخت خطرناک ہے ہماری

کوشش یہ ہوگی کہ تم عورتوں سے ملنے نہ پاؤ۔ حسینہ نے ہر ایک سے یہی کہا کہ میں آپ لوگوں کی
دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں مجھے جو کچھ کرنا ہے ضرور کروں گی۔ سفر کے لئے صرف خدا کے
بھروسہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی کسی جگہ اسکا کوئی جان پہچان شناسا نہ تھا۔ وقار نے اپنی خدمات
پیش کیں اور سفر میں ساتھ چلنے کے لئے اصرار کیا مگر وہ راضی نہ ہوئی اور کہا کہ آپ میرے کام میں
شریک نہیں ہوسکتے آپکے دل کو میری طرح لگی ہوئی نہیں جن دو شخصوں کے مقاصد الگ الگ ہیں
انکا آپس میں ساتھ کیا ہوسکتا ہے واقعہ یہ تھا کہ جب سے حسینہ پر نیا رنگ طاری ہوا اسوقت
سے اُسنے وقار سے دلچسپی کم ہوگئی تھی۔ وقار پر بھی اسکا اثر پڑا۔ وہ بھی بے پرواہی کرنے لگا۔
عین روانگی کے روز حسینہ کو خیال آیا کہ ابھی تک مضامین جو اسکے مضمون کے جواب
میں لکھے گئے ہیں انکا جواب نہیں لکھا گیا قصد روانگی ملتوی کردیا۔ اور جوابی مضمون لکھنے کے
کے لئے بیٹھی۔ خدا جانے کون قوت تھی جو اُسے تحریر میں مدد کررہی تھی ہر جملہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک
شعلہ ہوکر کلک سے نکل رہا ہے۔ مذہبی رنگ میں جو اعتراض تھے انکی بابت لکھا "تمھارا خدا تمھاری
کتابوں میں ہے میرا خدا میرے دل اور دماغ میں ہے۔ میرا خدا مجھے حق اور ناحق خود بتاتا ہے میں
اپنے خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ میں حق پر ہوں۔ تم کہتے ہو کہ خدا نے تم کو عورت کے مقابلہ میں زیادہ
حقوق دیئے ہیں کیا تمھاری برتری اور بڑائی اسمیں ہے کہ ان حقوق کی طلب ور استعمال میں بھی خود کرتے تم
کو شش کرو یا اسمیں کہ فراخدلی کے ساتھ انکو دو جنھیں سمجھتے ہو کہ خدا کی طرف سے کچھ نہیں دیا
دو۔ ہم میں کتنے مقامات ہیں جہاں باپ کا ورثہ لڑکی کو نہیں ملتا۔ خدائی احکام کے شیدائیو
اسوقت وہ احکام کہاں چلے جاتے ہیں۔ تمھاری زبانوں پر کیوں قفل لگ جاتے ہیں۔ جائداد
کی تقسیم کے اصول کو او دھ کا تعلقداری قانون توڑتا ہے تم ایک حرف اسکے خلاف نہیں
لکھتے۔ عورت جب کہتی ہو کہ نکاح توڑنے کا حق جسطرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی حاصل ہو
بشرطیکہ وہ مہر معاف کرے تو اپنی کتابیں لیکے دوڑتے ہو"۔
یہ مضمون بہت بڑا نہ تھا لیکن شروع سے آخر تک ایک رنگ اور ایک قوت کا تھا۔
اخبار "دور جدید" میں شائع ہونے کے بعد فوراً ہی بہت سے خطوط اسکے پاس آئے جنمیں
زیادہ تر اسکے ساتھ ہمدردی کی گئی تھی۔ دو خط قابل ذکر اسلئے ہیں کہ وہ نئے واقعات کا

باعث ہوئے ایک خط آنریبل مسٹر احمد طیب جی کا تھا جو بمبئی پریسیڈنسی کی جانب سے وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے۔ دوسرا خط آمنہ صالح جی مسٹر صالح جی مرحوم کی بیوی کا تھا۔ مسٹر احمد طیب جی نے تحریر کیا تھا کہ آپکے مفید مطلب ایک مسودہ قانون میں کونسل میں پیش کرنیکا قصد کرتا ہوں۔ آپ بمبئی میں آکر میرے کام میں شریک ہوں۔ آمنہ صالح جی نے لکھا تھا کہ میں ایک مالدار بیوہ ہوں۔ میں اپنے کو خوش نصیب سمجھوں گی اگر میری دولت اس کام میں صرف ہو جو تم نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

یہ دونوں خطوط دیکھکر حسینہ اچھل پڑی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکی پرانی شوخی اور بچپن عود کر آیا۔ وہ طرقی ہوئی گئی اور بلقیس کے گلے لپٹ گئی اور کہا یہ خط دیکھو۔ (باقی آئندہ)

عبدالوالی

خواتین اسلام کے سیاسی کارنامے

دنیا میں مسلمان یا صرف مسلمان ایک ایسی قوم ہے جس نے خواتین کو بھی پولٹکل امور میں دخل دینے کا حق عنایت کیا ہے۔ عورتوں نے عہد خلافت ہی میں اپنے سیاسی دل و دماغ سے کام لینا شروع کر دیا تھا حضرت عائشہؓ کو سیاسی لحاظ سے اتنی اہمیت حاصل تھی کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ رحمہا اللہ عنہا جیسے ماہران سیاست انھیں کے زیر لوا رہتے۔

اگرچہ حضرت علی کے ساتھ آپ کا جنگ کرنا مساحمت فی الاجتہاد سے خالی نہ تھا مگر اس معاملہ میں انکا اثر لینا بالکل حق بجانب اور عین ہمدردی اسلام تھا۔ جب آپکو خلیفہ ثالث کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپنے باغیوں سے پوچھا کہ کیا واقعی امام شہید ہوگئے لوگوں نے جواب دیا کہ "ہاں" آپنے فرمایا "خیر خدا حافظ" پھر ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا، جسکا ترجمہ یہ ہے۔

"لہٰذا تمھارا کام یہ تھا کہ تم حق کی حمایت کرتے اور اسے مستحکم بناتے، تمھارا منشاء وجود یہ تھا کہ تم اسلام کو غالب و معزز کر دکھاتے۔ مگر افسوس خداوند برتر نے تمھارے دین میں جسقدر نعمتوں کا اضافہ کیا اسیقدر لستاہل تمھارا شیوہ ہو رہا ہے، اور اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے دنیا کو اور صرف دنیا کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا ہے۔

خدا کی قسم دین کا گرا دینا اسکی عمارت بنانے سے بہت زیادہ آسان ہے، قدردانی، یا

تشکر و امتنان کی وجہ سے نعمتوں میں اسقدر ترقی نہیں ہوتی جسقدر ناشکری یا کفران نعمت کی وجہ سے زوال آتا ہے۔

اگر موت نے عثمانؓ کو لقمہ بنا لیا ہے تو کچھ غم نہیں کیونکہ باغ رسالت میں انکے جیسے ہزاروں پھول ہیں، اگر کوئی دوسری نسبت نہ بھی ہوتی تب بھی کوئی ذلت نہ تھی کیونکہ دامادی رسول کا فخر انکو حاصل تھا مگر افسوس ہے کہ تم لوگوں نے تو اپنا شیوہ یہ بنا رکھا ہے کہ (۱) ہم ایسے ہی سخت و خونخوار انسان رہینگے جیسے کہ عہد جاہلیت میں تھے (۲) ہمیشہ دنیا کی محبت اپنے دلوں میں روشن رکھینگے (۳) اور عدل و انصاف کی توہین کرینگے کاش مرضی [illegible] کی دغا بازی نے انکو [illegible] کر دیا ہوتا تو کچھ ہرج نہ تھا کیونکہ زمانہ ایسا [illegible] کی قسم اگر تم لوگ جانتے کہ عثمانؓ کیسا انسان تھا تو تمکو معلوم ہوتا کہ وہ [illegible] بزرگ ذات تھی جو جنگ و فساد سے کنارہ کش تھی لیکن اسلام کے لیے ہمیشہ فتح و نصرت کے ہتھیاروں سے مسلح رہتی تھی، انکا قتل ایک فتنہ ہے جسے بدبختوں نے سوتے سے جگا دیا ہے"

عثمانؓ نے ہمیشہ دین کی حمایت کی، افسوس کہ زبردست ظلم خدا نے انھیں کے ہاتھوں منہدم کرائے انھیں کی محنت اور کوشش سے شرک کے اثرات دنیا سے مٹا دیئے اور انھیں سے خدا نے اسا تین ضلالت کو تباہ و برباد کر دیا

آہ - یہ کتنی بڑی بدبختی ہے کہ انکی شہادت نے دین میں بہت بڑا تفرقہ پیدا کر دیا اور انکی نکہت نے مسلمانوں میں تنزل کے بیج بو دئے یقیناً عثمانؓ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا اور اب خدا ہی خیر کرے -

اس خطبہ سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ام المومنین کی سیاسی عظمت کسقدر اہمیت رکھتی تھی " ایکمرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کو ایک مجمع میں فرمایا کہ آجکل لوگ اپنی بیویوں کا مہر بہت زیادہ مقرر کرتے ہیں یہ کوئی اچھی بات نہیں اگر کسی نے اتنے سے زیادہ مہر مقرر کیا تو فاضل رقم بیت المال میں داخل کر دی جائیگی صحابہ کرام خاموش تھے اس مجلس میں ایک حق طلب خاتون بھی تشریف فرما تھیں اٹھکر کھڑی ہو گیا اور بولیں اے عمرؓ! پہلے یہ بتاؤ کہ انکو ایسا کرنے کا حق کس نے دیا خدا تو یہ فرماتا ہے - وان آتیتم احداھن

فنظار افلا تاخذ و امنہا شیئا ۔ حق پسند خلیفہ نے اس "حفظ حقوق" کو استحسان کی نظر سے دیکھا اور فرمایا امرأة اصابت و رجل اخطأ عورت کی رائے صحیح ہے اور مرد کی غلط۔

خیال کیا جاتا ہے کہ عورت کو قومی معاملات میں دخل دینا بالکل ناروا ہے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں عامل ہمدان نے جبر و تشدد سے کام لیا تو قوم نے اپنی شکایتیں پہونچانے کے لئے ایک عورت کو انتخاب کیا جس کا نام سودہ بنت عمارہ ابن الاشتر تھا۔ انھوں نے حضرت علی کے پاس جا کر اپنی شکایتیں بیان کیں تو خدا ترس خلیفہ رونے لگے اور یہ حکم لکھکر خاتون کے حوالے کیا اور کہا کہ اس تحریر کو حاکم کے پاس پہونچا دو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کا بینہ تمہارے پاس آچکا ہے، ناپ تول میں دیانت سے کام لیا کرو، رعایا کی دولت میں کمی نہ کرو خدا کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کی مخلوق تمہارے لئے مفید ہے اگر تم مسلمان ہو۔

جس وقت یہ پروانہ تمہارے پاس پہونچے اسوقت سے تم اپنے کو معزول سمجھو اور خزانہ کی حفاظت کرتے رہو عنقریب کوئی شخص چارج لینے جاتا ہے۔ والسلام

چند ہفتوں کے بعد اسے معزول کر دیا امیر معاویہ کے عامل نے بھی ہمدانیوں پر بہت جبر و تشدد کیا تو قوم نے اسی خاتون کو ڈیپوٹیشن کے ساتھ روانہ کیا جب آپ جناب امیر کے دربار میں پہونچیں تو سلام و جواب کے بعد امیر نے پوچھا کہ ۔

فمر کفعل ابیک یا ابن عمارة	یوم الطعان و ملتقی الاقران
انصر علیا والحسین و رھطہ	واقصد لھند و ابنھا بھوان
ان الامام اخا النبی محمد	علم الھدی و منارة الایمان

یعنی اے عمارہ کے نور نظر نیزہ بازی اور بہادری کا وقت آگیا، اپنے باپ کی طرح کمر کسو جناب علی و حسین اور انکے طرفداروں کی مدد کرو اور ہندہ اور اسکے بیٹے معاویہ کو کمزور کرو کیونکہ ہمارا امام یعنی نبی کریم کا بھائی ہدایت کا علم اور ایمان کا منارہ ہے۔

سودہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ صحیح ہے مگر اب اسکا ذکر جانے دیجئے۔ مات الرأس و بتر الذنب وقت تو شکست و آلہ ہاتی ... اور اسکے بعد آپنے بیان کیا۔

"اے امیر المومنین اعداللہ نے تجھے ہمارا سردار اور خلق کا منتظم کار بنایا ہؤا اور یقیناً فرائض سلطنت کی تجھسے باز پرس ہوگی اور تیرا یہ حال ہے کہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو حاکم مقرر کرتا ہے جو جبر و تشدد و سے کام لیتے ہیں، جو رعایا کو سنبل سمجھ کر کاٹتے ہیں بیل سمجھتے ہیں اور گھاس کی طرح کھا جاتے ہیں آجکل تو نے ابن ارطاۃ کو حاکم مقرر کیا جسنے میرے ملک میں ہو کر میرے آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور میرا مال چھین لیا۔ اگر اطاعت دفا شعاری کا خیال ہوتا تو ہم میں بھی جنگ کی طاقت تھی پس اگر تو نے اسے معزول کیا تو ہم تیرے شکر گذار ہیں ورنہ پھر ہم خود سمجھ لینگے۔

جناب امیر نے فرمایا۔

"کیا خوب آپ اپنی قوم کا خوف دلاتی ہیں اور وہ بھی مجھے بھاؤ اتو میں نے حتمی ارادہ کر لیا ہے کہ تم لوگوں کو اسی ظالم کے حوالے کر دوں جو تمھیں اور بھی ستائے۔"

سودہ نے تھوڑی دیر سر گریباں ہوکر کہا۔

صلے الالہ علی روح تضمنہ قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

خدا کی رحمت ہو اس روح پر جسکی قبر میں عدل وانصاف مدفون ہے اسی لئے ہم لوگوں کو جناب علی رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ خود میں انکے پاس شکایتیں لیکر گئی تھی انھوں نے نہایت عادلانہ حکم سنایا۔

جناب امیر۔ خیر اس عورت کے حقوق ادا کر دیئے جائیں اور اسکے ساتھ انصاف کیا جائے۔

سودہ۔ کیا صرف میں عنایت کی مستحق ہو یا میری قوم بھی؟

جناب امیر۔ افسوس۔ ابن ابی طالب نے یہ شعر لکھے تمھاری ہمت بڑھادی ہے

لو کنت بوابا علی باب جنۃ لقلت لھمدان ادخلوا بسلام

اگر میں کسی جنت کا دربان ہوتا تو تمام بنی ہمدان سے کہدیتا اطمینان کے داخل ہو جاؤ۔ خیر جو کچھ کہتی ہو کیا جائے اور اسکا حق ادا کیا جائے چنانچہ بنی ہمدان کا جو نقصان ہوتھا ادا کر دیا گیا۔

امیر معاویہ کا قاعدہ تھا کہ ایک عام دربار کیا کرتے تھے جسمیں ہر شخص خود آکر اپنی ضرورت رفع کرتا تھا ایک دن ایک عربی عورت ایک قوم کیطرف سے وفد میں آئی اور اس نے سر دربار زیاد کی سختیاں بیان کیں امیر معاویہ زیاد کو سخت سست کہا اپنی حمیت کا آدمی تھا کہ حضرت علی نے اسکو اپنا طرفدار بنانا چاہا لیکن امیر معاویہ نے بہت جلد اسکو اپنا طرفدار بنالیا لیکن اس خاتون نے کچھ اسطرح گفتگو کی کہ امیر معاویہ نے یہ حکمنامہ لکھکر اس عورت کے حوالے کیا کہ زیاد کے پاس پہونچا دے۔ اس عورت کے حقوق ادا کر دیئے جائیں ورنہ تمکو نہایت ذلیل و رسوا ہونا پڑیگا۔ جلال

کلامِ اکبر

ہاتھ میں زنجیر ہو ظاہر کوئی گن کیا کروں
دوسرے کے بس میں ہوں فکرِ تمدن کیا کروں

آگ برسانے لگی جب اِس گلستاں کی ہوا
خواہش نشو و نمائے نخل و گلبن کیا کروں

اکبر الہ آبادی

تاثرات

اوجڑنا دیکھ کر گلچیں کے ہاتھوں سے وہ گلشن کا
تپش میری ہیولی بن گئی برقِ نشیمن کا

شہیدانِ جفا کی خونِ ناحق کی شہادت کیا
کرا یا خون رنگ ایک ایک صفا تیری دامن کا

کبھی نازک کمر نے بارِ خنجر بھی اُٹھایا ہے؟
کر دیگے فیصلہ کیا سخت جانوں کی سر و تن کا

کہوں دشمن کو کیا دشمن کہ دشمن اصل میں دہر
دیا تیغ نے میرا دوست بنکر ساتھ دشمن کا

سوادِ ہند میں کب سبحہ زاہد کو سرسبزی
کہ اک اک دانہ ہے ہم رشتہ زنار برہمن کا

سجا کر غیر اپنی انجمن کیا کیا پھلے پھولے
بنا گلدستہ شیرازہ بکھر کر میرے گلشن کا

مسیحائی کا دھیان آیا کب اُس جانِ تغافل کو
مریضِ ہجر کی جب سانس اکھڑی ڈھل گیا منکا

ترے گلزار کے ہر گل میں بو سے بیوفائی ہے
نہ یہ عاشق کی تربت کا نہ یہ گلچیں کے دامن کا

دلِ امیدوار آخر ہوا مجبور مایوسی
عنایت تیری بیدردی کی احسان تیکھے پن کا

کرم اے برقِ حاصل سوز کب تک انتظار آخر
کہ بیتاب فنا ہے دانہ دانہ میرے خرمن کا

کھلینگے جوہر خنجر کشی تیغ آزماؤں کے
خبر دیتا ہے کھنچنا خود بخود رگہائے گردن کا

ستم سہہ کر سکھائے یہ ستم تیری جدائی کو
ستم پرور زمانہ یاد کر اپنے لڑکپن کا

ہنسی سمجھے تھے تم چاکِ گریبانی دستِ وحشت کی
گلو گیر آج ہے میرا گریباں کس کے دامن کا

مٹینگے ٹھوکروں سے کیا نشاں ہم بیقراروں کے
کہ محشر در بغل ہے ذرہ ذرہ خاکِ مدفن کا

سبک روحی مری تھی مایۂ نیرنگِ بربادی
بتایا نکہتِ گل نے پتا گلچیں کو گلشن کا

دکھا سوزِ تپش ایسا کہ محفل بھر تڑپ اُٹھے
ارے افسردہ دل پروانہ تو ہے شمعِ ایمن کا

نوائے سازِ وحدت پردہ سوزِ فرقِ ملت ہو — ہم آہنگ اذاں ہو نغمہ ناقوس برہمن کا
نصیب ثاقب جز گردش نہ دیکھا سیرِ طالع سے
مقدر نے سکھایا ہی چلن رہبر کو رہزن کا

ابوالصواب ثاقب قریشی انصاری

شناختِ انساں

ایک دن ایک بادشہ نکلا — سیر کرنے کو کھیلنے کو شکار
تھا وزیر اور اک غلام بھی ساتھ — ایک جانباز تھا تو اک غمخوار
پہونچے جنگل میں۔ دیکھے چند ہرن — سب یہ تیر و کماں سے تھے تیار
لیا پیچھا ہر اک نے اک اک کا — متفرق ہوئے سب آخر کار
ساتھیوں کی تلاش میں ہر شخص — ہوا ایس ہرن کا کر کے شکار
ایک رستے سے پہلے گزرا شاہ — دیکھا کچھ فاصلہ پر اک گلزار
واں بیٹھا ہوا ہے ایک فقیر — متقی۔ پارسا۔ ولی۔ دیندار
نور چہرے پر اور ریش سفید — شکل زیبا ہے مظہرِ انوار
جا کے نزدیک اور کر کے سلام — ہوا گویا وہ شاہ نیک شعار
اے یمِ فضل و خضرِ راہنما — اے ولی صورت و ملک کردار
آپ نے کیا یہاں سے جاتے ہوئے — دیکھا کچھ دیر پہلے کوئی سوار
دیکے درویش نے جوابِ سلام — کہا اے آسمانِ عز و وقار
خوش رکھے آپ کو خدا دائم — آپ کے ہوں جہاں میں اعدا خوار
میں نے دیکھا نہیں یہ جاتے ہوئے — کوئی یاں سے پیادہ ہو کہ سوار
چلدیا بادشاہ۔ آیا وزیر — نظر آیا اُسے بھی وہ دیندار
کہا جا کر قریب اے درویش — جلد مجھ کو بتا دو نیک شعار
تم نے دیکھا ہے کیا گزرتے ہوئے — یاں سے اِس شان کا کوئی سردار

بولا درویش گو امیر ہو تم ہے بڑا وصف تم میں استکبار
آدمیت کا یہ نہیں شیوہ کرو نخوت سے توبہ استغفار
لو میں تم کو بتائے دیتا ہوں ابھی یاں سے گیا ہے وہ سردار
آیا کچھ دیر بعد اس کے غلام بیٹھا تھا سامنے ہی وہ دیندار
بولا اس سے غلام۔ او بڈھے سن بے کیا کہہ رہا ہوں او مکار
اک گدا ہو کے تجھ کو یہ نخوت نہیں کرتا ہے عجز کا اظہار
گھور کر مجھکو دیکھتا کیوں ہے دیکھ میرا یہ جامۂ زرتار
میری صورت کو دیکھتا کیا ہے دیکھ تازی ہے یہ مرا رہوار
شیر کی کھال کی ہے زین اسپ دیکھ بزدل میں شیر پر ہوں سوار
مجھ سے ڈر لے ضعیف میں ہوں جوان مجھ سے کچھ مانگ لے میں ہوں زردار
جلد مجھ کو بتا دے او بڈھے کیا گیا ہے ادھر سے کوئی سوار
کہا درویش نے ابے او غلام ہے غلامی پہ تجھ کو استکبار
تیری صورت سے آشکارا ہے کہ ہے تو اک غلام ناہنجار
جل اطلس اڑھائی خر کو تو کیا خر ہی ہے خر۔ ذلیل و احقر و خوار
کیوں تو اک بندۂ خدا کو یوں دیکھتا ہے بچشم استحقار
ایک مفلس کو کرکے خوار و ذلیل کیوں امارت کا کرتا ہے اظہار
شیر کی کھال کا ہے زین اگر تیرے گھوڑے پہ جس پہ تو ہے سوار
نہ رہی پیٹھ ہی پہ شیر کے جب زیر ران تیری کب تک ای بدکار
کس کو تو سخت سست کہتا ہے کس کو کرتا ہے تو ذلیل و خوار
حکما کا یہ قول ہے غافل سن کسی کو برا نہ کہہ زنہار
جو کہے گا وہی سنے گا تو ہے فلک اک گنبد دوار
شیخ کا یہ کلام سن کے غلام ہو گیا اسکے سامنے سے فرار
مجتمع تینوں جب ہوئے اک جا حال درویش کا کیا اظہار

متعجب ہوا نہایت شاہ　　کہ سمجھ سے ہیں دور یہ اسرار
ہم کو بے جانے ہی گیا پہچان　　کس طرح وہ فقیر نیک شعار
گیا دونوں کو ساتھ لیکر شاہ　　کیا درویش سے یہ استفسار
کس طرح آپ کو ہوا معلوم　　کون ہم میں عزیز کون ہے خوار
کہ تھا حب میں یوں لحاظ رہا　　ہم پہ ظاہر یہ کیجیے اسرار
بولا درویش بات سے انساں　　اپنی حالت کا کرتا ہے اظہار
بات کرنے کے بعد کھلتا ہے　　کہ یہ ہو بد گہر یہ نیک شعار

ہے یہی بات تو نبات ذہین
ہے یہی بات خنجر خونخوار

ذہین حیدرآبادی

قطعہ بر قطعہ مرزا غالب علیہ الرحمۃ

ہے جو صاحب کے کف دست میں یہ چکنی ڈلی　　زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیئے

تضمین بر بیت

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

سر مژگاں نقطۂ بینائی خواب سا سمجھیے　　گرہ ہوش سر زلف چلیپا کہیئے
دہن تنگ حسیناں [illegible] سمجھیے　　نقطۂ نافہ بتان ستم آرا کہیئے
چشم پُر خمار کی حسرت [illegible]　　جگر سوختہ برق تجلے کہیئے
دست [illegible] دانوں کی نسبت سمجھیے　　[illegible] بت رعنا کہیئے
کیوں اسے [illegible] سمجھیے　　[illegible] شوخ [illegible] کہیئے
[illegible]　　کیوں اسے [illegible] طرب افزا کہیئے

کیوں اسے داغِ دلِ لالہ سے نسبت دیجئے — کیوں اسے غنچۂ رازِ دلِ شیدا کہیے
گر اسے مہرِ نبوت کے مشابہ لکھیے
تو بلندی میں اسے عرش کا تارا کہیئے

سید محمد علی لکھنوی

غزلیات

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

گو تماشا سامنے ہے عالمِ ایجاد کا — کیا ہنسوں رونا ہے مجھکو اِس دلِ ناشاد کا

یہ خوشی کی بات ہے یا وقت ہے فریاد کا — سر جھکائے ہوں میں ہاتھ اُٹھتا نہیں جلاد کا

مطلب دل ہے کہ اُنسے ربط کچھ باقی رہے — وہ سمجھتے ہیں کہ اسکو عشق ہے بیداد کا

جنبش اُنکو دے چلی تھی جوششِ فصلِ بہار — میرے باز و رہ گئے منھ دیکھکر صیاد کا

حسن تھا وہ آگیا جو پردہ تصویر میں — دل کا نقشہ تھا جہاں کا نیا قلم بہزاد کا

آگے بڑھتے کیوں مٹی قبروں پہ تھم کر دیکھئے — راستا کیوں آپ چلتے ہیں دلِ ناشاد کا

قید کرتا مجھکو لیکن جب گذر لیتی بہار — کیا بگڑ جاتا ذرا سی دیر میں صیاد کا

دشمنِ اہلِ وفا ہے یہ تماشا گاہ دہر — بے ستوں مشتاق تھا خونِ سرِ فرہاد کا

چوٹ دیکر آزماتے ہو دلِ عاشق کا صبر — کام شیشے سے نہیں لیتا کوئی فولاد کا

میں تو تھا مجبور رہنے پر کہ تھا پابندِ عشق — کوئی پوچھے باغ میں کیا کام تھا صیاد کا

دیکھیے تھمتے ہیں کب تک اشک و آہِ اہلِ درد — کشتیِ دل اور یہ طوفان ابر و باد کا

صبح گو ہوتی نہ تھی لیکن کبھی موذن کی — ہجر کی شب وقت اچھا تھا خدا کی یاد کا

کام کر جاتے ہیں بیجاں بھی اگر حسن ہو تو دیکھ — نام تصویروں نے رکھا مانی و بہزاد کا

اب کمی اچھی نہیں اے نالۂ شبگیرِ دل — کچھ نہ کچھ بستر سے پہلو ہٹ چلا صیاد کا

سرخیِ خوں دو گئی بیتی آخر تقدیر سے — بن گیا روزِ سیہ سودائے سرِ فرہاد کا

نیند میں صیاد ہے اور میں چمن کی یاد میں — درد اُٹھا ہے مگر موقع نہیں فریاد کا

کیوں نہ آتا میں قفس میں نالے جاتے کس طرف
پڑ گیا مجھ پر اثر آخر مری فریاد کا

مجرم طوفِ صنم تھا لیکن اے طاقِ حرم
یہ بُرا تا ماجرا ہے اس دلِ ناشاد کا

کل جو میرا نالۂ کش دل آ گیا داغوں سمیت
رشکِ گلشن ہو رہا ہے آج گھر صیاد کا

برق کے گرنے سے پہلے کچھ نشاں تھا باغ میں
ذکر اب کیا عندلیب آشیاں برباد کا

مٹ چکا میں اب نشانِ قبر سے کیا دشمنی
شومیٔ تقدیر موقع دے کسی کو یاد کا

چند دن کی اس بلندی میں بھی تھی پستی نہاں
آشیانے سے نظر آتا تھا گھر صیاد کا

زیست کے کمزور رشتے ٹوٹتے رہتے ہیں خود
کن رگوں کیواسطے خنجر بنا فولاد کا

کوئی دنیا میں نہ پایا میں نے جز طبعِ سلیم
یوں تو ثاقبؔ نام سنتے آتے ہیں اُستاد کا

حضرت حسرتؔ موہانی

محبت کیوں کرد گر ہو نہیں سکتی وفا مجھسے
یہ تمنے کیا کہا مجھکو یہ تمنے کیا کیا مجھسے

سمجھ رکھا ہے مجبورِ وفا کوشی جو ظالم نے
ملا کرتا ہے کس کس ناز سے وہ بیوفا مجھسے

محبت کی بھی کیا تاثیر ہے جیتا ہے دونوں
ہوا ہے خاتمہ اُنپر ہوئی تھی ابتدا مجھسے

بتانِ ماہر وکے حسن پر ایماں لایا ہوں
انھیں کو دیکھکر ہوتی ہے اب یاد خدا مجھسے

تصور اُنکو ہر دم نزدِ جاں موجود رکھتا ہے
وہ رہتے ہیں جدا پھر بھی نہیں رہتی جدا مجھسے

کہیں دشمن سے بیشک مل کے وہ بیباک آئے ہیں
جبھی بے اختیار آج اُنکو آتی ہے حیا مجھسے

چھپاتے ہیں جسے وہ پردۂ بے اعتنائی میں
محبت کہہ رہی ہے راز اس کا برملا مجھسے

تمھارے منھ سے یہ تکرار بھی پر لطف ٹھہری
وہی باتیں سہی جو کر چکے ہو بارہا مجھسے

یہ نازِ بیرخی دیکھو کہ بزمِ غیر میں گویا
شناسا ہوں نہ میں اُنکا نہ ہیں آشنا مجھسے

سمجھ ہی میں نہیں آتا یہ کیا انداز ہے تیرا
کبھی ہٹ بیٹھنا مجھسے کبھی کھل کھیلنا مجھسے

خیال اک انکا باقی تھا سو باقی اب بھی ہے حسرتؔ
شبِ غم اور کیا لینے کو آئی تھی قضا مجھسے

حضرت باسط بسوانی

فغاں میں ہم ہمیشہ اک نئی ایجاد کرتے ہیں
کبھی نالہ کبھی شیون کبھی فریاد کرتے ہیں

خیالِ زلف سے ہم رات کو دل شاد کرتے ہیں
تمھارے عارضِ تاباں کو دن بھر یاد کرتے ہیں

نہیں معلوم کیا ہو میں بھری محفل میں گر کہدوں
یہ جو چپکے سے بیٹھے ہیں بڑی بیداد کرتے ہیں

چھپائے سے کہیں یہ بیخودی کمبخت چھپتی ہے
زمانہ جان جاتا ہے جو تم کو یاد کرتے ہیں

وہ دیکھو شیخ بسم اللہ کہکر پی گئے آخر
اب اُنکی پارسائی پر تو ہم بھی صاد کرتے ہیں

سبب اس بیخودی کا کھل نہ جائے اہلِ محفل پر
ہمارا رنگ کہتا ہے کسی کو یاد کرتے ہیں

قفس کو بھی جلا کر خاک کر دیں ساتھ ہی اپنے
ہم آہ آتشیں اک آج اے صیاد کرتے ہیں

یہ سن رکھو میں کہدونگا دکھا کر تم کو محشر میں
اِنھیں کو یاد کرتے تھے انھیں کو یاد کرتے ہیں

نہ ہو نازاں ہماری توبہ پر زاہد تو کیا جانے
کہ گردشِ چشمِ ساقی کی ہم ابتک یاد کرتے ہیں

محبت بھی بتوں کی ظلم پنہاں سے نہیں خالی
توجہ جسپہ کرتے ہیں اُسے برباد کرتے ہیں

بڑھا کر شیخ کو ساغر کہا ساقی نے بسم اللہ
مگر رندوں کو حیرت ہے خدا کو یاد کرتے ہیں

کہیں مل جائیں تجھکو ہمنشیں تو انسے کہدینا
دمِ آخر ہے باسط کا کسی کو یاد کرتے ہیں

سید علی متقی خاں صاحب شوخ امروہوی

میں نے کیونکر آپکو رسوا کیا
آپکی صورت نے خود چرچا کیا

ہم نے ناحق خون کا دعوی کیا
حشر میں رازِ نہاں افشا کیا

میں نے جو کچھ بھی کیا بیجا کیا
آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

ضبط کی طاقت نہ تھی گر بوالہوس
نام کیوں بدنامِ الفت کا کیا

اپنے قاتل کی حیا کے میں نثار
ذبح کرتے میں بھی شرمایا کیا

وہ عدو سے دل لگی کرتے رہے
خوبیِ قسمت کو میں رویا کیا

دلچسپ ناول اور افسانے

طلسم - والٹر اسکاٹ کے ناول طلسم کا ترجمہ صفحہ ۶۲ قیمت ۶ ر

مونگے کا جزیرہ - انگریزی جہاز رانوں کے عجیب و غریب سفر و سعے کے صفحہ ۹۶ قیمت ۸ ر

جان ہیلیفکس جنٹلمین - ایک نوجوان لڑکے کے حالات کس طرح ادنیٰ حالت سے اپنی جوانمردی سے ترقی کر کے دولتمند ہو گیا صفحہ ۴۰ قیمت عہ ر

ناولہائے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید، سعادت، شاہد رعنا جو دو بار چھپ کر قدر دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں - اب ایک مجموعہ کی صورت میں چھپے ہیں ۳۰۰ صفحات کی مجلد کتاب چھپائی عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی شامل ہے عہ ر

جنگ جرمن و بلجیم - ۱۹۱۴ء کی مشہور جنگ کے سچے کارنامے ناول کے پیرایہ میں قیمت . . . . . ۱ ر

جرمن محکمہ جنگ کے اسرار - جرمن محکمہ جنگ کے اسرار کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب ہے قیمت ۸ ر

چابک سوار معشوقہ - گھوڑ دوڑ کی بدولت ایک رئیس کی تباہی و بربادی کا عبرت انگیز واقعہ قیمت ۹ ر

طلسمی فانوس - انگلستان کے مشہور چارلز گاروائس کے بہترین ناول کا ترجمہ قیمت عہ ر

جرمن جاسوس - جسمیں حال کی جنگ یورپ کے متعلق جرمن جاسوسوں کی ان تھک کوششوں کے تمام و کمال حالات جو دول یورپ کے خلاف کی گئیں نہایت پر لطف پیرایہ میں تفصیل سے درج ہیں وہ اسرار خفیہ انگلستان کے حالات پڑھکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کتاب میں حسن و عشق کے سچے جذبات بھی موجود ہیں کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے صفحات ۲۹۶ قیمت عہ ر

راج سنگھ - بنگال کے جادو نگار بنکم چندر چٹرجی کے ناول کا اردو ترجمہ قیمت ۸ ر

بنگالی دلہن - بنکم چندر کا مشہور بہترین ناول شوہر پرستی اور عورتوں میں جذبات خود داری پیدا کرنیکا آلہ قیمت ۱۲ ر

زہرا - ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی اے قیمت ۱۰ ر

نیرنگی دہر - مجید بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان شریف النساء کی کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب صفحات ۳۲ قیمت ۸ ر

گودڑ کا لال - ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا طبعزاد افسانہ مصنفہ والدہ صاحبہ محمد افضل صاحب بی اے حصہ اول دوم صفحات ۲۴۹ قیمت ۱۲ ر

وکرم اروسی - مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مترجمہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے قیمت عہ ر

تمنائے دید - مصنفہ محمد سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی ۱۰ ر

ملنے کا پتہ - منیجر رسالہ "تمدن" نیا گاؤں - لکھنؤ

تازہ ترین ناول

میدان جنگ" فرانس کے موجودہ معرکہ کی جسمیں حسن و عشق کے کرشمے حب قومی کے لطیف جذبات
میں نوایجاد ٹینک کے حیرت انگیز کارنامے مسٹر جوزف اور جرمنوں کی خفیہ ریشہ دوانیاں۔ غداروں کی حکمت عملیاں
مس روزا کا حقیقی عشق سوز و ساز ساز و نیاز ہجر و وصال صبر و استقلال کے ساتھ کوشش کرنے کے نتائج قیمت ۸ر
اور الفت کی موثر کرشمہ سازیاں خندقوں کی طلسمی ساخت **شارل و عبد الرحمن**" جرجی زیدان کے ایک بہترین
لوازم جنگ برقی تاردن کے جال کی دشواریاں ہوائی عربی تاریخی ناول کا ترجمہ جس میں سرزمین فرانس پر عربوں کا
تاخت کی کل ہلا دینے والی کیفیت فوجوں کی ترتیب حملہ امیر عبد الرحمن والی اندلس، کونٹ اوڈو اور شارل
و پیشقدمی جنگ آزما سپاہیوں کی دلیرانہ سرفروشی (چارلس) حکمران فرانس کی پرجوش سپاہ کا باہمی مقابلہ
وغیرہ وغیرہ مختلف سین نہایت خوبی سے دکھلائے گئے جنگ کے خون ریز مناظر اور فتوحات کے تاریخی واقعات۔
ہیں اور نہایت سلیس زبان میں ترجمہ کئے گئے ہیں اسلامی تاریخ کے بعض سربستہ اسرار کا انکشاف مسیحی
صفحات ۱۰۰ قیمت ۶ر بزرگان مذہب کی رائے اسلام اور مسلمانوں کی نسبت
بے زبان دوست" اعلیٰ اصول معاشرت اسلامی سپاہ کے افسر اعلیٰ ہانی اور مریم کی عشق و محبت کی
حریص و طامع بدافعال سیاہ کار لوگوں کی آتش عناد پر درد داستان اور رنگا رنگ انجام نہایت پُراثر اور دلچسپ
رحیم النفس و فیاض نفس تجاروں کی جیتی جاگتی تصویریں طریقے پر بیان کئے گئے ہیں مترجمہ حضرت آغا رفیق بلند شہری
اور چنچال محبوبہ دلنواز کی جاں پروری مستقل مزاجی اور صفحات تقریباً ۰۰سہ قیمت عہ ر
اور ایک بے زبان دوست کی خالص وفاداریوں کا **محل خانہ شاہی** - اس کتاب میں سلطان عالم
خاکہ قیمت ۱۰ر محمد واجد علی شاہ بہادر آخری شاہ اودھ نے خود اپنے
بچھڑوں کا ملاپ" دریائے رائن کی طغیانی قلم سے اپنے معاملات عشقی کے واقعات اور پریخانہ کے
حادثہ طفل شیر خوار کا بہہ جانا والدین کا ہمیشہ کے لئے حالات تعلیم موسیقی کے طرق اور اپنی عشقیہ لاکف کو نہایت
وہیٹ کے بیٹھ رہنا بچہ کا پانی سے نکالا جانا اور ایک مشرح طور سے دلچسپ اور دلکش طریق پر بیان کیا ہے
شریف و نیک خاندان میں پرورش پاتا گئے کو ذریعہ اس قابل دید کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نوابی اودھ
لڑکے کے باپ کو پتہ لگنا سب کا باہم ملنا وغیرہ کے آخری تاجدار آگھی میں عشق و محبت ہوا تھا قیمت ۸ر
صفحہ ۴۴ قیمت ۱۲ر

علمی، ادبی، اخلاقی کتب کا ذخیرہ

الزہرا: حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قابل دید سوانح عمری مؤلفہ جناب مولانا راشد الخیری صاحب ایڈیٹر عصمت جنکی بے نظیر تصنیفات: شام زندگی و صبح زندگی وغیرہ ملک میں بہت مقبول ہوئی ہین قیمت ...... ۱۲؍

انتخاب زوج: دہلی کے ایک مشہور انشاپرداز خاتون کے زور قلم کا تازہ کارنامہ جس کو قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے خصوصی ذکور کی خدمت میں اپیل کیا ہے کہ اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھکر حاصل کر لیا جائے ۱۰؍

تعلیم اصول خانہ داری: قیمت اور کھانے پکانے کی نہایت ضروری تعلیم قیمت .... ۱۱؍

اتالیق بی بی: جسمین عورتوں کو شوہروں کی بے معنی نکتہ چینی اور ... کا بہت سچا خاکہ دکھلایا گیا ہے قیمت ......

جذبات بھاشا: بھاشا کے نکات مع ... تصویر کھینچنا اسکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے خود داری حیا، غیرت، حسن و محبت وجذبات میں ڈوبی بھاشا کی شاعری کا ستون کھڑا ہے سادی آسان تشبیہات ... لیتی ہے جذبات صادقہ میں ایک ... قابل انشاپرداز حضرت نیاز فتحپوری نے ان دوہوں کے نغمے بیان کئے ہیں ۱۲؍

سیر یورپ: ہر ہائینس عالیہ رفیعہ سلطان نواب بیگم ریاست جنجیرہ کے سفر یورپ کا روزنامچہ جسمیں تمام واقعات خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ قلمبند کئے ہیں ۴۲ عکسی تصاویر شامل ہیں کاغذ و چھپائی نہایت اعلی صفحات ...

انقلاب ٹرکی: سلطنت عثمانیہ کے گزشتہ انقلاب اور پارلیمنٹری دور کے آغاز کی ایک مفصل اور جامع تاریخ مؤلفہ منشی عبدالرؤف خاں صاحب ہاتف .... عہ؍

نیشنل ڈراما: ہندو مسلمانوں کی موجودہ حالت انکو شرم دلانے کا نیا طریقہ اور تعلیم کی ضرورت کے اظہار کا دلپذیر طرز قیمت .... ۸؍

دیوان شبلی: یہ مولانا شبلی کی اردو فارسی نظموں کا مجموعہ ہے جن نظموں نے ہندوستان کے قومی جلسوں میں انکے بزرگوں کی شان و شوکت کو یاد دلایا۔ ان نظموں میں اندلس اور بغداد کے خلفاء اسلام کے دار الحکومت کی شاندار تصویریں کھینچی گئی ہیں جس کے مطالعہ سے عہد رفتہ کی شاندار ترقیوں کا پتہ چلتا ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ۸؍

رسائل شبلی: شبلی صاحب مرحوم کی وہ بے نظیر تصنیف ہے کہ جسمین مندرجہ ذیل رسالہ شامل ہیں۔

۱- اسلامی شفاخانہ	۵- پولیٹکس اور مسلمان	۹- تراجم
۲- اسلامی کتبخانہ	۶- خطبہ	۱۰- اسلامی مدارس
۳- حقوق الذمیین	۷- الفطر	۱۱- قدیم تعلیم
۴- جزیہ	۸- کتبخانہ اسکندریہ	کاغذ لکھائی چھپائی

نفیس حجم ۲۰۴ صفحہ قیمت صرف .... عہ؍

الانسان: انسان کی تشریح علمی رنگ میں ۸؍

آثار خیر: اسلامی عہد حکومت کے ٹکنیکل ورک ...

مقالات سرسید:- یہ کتاب- قومی ہمدردی بلکہ بہبودی آزادی اور آزادی رائے حب الوطنی فائدہ عالم صداقت ذاتی ایثار- باہمی اتحاد اخلاق و نیکی تعلیم تربیت تمدن و معاشرت سب پاک اعلیٰ اصول بتاتی اور سکھاتی ہے جو ڈاکٹر سر سید فضل صاحب مرحوم کی تمام تصانیف کو پڑھ کر نقار پاید مضامین منتخب کر کے طیار کی گئی ہے قیمت صرف ..... عمر

المدنیۃ والاسلام:- یہ کتاب ایک نہایت مصری فاضل محمد فرید وجدی کی تصنیف ہے مغربی تعلیم و مغربی علوم و فنون کی بدولت جو شکوک اور شبہات مذہب کیطرف سے پیدا ہو رہے ہیں اور الحاد و دہریت کا جو سیلاب مغرب کیطرف سے چلا آ رہا ہے اُسکے استیصال کے لیے یہ کتاب آبحیات سے کم نہیں ہے قیمت .... عہر

تذکرہ آب بقا:- دہلی اور لکھنو کے گذشتہ و موجودہ نامور و مستند شعرا کے سوانحی حالات مستند و برجستہ کلام لکھنو کی صاف اور شستہ اردو زبان" ہے جس میں خواجہ آتش لکھنوی منشی مظفر علی اسیر لکھنوی میر شیفتہ دہلوی مرزا مہر لکھنوی شاہ ظفر دہلوی منشی منیر شکوہ آبادی شیخ امداد علی بحر لکھنوی شاد - میر لکھنوی شیخ ناسخ میر مونس لکھنوی ضمیر بلگرامی رشید لکھنوی ریاض خیرآبادی وسیم خیرآبادی ظہور دہلوی ... لکھنوی عیش لکھنوی مرزا بہادر جگر لکھنوی علی میاں کامل لکھنوی جذبہ لکھنوی ماہ لکھنوی تسلیم ... عرش چشتی حسرت - ناسخ - عاشق - میر ضمیر وغیرہ وغیرہ کے سوانحات اور منتخب اشعار درج ہیں فاضل مرحوم شعرا کی مزارات کا پتہ نشان بڑی تحقیق سے لکھا گیا ہے - بشو ... محول

نظموں کا وہ مجموعہ بے مثال ہے جسکو جذبات انسانی کا آئینہ اور فلسفانہ نکات کا مرقع کہنا بیجا نہ ہوگا قیمت علاوہ محصول .... عمر

لغات جدیدہ:- عربی زبان کے تقریباً چار ہزار الفاظ کی تشریح و تحقیق جو آجکل عربی زبان میں مستعمل ہیں اور جن کے بغیر عربی خواں عربی اخباروں اور رسائل اور جدید تصنیفات سے متمتع نہیں ہو سکتے اور عربی زبان کے مولد و دخیل الفاظ پر محققانہ بحث مرتبہ جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قیمت عمر علاوہ محصول

مقالات شبلی:- شمس العلما مولانا شبلی مرحوم کے وہ علمی اور تاریخی مضامین جو رسائل شبلی کے بعد لکھے گئے ہیں قیمت علاوہ محصول عہر

اخلاق محمدی:- اس کتاب میں طرز معاشرت ادب مجالس اخلاق کسب معاش ہمت و استقلال ہمدردی حقوق باہمی وغیرہ تمام صفات حسنہ کے متعلق آیات و حدیث جمع کر کے مع اصل و ترجمہ کے طبع کی گئی ہیں علم اخلاق میں اس طرز کی کتاب آجتک طبع نہیں ہوئی مسلمانوں کے لئے اسکا مطالعہ مفید ہے قیمت ہر دو حصہ عـ۸ر

حکمت عملی:- فلسفۂ عملی پر مبسوط اور بسیط کتاب ہے اسمیں افراد انسانی کی روحانی ارتقائی تدابیر کے ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کئے ہیں عورتوں کی تعلیم و حقوق کی نگہداشت کا ذکر بھی ... بعوض قید کیا ہے عبارت نہایت دلچسپ ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ ... قیمت ....

تمدن

شخصیت

محرم راز تو شد ہر کس و ناکس امروز
پیش ازیں وقت کہ سر تو ہمیں من بودم

سائنس والوں کا مقولہ ہے کہ یہ دنیا یا اس دنیا میں جس قدر اجسام پائے جاتے ہیں وہ سب ذرات سے ترکیب یافتہ ہیں کوئی ایسا جسم نہیں ہے جو ذرات سے مرکب نہ ہو اس صورت میں یہ کہنا پڑیگا کہ کوئی جسم بھی ذرات کی ترکیب سے خالی نہیں دوسرے الفاظ میں اجسام کیا ہیں ذرات کا مجموعہ ہر ذرہ بجائے خود ایک شخصیت رکھتا ہے یا یہ کہ ہر ذرہ کی ایک جداگانہ ہستی شخصیت نہ صرف ذرات ہی سے ترکیب یافتہ ہے بلکہ شخصیت اور بھی چند اجزائے مختلفہ رکھتی ہے جسمانی جہت سے سر منھ زبان وغیرہ وغیرہ جداگانہ ہستیاں ہیں۔ اور مجموعی رنگ میں ایک جسم یا ایک بدن اگر ذرات نہ ہوں تو جسم بھی نہ ہوں اور اگر جسم نہ ہوں تو ذرات کی قیمت گھٹ جاتی ہے کیونکہ ذرات کی بذاتہ بھی کچھ نہ کچھ قیمت ہوتی ہے مگر جسمانی ترکیب کی حیثیت سے ذرات کی قیمت اور بھی گراں ہو جاتی ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ ذرات جمہوری مجموعہ ہے اور اجسام ذراتی جمہوریت کا ایک

دوسرا نقش یا ایک جداگانہ شخصیت ذرہ بجائے خود اگر ایک قسم کی جمہوریت رکھتا ہے تو جو جسم اُن سے ترکیب پذیر ہوتا ہے وہ بھی بجائے خود ایک جداگانہ شخصیت رکھتا ہے شخصیتوں کے مجموعے سے ایک گروہ یا ایک قوم بنتی ہے گویا قومی بحث میں شخصیتیں ذرات کا حکم رکھتی ہیں اور قوم شخصیتوں کا۔

بحث طلب یہ بات ہے کہ

شخصیت کا اثر اور جذب زیادہ ہے۔

[illegible] یا جمہور اور جمہوریت یا افراد کثیرہ اور منتشرہ کا۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے کہ ذاتِ واحد زیادہ تر مؤثر اور جاذب ہے یا افرادی مجموعہ یا جمہور بیشک شخصیتوں اور مجموعہ شخصیتوں میں ایک نسبت لاینفک ہے جب تک افراد نہ ہوں مجموعہ ترکیب پذیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ بحث بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ فرد یا شخصیت کی قیمت مجموعہ یا جمہور کے مقابلہ میں کیا کچھ ہے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ فرد یا ایک شخصیت کی قیمت زیادہ ہوتی ہے یا یہ کہ وہ زیادہ تر مؤثر اور جاذب ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک جمہور یا مجموعہ افراد کی طاقت اور جذب زیادہ تر ہے۔

اس بحث میں واقعات دنیا خصوصیت سے مدد دے سکتے ہیں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ

[illegible] میں فرد یا شخصیت عامل رہی ہے۔

[illegible] اور مجموعہ افراد۔

[illegible] واقعات کے جمع کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ہر زمانہ میں فرد یا شخصیت محتوی اور عامل رہی ہے مجموعہ [illegible] جمہور کا جذب اور اثر اُسکے بعد تسلیم کیا جاتا رہا ہے ہمیشہ افراد کثیرہ کے مقابلہ میں فرد [illegible] شخصیت کامل زیادہ تر جذاب اور مؤثر رہی ہے جسقدر فرد کامل یا شخصیت کامل [illegible] ہے اسقدر مجموعہ افراد یا جمہوریت نہیں رہی ہے اگرچہ جمہور یا مجموعہ افراد کی [illegible] نہیں لیا جا سکتا لیکن فرد کامل یا شخصیت کامل کے مقابلہ میں [illegible] جمہوریت کو کبھی کامیابی نہیں ہوئی اگرچہ کبھی کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ عام یا عوام الناس [illegible] تجربہ ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ۔

"کسی ایک فرد کامل یا شخصیت کامل کی رائے ہمیشہ مجموعہ افراد یا عوام الناس کی رائے کے مقابلہ میں برتر مانی جاتی رہی ہے اور بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہئیے کہ عوام الناس یا پبلک ہمیشہ کسی فرد کامل یا شخصیت کامل پر ہی ایمان لاتی رہی ہے اور ہر رنگ میں شخصیت ہی فاتح ثابت ہوتی ہے۔

اگرچہ بعض وقت چند یا متعدد شخصیتیں بھی ایک شخصیت کے رنگ میں عمل پذیر ہوتی ہیں مگر زیادہ تر اثر ایک ہی شخصیت کا تسلیم کیا جاتا رہا ہے اب یہ دوسرا سوال ہوگا کہ

(الف) تمدن۔ تہذیب اور ضروریات زندگی شخصیت کی مؤید ہیں۔

(ب) یا مجموعہ افراد اور جمہوریت کی۔

میری رائے میں تمدن تہذیب اور ضروریات زندگی زیادہ تر شخصیت کی مؤید اور شخصیت سے متاثر ہیں شخصیت میں وہ جذب وہ اثر اور وہ زور ہے کہ مجموعہ افراد یا جمہوریت میں ایسا رنگ پیدا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ غیر ممکن بھی ہے اگر ایک طرف لاکھوں آدمی بھی ہوں اور دوسری طرف صرف ایک شخصیت تو تجربہ کہہ رہا ہے کہ مقابلے میں شخصیت زور دار اور مؤثر [illegible] واقعات کہہ رہے ہیں کہ کروڑہا روحیں صرف ایک شخصیت کے مقابلہ میں بازی ہار گئیں دنیا کو بے شمار مجموعوں نے صرف ایک ہی شخصیت کا لوہا مان لیا مجموعہ افراد یا جمہوریت صدہا مقابلوں اور ناکامیوں کے بعد اوندھے منہ گری اور شخصیت جیت گئی۔

از چشم صید گیر تو دل کے تواں گرفت
مژگان او ز چنگل باز آفریدہ اند

وحدت میں ایک اثر اور ایک جذب ہے وحدت ہی سے مجموعہ بنتا ہے اور وحدت ہی سے جمہوریت کی نوبت آتی ہے چونکہ خلاق عالم و عالمیاں واحد اور یکتا ہے اس واسطے اس نسبت سے وحدت کثرت پر ہمیشہ غالب رہتی ہے اور وہی کثرت کا شروع بھی ہے۔ وحدت میں وہ اثر اور وہ جذب اور وہ حوالہ ہے کہ باوجود افراد پرستی اور جمہوریت کے بھی شخصیت اور وحدت کی پرستش ہوتی ہے کثرت میں بھی وحدت کا نظارہ موجود ہوتا ہے اور کثرت بغیر وحدت کے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

دیکھو ہندسہ (۱) ہی سے تمام ہندسے نکلے ہیں گویا وحدت ہی مختلف ہندسوں کی بانی ہے
دیکھو (۱) کے ہندسہ سے ہی تمام دیگر ہندسے ترکیب پا سکتے ہیں۔
۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۶ - ۹ - ۱۰ - ان ہر سات ہندسوں
میں ایک کا ہندسہ موجود ہے ان ہر سات ہندسوں میں سے کوئی ایسا ہندسہ نہیں ہے کہ
جس میں ایک کا ہندسہ نہ پایا جاتا ہو۔ باقی رہا ۵-۷ اور ۸ کا ہندسہ ان میں بھی ایک کا
ہندسہ موجود ہے مثلاً ہندسہ (۱) کو گولائی دیکر لکھو تو ہندسہ (۵) کا بن جائیگا اسی طرح
۷۔ اور ۸ میں بھی ایک کا ہندسہ موجود ہے۔

یہی کیفیت وحدت کی بھی ہے اور یہی شخصیت کی جسطرح ایک کا ہندسہ دیگر کل ہندسوں
کی بنیاد ہے اسی طرح وحدت اور شخصیت بھی مجموعہ افراد اور ہر ایک قسم کی جمہوریت کی بنیاد ہے اگر
شخصیت نہ ہوتی تو جمہوریت بھی نہ ہوتی شخصیت ہر حالت میں مقدم ہے جمہوریت سے شخصیت
نہیں بنتی بلکہ شخصیت جمہوریت کی بنیاد ہے کون سی ایسی جمہوریت ہے جس میں شخصیتوں
کا اثر نہیں ہوتا۔ روحانیات کی بنیاد بھی شخصیتوں پر ہے اس سلسلہ کا شروع ہی شخصیتوں
سے ہوتا ہے جسقدر روحانی رہبر اور مشاہیر گذرے ہیں وہ شخصیت ہی کے تحت اثر پذیر
تھے حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد مصطفےٰ
علیہ السلام مہاراج کرشن بودھ شخص ہی تھے ان کی شخصیت کروڑوں کی جمہوریت پر
مؤثر ہے۔ سیکڑوں لوگ ان شخصیتوں کے تحت مذہبی احکام پر چل رہے ہیں اس سے
ثابت ہے کہ روحانی نظام زیادہ تر شخصیت پر چل رہا ہے۔ ایک ہی شخصیت لاکھوں اور
کروڑوں کو جذب کئے ہوئے ہے۔

روحانی معلومات گی تہ تو کوئی کمیٹی ہے اور نہ کوئی انجمن ہے ایک ہی شخصیت کے
زور پر کام چل رہا ہے الہام ایک ہی شخص کو ہوتا ہے اور ایک ہی شخص اسکی تبلیغ کرتا ہے
اور پھر لاکھوں اور کروڑوں افراد اسکے [illegible] سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے
کہ شخصیت میں کسقدر زور ہے اور قدرت شخص [illegible] سے کام لے رہی ہے بیشک ایک
جمہوریت شخصیت کا [illegible] اور مقدر کی [illegible] اس قدر مستند ایک شخصیت

کی کیفیت قبول کرلیتی ہے۔ دیکھتے نہیں ہو۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ محمد۔ علیہ السلام اور مہاراج کرشن جی اور بودھ مہاتما کی شخصیتیں کسطرح جمہور پر اثر ڈال رہی ہیں اور کس طرح لاکھوں ہستیاں اِن شخصیتوں کے تحت چل رہی ہیں کیا کسی جمہوریت کو باعتبار تاثرات کے ایسی شخصیتوں کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے اور کیا جمہوریت بھی ایسا دعوےٰ کرسکتی ہے اِس سے بوجہ احسن ثابت ہے کہ اس کائنات میں شخصیتوں نے جسقدر کام دیا ہے اسقدر جمہوریت نے نہیں دیا۔

گو ایسی ممتاز شخصیتیں جمہور ہی میں سے ہوتی ہیں مگر اُنکا جمہور پر جو اثر ہوتا ہے وہ اُن ہی سے وابستہ ہوتا ہے نہ صرف روحانیات میں ہی بلکہ معاشری امور میں بھی شخصیت غالب رہتی ہے اسوقت تک دنیا میں جسقدر علوم وفنون شہرت اور عمل پذیر ہیں اُن سب کی اشاعت اور تکوین وتدوین کا سہرا بھی شخصیتوں سے ہی مختص ہے بڑے بڑے فلاسفر اور حکیم جو دنیا میں وقتاً نوقتاً گذرتے رہے ہیں وہ سب شخص ہی تھے گو وہ جمہوریت کے ممتاز افراد تھے مگر ایک شخصیت کے تابع الخبیر ممتاز شخصیتوں سے جسقدر کام لیا گیا اور جسقدر وہ اس کائنات کے حق میں مفید ثابت ہوئیں اسقدر جمہوریت نے کب کام دیا اور دوسرے الفاظ میں یہ کہ اگر جمہوریت کی ضرورت اور افادت کی بنیاد ڈالی تو ایسی شخصیتوں ہی نے ڈالی اگر ایسی شخصیتیں نہ ہوتیں تو جمہوریت بھی وجود پذیر نہ ہوتی۔

وہی جمہوریت شہرت پذیر ہوتی ہے جس کی سلک میں ممتاز شخصیتیں منسلک ہوں جو جمہوریت ممتاز افراد سے خالی ہوتی ہے وہ امتیاز ہی نہیں پاتی۔ دنیا میں اسوقت شخصی حکومتوں کے مقابلہ میں جمہوری حکومتوں کو زیادہ تر مفید سمجھا جاتا ہے اور ہر مقام اس امر کا خواہاں ہے کہ اُسکی قومی حکومت جمہوری رنگ میں منتقل ہوجائے آج تک جسقدر حکومتوں کا مختلف رنگوں میں تجربہ ہوچکا ہے اگر اس سے جمہوری حکومت کا رنگ خوشنما معلوم ہوتا ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایسی جمہوریت میں شخصیت بھی ہوتی ہے یا نہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمہوریت میں بھی شخصیت موجود ہوتی ہے امریکہ اور فرانس میں جمہوری حکومتیں ہیں۔ کیا باوجود جمہوریت کے ان ملکوں یا ان حکومتوں میں شخصیت

نہیں ہوتی پریسیڈنٹ کی ذات بھی ایک شخصیت ہی ہوتی ہے۔

اگرچہ جمہوریت میں چند شخصیتیں کام کرتی ہیں اور اُنکے نظام کو جمہوری کہا جاتا ہے مگر پھر بھی شخصیت موجود ہوتی ہے جب تک مختلف شخصیتیں کام نہ کریں نظام جمہوریت نہیں چل سکتا۔

نظام جمہوریت اُسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب اُسکے افراد ممتاز اور معتبر ہوں جمہوریت کیا ہے مختلف شخصیتوں کا ایک ممتاز اور خاص مجموعہ۔

ہر جمہوریت باوجود جمہوریت کے بھی شخصی رنگ رکھتی ہے اور وہی رنگ اس پر غالب ہوتا ہے انسانی کائنات دو صیغے رکھتی ہے۔

(الف) روحانی صیغہ

(ب) سیاسی صیغہ

روحانی صیغہ کا نظام قطعاً شخصی رنگ رکھتی ہے اس میں ممتاز شخصیتیں کام دیتی ہیں گو اُنکی اجتماعی صورت ایک جمہوری رنگ بھی رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی اُس میں شخصیت غالب ہوتی ہے ہر جداگانہ شخصیت ایک ابتدائی شخصیت کے تابع ہو کر چلتی ہے اور بغیر اسکے کوئی نظام روحانی ثابت اور قائم نہیں رہ سکتا اِس سے یہ بات بوجہ احسن ثابت ہے کہ شخصیت کسقدر عظمت اور قدرت رکھتی ہے سیاسی صیغہ شروع شروع میں زیادہ تر شخصی ہی تھا رفتہ رفتہ جمہوریت کی بنیاد پڑی ہے اور یہ بنیاد بھی بعض روحانی شخصیتوں کی بدولت رکھی گئی ہے روحانی رنگ میں بھی ایک جمہوریت ہوتی ہے جو سیاسی جمہوریت کو بھی محتوی ہوتی ہے۔

اسلام جمہوریت کا حامی ہے مگر شخصیت کو قائم رکھکر اور شخصیت کا قیام اسلامی نقطہ خیال سے درجہ بندیوں کے تحت وجود پذیر ہوتا ہے بمصداق فضلنا بعضکم علی بعض وہ جمہوریت مکمل نہیں کہی جاسکتی جس میں درجہ بندیوں کا اعتماد اُٹھا دیا جاتا ہے کیونکہ اسلامی روحانیت کا مدار شخصی رنگ میں زیادہ تر ایک ممتاز شخصیت پر موقوف ہے اسلام میں ممتاز شخصیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے یہ ممتاز شخصیت

مان کر اُسکے تحت جمہوریت کی بنیاد رکھی جاتی ہے جو جمہوریت اس شخصیت ممتاز سے باہر
جاتی ہے وہ کوئی اعتماد اور عظمت نہیں رکھتی اور نہ اسکی کوئی قیمت تشخیص کی جاسکتی
ہے دیکھو اسوقت رسولِ کریم صلعم کی ممتاز شخصیت کسقدر عالمگیر اثر رکھتی ہے باوجودیکہ
مسلمانوں میں بہت سے فرقے بھی ہیں مگر پھر بھی یہ شخصیت اُن سب کی جامع ہے۔

اسی طرح دوسرے مذاہب کی ممتاز شخصیتیں بھی اپنے اپنے رنگ میں ایک ہمہ گیر
رنگ رکھتی ہیں جو لوگ سیاسی جمہوریت کے رنگ میں رنگے جاکر ممتاز شخصیتوں سے انکار
کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں روحانی ممتاز شخصیتوں کی ضرورت عظمت اور عالمگیر اثر سے انکار کرنا
قدرت کی ایک واجبی نظام سے انکار کرنا ہے خود انسان کی فطرت اسپر شاہد ہے کہ۔

"روحانی ممتاز شخصیتیں واجب التعظیم ہیں۔

"اُنکی واقعی ضرورت ہے۔

"اُن کی تصدیق کے بغیر نظام عالم درست نہیں چل سکتا۔ روحانی ممتاز شخصیتوں
کے تحت مذاہب کی بنیاد پڑتی ہے یا مذہبی فلسفہ کی جو لوگ مذہبی فلسفہ یا ضرورت مذہب سے
لاپرواہ ہیں انھیں چاہیئے کہ صدق دل سے ایسی ممتاز شخصیتوں کا مطالعہ کریں اور اپنی
فطرت سے پوچھیں کہ ایسی شخصیتوں کی کہاں تک ضرورت ہے مذہب کی انسان کو ایسی ہی
ضرورت ہے جیسے زندگی کے اور مایحتاج کی۔

مذہب کی ضرورت کے ثبوت کے واسطے ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اسبات پر غور کریں کہ اگر
سیاسی اور تمدنی معاملات کے واسطے کسی قانون کی ضرورت ہے تو روحانی معاملات کے واسطے بھی کسی
قانون کی ضرورت ہے اور ہر قانون کسی نہ کسی شخصیت کے تحت نظام مرتب ہوتا اور اشاعت پاتا ہے
یہ اصول ثابت کرتا ہے کہ روحانی شخصیتوں کی بھی ضرورت ہے جو ایسا قانون پیش کریں۔

اگر خدا ہے اور ضرور ہے تو لازمی ہے کہ جسطرح اُسنے ہمیں وجدانی اور جسمانی طاقتیں
بخش رکھی ہیں اُسی طرح قانون بھی دونوں رنگ میں عطا کرے۔ جو لوگ ایسی روحانی ممتاز
شخصیتوں کے اتباع کو اپنی عقل [illegible] کے منافی یا ایک زائد امر سمجھتے ہیں اُنھیں معاشری
نظام پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ کیا اس نظام میں بھی مشاہیر اور خواص کی ضرورت

نہیں ہے روحانی اصطلاحات میں ایسے مشاہیر کا نام بالفاظ دیگر رسول یا نبی اور اوتار رکھا گیا ہے۔ افسوس ہے بعض لوگ بادشاہ اور سلطان یا حاکم اور پریزیڈنٹ کے وجود سے تو سیاسیات میں انکار نہیں کرتے لیکن روحانی نظام میں نبیوں اور رسولوں سے انکار کرتے ہیں۔

اگر اس سلسلہ میں بعض شخصیتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں ایسے لوگوں یا ایسی ممتاز شخصیتوں کا انکار کیا جائے حالانکہ ہماری فطرت صحیحہ زیادہ تر اسی صیغہ کی بابت زور دیتی ہے اور یہ سلسلہ یا یہ نظام ایک دائمی نظام ہے اور اسی نظام کے تحت دوسرا نظام بھی مستحسن ثابت ہو سکتا ہے۔

ممتاز شخصیتیں جو روحانی رنگ رکھتی ہیں ہر حالت میں واجب التعظیم ہیں اور ہم اُنکے اتباع کے بغیر زندگی کے کمال سے محروم رہ سکتے ہیں۔

مقبول شخصیت ہماری مقبولیت کا ذریعہ ہے اور ہمارا فخر۔

سلطان احمد

برکاتِ عزم

سادگی پر اُسکی مرجانے کی حسرت دلمیں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

عبرت کدۂ جہاں میں ارباب بصیرت کے لئے صدہا متنوع واقعات و سوانح رنگا رنگ شکلوں میں بروئے کار آتے رہتے ہیں۔ اور فراست کوش دماغ کی دوربیں شعاعیں ادنی اور ارذل چیزوں پر بھی جب پڑتی ہیں تو ایک نہ ایک اہمیت خیز نتیجہ نکال لیتی ہیں۔ اس عجوبہ زار عالم کی نیرنگ نواز گلکاریاں دیدنی ہیں کہ ایک ہی صدف کے دو موتی اور ایک ہی چمن کے دو پھول مختلف کیفیت سے متاثر ہو کر حالتِ تضاد میں کھلتے اور روزِ روشن کے متباین کرشمے دکھاتے نظر آتے ہیں۔ ایک کسی پری تمثال مہوش کا آویزۂ گوش بنتا ہے دوسرا دوائے مجذوم۔ ایک پھول ساعدِ سیمیں کی برق پاش دلاویزیوں میں کھیلتا ہوا گلوں نازکی جاں ستانیوں پر نثار ہوتا ہے اور دوسرا کسی حرماں نصیب کے مزار پر۔

ایک ہی باپ کے دو بیٹے شجاع اور عالمگیر۔ اگر عالمگیر کے فرق عظمت پر ہندوستانی شہنشاہی کا چتر سایہ افگن نظر آتا ہے تو شجاع ارکان کے دور دراز اقطاع میں غریقِ لجۂ مصائب ہو کر دم توڑ دیتا ہے پیر فلک نے صدہا اس آب و رنگ کی کرشمہ نمائیاں اس دہر کہن میں مشاہدہ کی ہیں کہ گدا تاجدار بنگئے اور تاجدار گدا قصر و ایواں کھنڈرات ہوگئے اور کھنڈرات قصر و ایواں۔ وہ ایوان خسرو جسکی محرابِ طیسفوں ایک دلدوز یادگار ہے کبھی چالیس ہزار نقرئی ستونوں پر نصب تھا۔ اور ہر ستون اپنی ہیئت و شباہت میں دوسرے سے مختلف تھا۔ ایک ہزار سونیکے لیمپ در نافوس چھت میں آویزاں تھے۔ اور مختلف سمتوں میں ہر وقت متحرک رہتے تھے یہ حیرت انگیز نظارہ دراصل نظام شمسی کو متشکل کر رہا تھا محل کے کمروں اور دیواروں میں تیس ہزار اقسام کے گوناگوں زردوزی کے پردے آرایش و زینت کا تمام سامان بنے ہوئے تھے۔ کیخسرو کا قصر ۳ ہزار مغنیات خوش شمائل اور سو ابنار پر نوخیز کنیزوں سے آباد تھا۔ اور سیناز مینا ان مد جال اسکی وسیع سلطنت سے جستجو کے بعد

منتخب کی گئی تھیں۔ ۲ ہزار نوکر دروازے پر پہرہ دیا کرتے تھے اور ۹۵ ہاتھیوں کے کھانے کا مزید برآں
معقول انتظام کیا جاتا تھا۔ خسرو کے عہد میں طیسفون کا آفتاب اقبال خط استوا سے گذر رہا تھا۔ مگر آج
نہ خسرو ہی ہے نہ وہ ایوان خسرو! حسرت کھڑی آنسو بہا رہی ہے۔ کہیں کہیں کھنڈرات کے نشانات کے
سوا کچھ نظر نہیں آتا؟

اب عہد عباسیہ پر نظر ڈالو! قصر الشجر دجلہ کے کنارے اُس زمانے میں ایک عجوبۂ روزگار باغ تھا
جسے دیکھ کر شاہانِ ارض دنگ رہ جاتے تھے سو ہزار مربع گز کے خوبصورت قطعۂ زمین پر دریا سے
[illegible] چمن میں دو دو تین تین گز
[illegible] جواہرات کے لگائے گئے
تھے جو اس کثرت سے تھے کہ جب نظر پڑتی تھی تو ان پھولوں ہی پر پھیلنے لگتی تھی۔ درختوں پر جا بجا زمرد
اور دیگر جواہرات کے خوبصورت پرندے بٹھائے گئے تھے۔ وسط میں سریرِ خلافت نصب تھا جس پر جلوۂ اعلیٰ
اور [illegible] قطع درخت سایہ کئے ہوئے تھے اور اُن درختوں کے اوپر کمخواب کا ایک پر تکلف شامیانہ
تنا ہوا تھا جس کی چوبیں طلائی تھیں

یہی چمن تھا جس میں خلفائے بغداد نے فرانس کے سفیروں اور دنیا کے تاجداروں کے ایلچیوں
سے ملاقات کی تھی۔ اور وہ یہ حیرت ناک سماں دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے تھے جن کے بیانات آج
تک پریوں کے افسانوں کی طرح پڑھے جاتے ہیں۔ صدہا نازنینانِ مہ وش اور مہ جبینانِ حور تمثال زرق
لباس پہنے چمن میں پھیلی رہتی تھیں۔ اور درختوں کے آس پاس ٹہلا کرتی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ
جنتِ آسمانی میں حوریں مصروفِ خرام ہیں۔ آفتاب کی سحر ساز کرنیں اس چمن میں آگ سی لگا دیتی
تھیں اور پھول پتوں سے شعلے اُٹھتے ہوئے محسوس ہوتے تھے لیکن زمانے کی دستبرد نے اُسکے
باغیوں کے ساتھ اسکا نشان بھی مٹا دیا۔ اور وہ شہر جس پر زمانے کی خوبیاں ناز کرتی تھیں۔ آج
[illegible] کدۂ یاس کا منظرِ عبرت بنا ہوا ہے!

اگر عقل کی آنکھ سے دیکھیں۔ عبرت کی نظریں ڈالیں! تو دنیا کی ہزار ہا ولولہ خیز حیرت فزا منظر
ہمارے لئے سامانِ نصیحت و عبرت پیدا کر رہے ہیں۔ مگر کون ہے جو اُن حقایق پر غور کرتا ہے!

رہنا اسکو خائف نہیں کرتا۔ اور جو تم بالشان فتوحات سے سرزمین اسپین کو منتہائے حد تک لے لیتا ہے لیکن نیرنگیٔ فلک مشاہد ہو کہ یہی جہاں فروش دلاور خلیفہ کی ایک جنبش ابرو کا معتوب ہو کر رہ جاتا ہے اور نہ جرنیلی رہتی ہے نہ وہ وقار۔

وسیع سلطنت ہند کا تاجدار اعظم شاہجہاں ۸ برس مصائب اسیری جھیلکر راہی عدم ہوتا ہے امیران کابل۔ ترکستان اور ہندوستان کا فاتح اور ایشیائی نپولین نادرشاہ خود اپنی رعایا کی تلواروں پر آخری سانس لیتا ہے۔ دارا جیسا شہریار خاک و خون میں لتھڑا ہوا فرشتۂ اجل کو لبیک کہتا ہے۔ ملکہ میری فرمانروائے اسکاٹ لینڈ ۱۹ برس الزبتھ کی حکمرانہ بیدادگریوں میں مبتلا رہکر خانہ نشین تابوت مرگ ہوتی ہے۔ معتصم باللہ خلیفہ بغداد دو پتھروں کے درمیان رکھکر حسرت کے ساتھ کچل دیا جاتا ہے۔ بنگال پر جاہ و جلال کے ساتھ قلمرانی کرنے والا۔ اکبری فوج کے سپہ سالاروں اور جنرلوں کو شکست پر شکست دیکر برسوں حیران اور مضطرب رکھنے والا داؤد خاں اس عبرت سے قتل کیا گیا کہ دلدل میں پھنس جانے پر گرفتار اور جلاد کے دو ہاتھ مارنے پر بھی تر نہ ہونے کے باعث آخر نہایت خونبار بہ زخم ظلم سے تاکر ذبح کر ڈالا گیا اور پھر سر میں بھس بھرا جاکر خدمت اکبری میں روانہ ہوا عالمگیری عہد کا شجاع ترین جنرل دکن کا مشہور صوبہ دار اور جہاندار شاہ کے لال کنور کسبی کے عشق میں امور سلطنت سے غفلت آگیں اور بے پرواہ ہونے کے عہد میں وزارت کی اہم خدمات انجام دینے والا نادر روزگار مدبر۔ دلیر اور اولو العزم نواب ذوالفقار خاں فرخ سیر کے مسخ ہاتھوں سے اس طرح قتل ہوتا ہے کہ (۱۷۱۳ء) کہ جہاندار شاہ کی نعش ہاتھی کے اوپر رکھی جاتی ہے اور نواب ذوالفقار خاں کی نعش دم میں لٹکائی جاتی ہے اور تمام شہر کے کوچہ و بازاروں میں تشہیر ہو جانے کے بعد یہ دونوں بصیرت افزا نعشیں دروازے کے باہر انتہائی ذلت کے ساتھ ڈالدی جاتی ہیں اور ایک دنیا کو بے ثباتی عالم کا وعظ زبان حال سے دے دے کر بیدار کرنے لگتی ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو ان حقایق جگر دوز پر نگاہ عبرت ڈالتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم آج ایک عجیب بصیرت افروز تذکرہ بغرض ان صفحات پر ثبت کرنا چاہتے ہیں جس میں ارباب خرد کے لئے بہت کچھ وجہ عبرت و موعظت نہاں و مخفی ہے۔

مگدھ دیس میں ایک نندا خاندان بھی حکمراں رہا ہے جس میں یکے بعد دیگرے نو راجہ گدی نشین ہوئے سکندر اعظم کے ہند پر حملہ آور ہونے اور پورس کو شکست دینے کے وقت اس سلسلہ کا نواں اور آخری

راجہ حکومت کرتا تھا جسکا نام مہانند تھا۔

مہانند نے ایک شودری (نائن) ڈال لی تھی۔ اس نائن کے بطن سے مگر مہانند کے سوا کسی دیگر شخص کے ذریعہ ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام چندر گپت قرار دیا گیا۔ یہی وجہ صحیح ہے کہ بعض مورخین نے اسکو مہانند کا ناجائز بیٹا لکھا ہے گو مہانند کے نو اور بیٹے تھے مگر دسواں بیٹا چندر گپت بھی شہزادوں اور راج کنوروں کی سطح اقتدار رکھتا تھا اور فطرتاً نہایت ذہین اور اولوالعزم بھی تھا اُسنے چاہا کہ کسی طرح گدی مجکو مل سکے لیکن اس خیال کو دماغی گذرگاہوں میں غایت درجہ احتیاط کے ساتھ مستور و محتجب رکھا اور اک مددگار و رازدار کی تلاش و جستجو میں سرگرم رہا جس نے اتفاق سے ایک دن چندر گپت نے ایک ادنی ذات کے عیالدار غریب شخص کو عجیب تحیر انگیز کشمکش و سعی میں نہایت انہماک کے ساتھ مصروف و مشغول دیکھا کہ وہ اک جڑے درخت کے ہوئے سرکنڈے کی جڑ کو جڑ زمین سے کسی قدر [illegible] تھی [illegible] اور جوار کھود رہا ہے سرکنڈے کی جڑ نہایت گہری [illegible] ہوتی ہے [illegible] خوب گہری کھود کر جڑ نہ نکال دی جائے باوجود کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کے درخت اس جگہ سے نیست و نابود نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس غریب شخص کو جڑ کھود کر باہر نکال پھینک دینے اور جلا ڈالنے میں سخت جفاکشی اور محنت کا متحمل ہونا پڑا۔ چندر گپت نے حیرت و استعجاب سے اس کد و کاوش کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگا۔ میں اپنی راہ چلا آ رہا تھا کہ اس سرکنڈے کی اُبھری ہوئی کھونٹی سے میرے پاؤں میں ٹھوکر لگی لہذا جب تک اسکو نیست و نابود نہ کر لیتا اسوقت تک مجھکو چین کہاں آ سکتا تھا۔ اور میں بھلا کیسے کوئی دوسرا کام کر سکتا تھا۔ چندر گپت بیحد خوش ہوا اور سمجھ لیا کہ اس سے بڑھکر اور بہتر صاحب عزم اور بلند ارادہ میسر نہیں ہو سکتا چنانچہ چندر گپت نے اُسی دن اُس شخص کو جسکا نام چانک یا چانکیہ تھا اپنا دوست و یار بنایا اور بتدریج رسوخ و تعلق کو ناقابل انفکاک اور شگفتگی کر کے محبت کی آگ بھڑکانی شروع کی اور جب بے تکلفی انتہا کو پہونچ گئی تو راز دلی کا اظہار کر دیا۔ اور اسی دوران میں ایسی تدابیر کیں کہ راجہ نند نے اپنے ہاتھ سے چانکیہ کو ضرر پہونچا دیا۔ چانکیہ نے چندر گپت سے وعدہ اور اپنے دلمیں عزم راسخ کر لیا کہ اب تو نند کی حکومت کو برباد کر کے دم لونگا۔ اور یہی چندر گپت کا منشا و مقصد تھا۔ چانکیہ مگدھ سے چندر گپت کو لیکر فرار ہوا۔ پنجاب پہونچا۔ وہاں کے راجہ سے رسوخ پیدا کیا۔ اسکو نند کے اوپر یورش آرائی کو آمادہ کیا تو اُڑا جنگ کا مہتمم اور نند کی ہزیمت و شکست کا ذمہ دار اعلےٰ بنا۔ ادھر نند کے ارکین

اور امرا ذی مرتبت کو عجوبہ خیز اور غرابت انگیز تدابیر و جاں کاہیوں سے نند کا مخالف و معاند کیا۔
اور حیرت انگیز طور سے تمام نند خاندان کو قتل و غارت کرکے مگدھ کا چندر گپت کو مہاراجہ بنا دیا جسنے
۳۱۵ قبل عیسوی میں سریر آرائے سلطنت ہوکر چوبیس برس انتہائی عروج و اقبال اور غایت
جاہ و جلال سے حکمرانی کی۔ اور قریب قریب تمام ارضِ ہند پر اپنی صولت و حکومت کا ڈنکہ بجاکر
نقاب پوشِ فنا ہوا۔ اسیکا پوتا اشوک تھا جسکی شہرت و عظمت کی ہوائیں دور دراز ممالک
تک چل رہی تھیں۔

در اصل عزم و استقلال ایک [illegible] کمال پر چمکتے ہیں۔ مشہور [illegible]
[illegible] کانفرنس میں اپنی اسپیچ دیکر [illegible] بیٹھتے لوٹنے لگے [illegible]
[illegible]
[illegible] استقلال ہاتھ سے نہ دی۔ ہمت ہاری
دل شکستہ ہوئے اور [illegible] فصاحت و تقریر کی شہرت پر لگا کر اڑنے لگی [illegible]
[illegible] حصولِ مقاصد و کامیابی کے لئے [illegible]
کی اسدرجہ احتیاج نہیں جتنی کہ عزم و استقلال [illegible] کی جانے کی [illegible] اسلئے کہا
جاسکتا ہے کہ ہمت و استقلال جملہ انسانی قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ بلکہ انسان نام ہی ہمت و استقلال
کا ہے یہی قوا کو تحریک میں لاتا ہے۔ کوششوں میں اسی سے جان پڑتی ہے۔

کوتاہ نظر اصحاب جبر و اختیار کے مسئلہ میں جو چاہیں لکھیں مگر تجربہ بتا رہا ہے کہ انسان نیک
و بد کے اختیار کرنے اور برائی بھلائی کے انتخاب میں مختار کل کیا گیا ہے وہ تنکے کی طرح دریا میں بہا
نہیں چلا جاتا۔ بلکہ وہ خود کو ایک تیراک جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ موجوں سے لڑکر ساحل تک پہونچ سکیگا اور
اور کامیابی یقینی ہے حیاتِ انسانی کا تمام کارخانہ اسی خیال پر قائم ہے کہ وہ آزاد ہے اور حسب
پسند سب کچھ کر سکتا ہے ورنہ کیسا جرم۔ کس کی جواب دہی۔ کہاں کا قصور!! وعظ و پند بیکار۔
درستی اخلاق اور اصلاحِ ضمیر کی سعی لاحاصل! ہمارا کانشنس و قوتِ ممیزہ آواز پکار پکار کر کہتی ہے
کہ تم آزاد ہو تم آزاد ہو۔ اگر عزم راسخ ہو۔ ارادہ بلند ہو تو کونسا کام ہے جو نہیں ہو سکتا۔
بعض مساحت نواز اپنے تئیں واژون بخت سمجھ لیا کرتے ہیں اور اکثر کہا کرتے ہیں کہ فلک سفلہ پرور

ہمارا معاند ہے اگر سونے کو ہاتھ لگائیں تو مٹی ہو جائے لیکن اس نوعیت کے نتائج اپنی فضول خرچی سوء انتظامی اور غفلت کا خمیازہ ہوا کرتے ہیں ورنہ قدرتِ فیاض اور ہر انسان علیٰ قدر ظرف اس سے مستفید ہوتا ہے، اگر مہر ویرانہ و آبادی کیے ہست۔ دیکھو ایک صحرا و دشت میں ہر قسم کی چیزیں منتشر پڑی ہیں۔ شیشہ کے ٹکڑے پتے۔ لکڑی۔ ریت۔ مگر شیشے کو دیکھو کہ آفتاب عالمتاب کی شعاعیں پڑتے ہی جگمگا اٹھتا ہے۔ اور خود سراپا نور علیٰ نور کے قالب میں ڈھلکر اِرد گرد کی افتادہ اشیاء کو بھی مستنیر کر دیتا ہے۔ لیکن گو خورشید تاباں۔ لکڑی و پتوں پر بھی منعکس ہوتا ہے مگر وہ عالم نہیں نکلتا۔ لیکن جس طرح ایک قابل بڑھئی کی کوشش سے لکڑی استعداد چکنی اور چمکیلی ہو سکتی ہے کہ قوتِ انعکاس سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ اسی طرح انسان تربیت پا اپنی ہمت و استقلال سے ترقی کی راہیں کھول سکتا ہے۔

جس نوعیت سے علم و دولت ایک طرح کی طاقت اور زور ہے۔ اسی طرح ہمت و عزم بھی ایک خاص قوت ہے۔ دماغ بغیر دل کے۔ چالاکی بغیر نیکی کے۔ ذہانت بغیر راست کرداری کے علم بغیر تربیت کے دولت بغیر عقل کے لاریب دبے شبہہ ایک قسم کی قوتیں ہیں لیکن صرف ضرر پہونچانے والی ایسے صحاب کی باتوں سے گو ہم ہنگامی خوش ہو سکتے ہیں۔ لیکن اُنکی توصیف و تمدیح کرنا اسی قدر دشوار و محال ہے جتنا کہ مکار چور اور ڈاکو کی کامیابی اور حصولِ مقاصد کے لئے باقاعدگی اور عزم راسخ شرط اولیں ہے۔ عمدگی اور ترتیب کے ساتھ رکھنے والا ایک بکس میں دُگنی چیزیں رکھ سکتا ہے اسیطرح اصول و نظام سے ہر کام اعلیٰ اور افزوں ہوتا ہے۔

اکثر کام نہایت اہم اور مشکل ہو کر ناممکن نظر آتے ہیں۔ مگر اولوالعزم اور باہمت ہستیاں فوق العادت طریق سے اُنکو انجام پہونچاتی ہیں۔ سرجان گلبرٹ نے بن جیٹ نامی ٹیلہ پر سڑک بنانا چاہی تو لوگوں نے خوب قہقہے لگائے ہنسی اُڑائی کہ اُسنے اس ناممکن کام کا ارادہ کیا ہے جو سلاطین زِقت سے بھی نہوا۔ لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔ عنانِ عزم نہ چھوڑی اور ۱۲ ہزار مزدور لگا کر سڑک حیرت انگیز طور پر تیار کرالی۔ دیکھنے والے حیران رہگئے اور جادو کا کارخانہ نظر آنے لگا۔ زبیدہ خاتون نے ریگستان عرب میں جہاں کہ ہزاروں کوس تک بے آب و گیاہ میدان ہیں بادِ سموم چلتی ہے۔ ریت کے پہاڑ اڑتے پھرتے ہیں اور کسی طرح کشادِ کار کی امید نہیں۔

حجاج کے آرام و آسائش کے لئے بہزار دقت دشواری نہر نکلوا دی۔ جبکہ انجنیروں نے نہر نکلنا
سخت صرفہ اور جانکاہی کا سبب قرار دیا تو باہمت و عزم زبیدہ نے کہا کہ اک اک پھاوڑہ کی ایک ایک اشرفی
دوں گی مگر نہر ضرور نکلیگی۔ چنانچہ اس عزم و ہمت سے وہ کام جو کہ ناممکن متصور ہوتا تھا اختتام پذیر
ہو گیا۔ اور آجتک دنیا زبیدہ خاتون کی ہمت اور رفاہیت پر انگشت بدنداں رہی اور ہے۔

معمورۂ ارض پر کوئی کام ایسا نہیں جو استقلال اور ہمت سے نہو سکے۔ ہر شخص محنت و ارادہ
سے عروج پا سکتا ہے۔ امریکہ کی نازک مخلوق ہی کی اُلوالعزمانہ ترقیاں آج دنیا کو حیرت میں ڈالے
ہوئے ہیں جو معمولی اور ادنیٰ درجے سے اُٹھکر صرف عزم و استقلال کے فیوض و برکات سے
عروج و منزلت کے کنگرۂ عظمت پر فائز ہیں۔

زفائن جمیس اول اک معمار کے دفتر میں کلرک تھی مگر دیانت داری اور عزم و استقلال
سے آج کروڑوں کا ٹھیکہ لیتی ہے اور شہر نیویارک کی سر بفلک عمارتوں میں سے بیشتر اسکی ساختہ ہیں
مس ونز و آئسنز پہلے ایک کارخانہ میں سب سے ادنےٰ درجہ کی نوکر تھی اب امریکن اسکو ٹنگا کوکی شہزادی
کہتے ہیں اور اس شہر میں اسکے کئی عظیم الشان اور وسیع کارخانے ہیں اور اسوقت اسکی آمدنی
ساڑھے سات لاکھ ہے۔

مس ولعف یہ اول محض اک ایکٹریس کی حیثیت رکھتی تھی تھیٹر گاہوں کی شان
و شکوہ دیکھکر خیال آیا کہ میں بھی ایسے ہی خوبصورت اور وسیع ہال تعمیر کروں کسیکو گمان بھی نہ تھا کہ
کہ یہ لیڈی جو ناز و انداز اور عشوہ طرازی کے لئے وقف ہے اور جس کا کام دلوں
کو شکار اور جانوں کو بسمل کرنا ہے کسی روز اعلےٰ درجہ کی انجنیر بنے گی آج اسکی آمدنی
ساڑھے تین لاکھ ہے غرض اسی ہمت و عزم کے صدقے میں راک فیلر اور
کارینگی نے وسعت ذرایع پریزیڈنٹ فرانس اور روزویلٹ سے کم نہیں اور کچھ یہ مغربی اقوام ترقی
کے گر سے ایسی واقف ہوگئی ہیں کہ بچہ بچہ عورت عورت باوجود عیش و دولت کے محنت میں
مشغول و مصروف ہیں۔ چنانچہ جرمن میں ۲۵ لاکھ انگلستان میں چالیس لاکھ عورتیں صنعت
و حرفت میں منہمک ہیں اور ملک امریکہ میں دو لاکھ عورتیں خود اپنے قوت بازو سے عیش زندگی
اُٹھاتی ہیں جنمیں سے ۵۵۵ ایڈیٹری کے معزز ترین فرائض انجام دے رہی ہیں اور ۳۰۴۴ [illegible]

پرمتمکن و سرفراز ہیں۔

ابراہیم لنکن، مسٹر اسکوئتھ، نادر شاہ، تو فنشار، شیر شاہ سور، ٹوڈرمل اور خیام صرف ہمت و قابلیت ہی کے باعث آسمانِ عروج پر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے اور ترقی و رفعت کی بڑی بڑی منازل طے کیں۔ استقلال و عزم و ارادہ تو بھی منتخب عالم چیز ہے۔ بنے ہوئے کھیل بگڑے جاتے ہیں۔ ہمت جواب دیرہی ہے۔ آفتوں پر آفتیں اور مشکلوں پر مشکلیں پڑتی ہیں۔ دل بیٹھا جارہا ہے۔ یاس کی گھٹا چھا رہی ہے مگر آہ۔ تیری امداد تیری استعانت نے روح میں تازگی اور خون میں جوش پیدا کر دیا۔ اور ہمت ہارنے والا سنبھل بیٹھا اور جوش دلوں کو کام کرنیکا

فرانس کا مشہور فاتح نپولین بونا پارٹ کہا کرتا تھا کہ لفظ غیر ممکن بیوقوفوں کی لغت میں ہوتا ہے۔ ایکبار ایلپس پہاڑ اسکی فوج کی راہ میں آگیا سب ہمت ہار بیٹھے مگر اسنے نہایت لاپرواہی اور اولوالعزمی سے کہا کہ ایلپس پہاڑ ہمارے راستہ میں نہیں رہیگا۔ اور جب عزم و استقلال نے پیر اپنے قائم کر لئے تو دنیا نے دیکھ لیا اور [illegible] نے جان لیا کہ جسے غیر ممکن تھا وہ ممکن ہوگیا جو دل محال تھا وہ سہل ہو گیا اور آخر اسی راستہ اور اسی استقلال ہی کی بدولت آسٹریا کی فتح اسکو نصیب ہوئی

وہ شوکت آمد اور ہیبت طراز سلطنت ایران جس کے جلال و جبروت کی یہ کیفیت تھی کہ شہریار ایران خسرو نے ایک [illegible] میں دولت روما کے جبروت و سطوت کے پرخچے اڑا دیئے۔ ایشیائے کوچک انطاکیہ قیصریہ دمشق اور بیت المقدس فتح ہو گئے گرجاؤں میں آگ لگادی صلیب مسیحی مال غنیمت میں شامل کر کے ایران بھیج دی۔ پھر مصر و طرابلس کو مسخر کیا۔ اور دس سال تک ایرانی فوجیں ساحل باسفورس پر قسطنطنیہ کے سامنے ڈیرے ڈالے پڑی رہیں۔ اور جب قیصر روم ہرقلس نے مجبور ہوکر درخواست صلح کی تو نخوت آلود اور غرور آمیز جواب [illegible] ملا کہ جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا سے انکار کر کے آفتاب کی پرستش نہ کریگا اسکی التجا ہرگز قبول نہ کی جائیگی۔ بالآخر بصد دشواری و دقت ساڑھے سات سو من سونا اسیقدر چاندی۔ ایک ہزار خلعت ہائے فاخرہ۔ ایک ہزار عربی گھوڑے اور ایکہزار صاحب جمال دوشیزہ لڑکیاں صلح کا معاوضہ قرار پائیں۔ اور خسرو فاتح و غانم لوٹا۔

لیکن اسی عزم و استقلال سے کام لیکر ہرقل نے کچھ مدت بعد نہ صرف وہ ملک جو اس سے چھینا تھا واپس [illegible] بلکہ [illegible] پر چڑھائی کرکے وہ جنگ کا [illegible] کے جنگ کے لحاظ سے دولت روما کا زبردست ترین

ڈالیں مگر کرکے چھوڑا۔ پورا کرکے ہٹے ؏

لیکن آہ! اسدن ہماری غفلتوں سے ہماری پست حوصلگیوں سے ہمارے چمن اجڑ رہے ہیں ہمارے دن رات سو رہے ہیں۔ پھول کھل کھل کر مرجھا جاتے ہیں۔ لہریں اٹھ اٹھ کر مٹ جاتی ہیں۔ کیا کچھ ہو گیا۔ اور کیا کچھ نہ ہوگا۔ مگر ہم ہیں کہ صرف اس خیال پر جیتے ہیں محض اس امید پر زندہ ہیں کہ دنیا میں اپنی کم ہمتیوں سے کھویا غریب قسمت سے جیسی بھی گزری ہو لیکن عقبیٰ میں جنت نصیب ہوگی۔ عیش ملیگا۔ مسلمانوں نے بدنصیب مسلمانوں نے کیا کچھ نہ کھو دیا۔ وہی اسپین جسکے جبروت نے یورپ کو برسوں رعشہ براندام رکھا۔ آج پامال حسرت ہے! وہ ایران جسکی خاک سے کیانی و دیلمی اٹھے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر رہگیا۔ مراکش جسکے تخت و تاج کی صولت نے انگلستان کے تاجداروں سے بارہا اظہار عجز کرایا۔ وہ فرانس کی ملک گیری کا شکار ہوا!! کہاں تک [illegible] تباہ و برباد! دنیا کا وہ کون سا حصہ تھا جہاں مسلمانوں کے تخت نہ بچھائے گئے! مگر آج وہ دن ہے کہ اسلامی عظمت و سطوت کے چراغ ٹمٹما ٹمٹما کر گل ہو رہے ہیں۔ ہمارے [illegible] تاج کے بڑے بڑے خوش آب گوہر ٹوٹ چکے اور ٹوٹتے جاتے ہیں سلطنتیں جا چکیں! علم و فضل [illegible] دولت و ثروت [illegible] رہی سہی کچھ عزت و وقعت کی جھلک رہ گئی تھی۔ وہ بھی ستارۂ سحری کی طرح مدھم پڑتی جاتی ہے!

دیکھئے آیندہ کیا ہوتا ہے؟ صیاد نے جا بجا دام بچھا رکھے ہیں! ہر جگہ اسیری کی تیاریاں ہیں! ہر طرف سے تیرہ و تار گھٹائیں جھومتی چلی آرہی ہیں! [illegible] دیکھتے ہیں۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ہم میں آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔

[illegible] قفس کے بند ہیں
دیکھئے [illegible] منظور ہے صیاد کو

شریف احمد [illegible]

ضروری گذارش

تمدن [illegible]

[illegible]

[illegible]

ابیات المعانی

عرب شعراء کے کلام اور جاہلیت عرب کی تاریخ میں بہت سے ایسے اشعار ملینگے جو بلحاظ معنی بہت دقیق ہونگے اور ان کا مطلب آسانی سے سمجھ میں نہ آئیگا، علماء علم ادب اس قسم کے اشعار کو ابیات المعانی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں قدماء نے ایسے اشعار کے جمع و تدوین، اُنکے معانی کی شرح، اور ان کے پیچیدہ الفاظ کی تشریح کرنیمیں بیحد اہتمام کیا تھا اور بہت سی کتابیں تالیف و تصنیف کی تھیں، لیکن زمانہ کے انقلاب نے ان تصانیف کو ضائع کر دیا اور سوقت ایسی تصانیف اور اشعار کا ذخیرہ بہت کم ہے ذیل میں ہم بعض ایسے ہی اشعار اور اُنکے متعلقہ واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو کتب لغت اور بعض قدیم تاریخوں سے ماخوذ ہیں"

تاج العروس کے مصنف نے کسی محاورہ کی مثال میں حسب ذیل شعر ایک موقع پر لکھا ہے۔

فوردت مثل الیمانی الھزھاز　　تدفع عن اعناقھا بالاعجاز

وہ سب اونٹنیاں ایک ایسی جھیل پر پانی پینے کے لئے اُتریں جو مثل چمکدار یمنی تلوار کے تھا اور ان اونٹنیوں کی صفت یہ تھی کہ وہ اپنے سرینوں کے ذریعہ سے گردنوں کی مدافعت کرتی تھیں۔

شعر کا پہلا مصرعہ بالکل صاف ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ جھیل شفاف ہونے کے لحاظ سے اُس تلوار کے مشابہ تھی جو صیقل کی گئی ہو لیکن دوسرا مصرعہ مغلق ہے دیر تک غور کرنے پر جب دوسرے مصرعہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو اپنے محترم استاد سے دریافت کیا آپنے فرمایا کہ بذریعہ سرین کے گردنوں کی مدافعت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُن اونٹنیوں کے تھن دودھ سے بھرے ہیں شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جب اُس کے یہاں کوئی مہمان آتا تو ان اونٹنیوں کا دودھ اسکی ضیافت کیلئے کافی ہوجاتا تھا اور کسی اونٹنی کے ذبح کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ استاد محترم نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شعر منجملہ اُن اشعار کے ہے جنکو ابیات المعانی کہتے ہیں۔

علاوہ ان اشعار کے جنکو ابیات المعانی سے تعبیر کیا جاتا ہے [illegible] ایسے اشعار بھی ہیں جنکو ابیات المعانی نہیں کہا جاسکتا اگرچہ وہ شعر کی قسم [illegible]

غالبًا ابیات العادات کا نام زیادہ مناسب ہے یہ اشعار ایسے ہیں کہ اُنکے لفظی معنی بالکل ظاہر ہیں لیکن انکی اصلی غرض اسوقت تک نہیں معلوم ہوسکتی جب تک کہ عرب جاہلیت کے عادات، خیالات، اور توہمات سے پوری واقفیت نہ ہو مثلاً (۱) مشہور عرب شاعرہ خنسا اپنے بھائی معاویہ کی مرثیہ میں کہتی ہے ؎

فلا و الله لا تسلاك نفسی لفاحشة اتيت ولا عقوق
ولكنی رايت الصبر خيرا من النعلين والراس الحليق

بخدا! تیرے اوپر نوحہ نہ کرنیکی وجہ یہ نہیں ہے کہ تو کسی بُری کام یا والدین کی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہو، بلکہ میں نے صبر کو سر منڈانے اور جوتہ مارنے پر ترجیح دی ہے۔

دونوں شعر صاف ہیں نہ تو انمیں کوئی ایسا غریب لفظ ہے جو سمجھ میں نہ آتا ہو معانی بھی بالکل واضح ہیں۔ اشکال جو پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ "نعلین" اور "راس حلیق" سے کیا مراد ہے؟ یہ عقدہ اسوقت بالکل حل ہوجاتا ہے جب ہمکو معلوم ہو کہ جاہلیت کے زمانے میں عرب عورتوں کے نوحہ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ غسل کرکے سر منڈواتی تھیں اور جوتوں سے اپنے چہروں کو پیٹتی تھیں خنساء کے مفہوم سے قریب ہی قریب، عبد مناف ابن ربع ہذلی کے حسب ذیل اشعار ہیں۔

ماذا يغير ابنتي ربع عويلهما لا ترقدان ولا بؤسى لمن رقدا
اذا تاوب نوح قامتا معه ضربا اليما بسبت يلعج الجلدا

ربع کی دونوں لڑکیوں کو نوحہ کرنے سے کیا نفع ہے وہ ذرا بھی نہیں سوتیں حالانکہ سونے میں طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی ہے جب نوحہ کرنیوالی عورتوں کی جماعت کوئی نکلتی ہے تو وہ اسکا ساتھ دیتی ہیں اور اظہار غم کیلئے اپنے جسم کو ایسے چمڑے سے مارتی ہیں جو انکے بدن کو سخت تکلیف پہونچاتا ہے۔

(۲) زہیر بن ابی سلمی کا یہ شعر بھی ابیات العادات ہی میں سے ہے ؎

ومن يعص اطراف الزجاج فانه يطيع العوالي ركبت كل لهذم

جس شخص نے نیزوں کے پچھلے حصوں کی اطاعت نہیں کی وہ اُن برچھوں سے راضی ہوگا جن میں تیز پھل لگے ہوئے ہیں۔

زجاج، جمع زُج بروزن فُعال جمع کرنج، اس شعر کی جسکا اصلاق اس وقت پر ہوتا ہے جو نیزے کے نچلے

صہ میں لگا ہوتا ہے، عالیہ نیزے کے اس آہنی حصے کو کہتے ہیں جسمیں اُسکا پھل نصب کیا
جاتا ہے، لہذم بفتح اول و ذال وسکون ثانی تیز پھل کو کہتے ہیں۔ اس شعر کا ظاہری
مطلب تو یہی ہے کہ جو شخص صلح سے انکار کریگا، وہ جنگ میں بہت ذلت اُٹھائیگا یا یہ کہ جو شخص
تھوڑا سا نقصان نہیں برداشت کریگا، اسکو بہت بڑا نقصان اُٹھانا پڑیگا۔ لیکن باوجود
اسکے، اس شعر میں اُس رسم کی طرف اشارہ ہے جو عربوں میں بوقت صلح برتی جاتی تھی
یعنی جب دونوں فریق میدان جنگ میں ملتے تھے تو ہر ایک اپنے نیزے کے پچھلے حصہ کو مخالف
کی طرف کردیتا تھا اور صلح کے متعلق گفتگو ہوتی تھی اگر دونوں صلح پر راضی ہوگئے تو خیر ورنہ ہر
فریق اپنے نیزوں کو ہٹا لیتا تھا اور پھر برچھیوں سے لڑتا تھا۔

(۳) نابغہ ذبیانی کہتا ہے ؎

فبت کانی ساورتنی ضئیلۃ — من الرقش فی انیابھا السم ناقع
یسھد من لیل التمام سلیمھا — لحلی النساء فی یدیہ قعاقع

میں نے اس بے چینی کی حالت میں رات کاٹی گویا مجھکو چتکبرے رنگ کی ناگن نے جسکے دانتوں میں
مہلک زہر تھا، کاٹ کھایا ہے، اُسکے کاٹے ہوئے کو تمام رات بوجہ ان زنانہ زیوروں کے جو
اسکے ہاتھوں میں بجتے رہتے ہیں، سونے کا موقع نہیں دیا جاتا۔

سلیم سے مراد یہاں وہ شخص ہے جس کو سانپ نے کاٹ کھایا ہو۔ عربوں کی عادت تھی کہ وہ
مارگزیدہ کو بجنے والے کچھ زیور پہنا دیا کرتے تھے تاکہ وہ سونے سے باز رہے اور سانپ کی سمیت
ان زیوروں کے اثر سے جسم میں نہ پھیلے، انکا اعتقاد تھا کہ ایسا کرنے سے زہر جسم میں اثر نہیں
کرتا اور آدمی بچ جاتا ہے۔ ایک دوسرے شاعر نے بھی اسی تخیل کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

فبت معنّی بالھموم کأننی — سلیم نفی عنہ الرقاد الجلاجل

میں نے ایسے غم میں رات گزاری گویا میں مارگزیدہ تھا جسکو جھانجھوں نے سونے نہیں دیا

اقوام عالم میں بعض توہمات ایسے بھی ہوتے ہیں جو مخصوص
نہیں ہوتے اور جو عادات و اعتقاد یا رسم و توہم ایک قوم میں پایا جاتا ہے بعض دوسری قوموں
میں بھی وہ بعینہ یا اُسکے قریب قریب پایا جاتا ہے، چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ سرگیتیا کے باشندوں

کی عادت یہ ہے کہ جب انکے یہاں کسی سانپ کو کاٹتا ہے، تو وہ لوگ اس آدمی کے پاس کوئی طشت یا تلنے کا دیگ بجایا کرتے ہیں تاکہ وہ سو نہ سکے اور اُسکو اسوقت تک وہ برابر بجاتے رہتے ہیں جب تک مار گزیدہ اچھا نہ ہوجائے۔ ربیع بن زیاد" مالک بن زہیر عبسی کے مرثیے میں کہتا ہے ؎

من كان مسرورًا بمقتل مالك　　فليأت نسوتنا بوجه نهار
يجد النساء حواسرًا يندبنه　　يلطمن اوجههن بالاسحار

جو شخص مالک کے قتل پر ہنستا ہو، اسکو چاہیئے کہ وہ دن چڑھے ہمارے گھر آکر دیکھے وہ عورتوں کو ننگے سر نوحہ کرتے ہوئے اور صبح وشام اپنے چہروں کو پیٹتے ہوئے پائیگا۔

ان اشعار کا سمجھنا بھی حقیقت میں عربوں کے ایک دستور کی واقفیت پر مبنی ہے عرب میں دستور تھا کہ جب کسی فریق کا آدمی قتل ہوجاتا تھا تو جب تک کہ اسکے قبیلہ والے اسکا قصاص نہیں لے لیتے تھے، اسپر عورتیں مطلق نوحہ نہ کرتیں - اور بدلہ لینے اور قاتل یا اُس کے بیٹے وغیرہ کو قصاص میں مار ڈالنے کے بعد نوحہ کیا کرتی تھیں۔

(۵) کمیت کا شعر ہے ؎

احلامكم لسقام الجهل شافية　　كما دماؤكم تشفي من الكلب

تمھاری عقلیں جہالت کی بیماری کو دور کرنیوالی ہیں جسطرح تمھارا خون باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے کو مفید ہیں

معاهد التنصيص میں [illegible] عربوں کا قول تھا کہ اگر کسی کو باؤلا کتا کاٹ لے یا جنون کا مرض لاحق ہوجائے، تو جبتک اسکو کسی بادشاہ کا خون نہ پلایا جائے اُسکو شفا نہ ہوگی۔ شاعر کا مقصد [illegible] اور اُن کے خون سگ گزیدہ کے لئے مفید میں اپنی وہ بادشاہ ہیں۔ تاہم [illegible] حماسی کے اس شعر میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے ؎

بناة مكارم واساة كلم　　دماؤهم من الكلب الشفاء

وہ لوگ بزرگیوں کے بانی اور زخموں کے طبیب ہیں [illegible] کاٹے ہوئے کیلئے شفا ہیں

تبریزی نے مذکورہ بالا شعر کی تشریح ابن اعرابی کے روایت کے موافق کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ [illegible] طریقہ تھی کہ بادشاہ یا کسی شریف کے [illegible] ہاتھ کی درمیانی انگلی کا بد

اور اسکو خرمے میں رکھکر سگ گزیدہ کو کھلایا جائے بعض کا قول ہے کہ خون ناک کے اندر لگا دیا جائے

عبداللہ بن زبیر اسدی بھی عبداللہ بن زیاد کی مدح میں اسی بات کا اشارہ کرتا ہے ؎

من خير بيت علمناه وأكرمه   كانت دماءهم تشفي من الكلب

سب سے زیادہ معزز ومکرم گھر جسکو ہم جانتے ہیں وہ تھا کہ اسکے رہنے والوں کا خون سگ گزیدہ کے لئے شفا تھا

عبداللہ بن قیس الرقیات بھی اسی تخیل کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

عاودني النكس فاشتفيت كما   تشفى دماء الملوك من كلب

میرا مرض جب دوبارہ عود کر آیا تو مجھکو ایسی شفا حاصل ہوئی جیسی کہ باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے کو بادشاہوں کے خون سے ہوتی ہے۔

"ابن عباس کندی" قبیلہ بنو اسد سے بادشاہ حجر بن عمرو کے قتل کے بارے میں خطاب کرتا ہے ؎

عبيد العصا جئتم بقتل رئيسكم   تريقون تاموراً شفاء من الكلب

اے عبید عصا کیا تم اپنے رئیس کی جان لینے کے لئے آئے تھے کہ ایسا خون بہاتے ہو جو سگ گزیدہ کو شفا دے

عبید عصا قبیلہ بنو اسد کو کہتے ہیں جسکی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ جب بادشاہ حجر بن عمرو قبیلہ بنی اسد پر حکمرانی کرنے لگا تو چند روز تک اس قبیلہ نے خراج ادا کیا لیکن پھر انھوں نے بغاوت اختیار کی اور خراج دینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ "حجر بن عمرو" نے بغاوت کے انطفا کے لئے ان پر حملہ کیا۔ اور ان تمام لوگوں کو جو ان میں سربرآوردہ تھے گرفتار کر لیا اور انکو عصا (لاٹھی) سے قتل کر ڈالا۔ اس واقعے کے بعد بنو اسد عام طور پر "عبید عصا" کہے جانے لگے۔

ابن اعرابی کے قول کے موافق سگ گزیدہ اور مجنون دونوں کا علاج بادشاہ کا خون ہے۔ لیکن اوپر جتنے شواہد پیش کئے گئے ہیں ان میں صرف سگ گزیدہ کا تذکرہ ہے۔ بعض اشعار اس قسم کے بھی ہیں جن میں جنون کا علاج بھی کسی بادشاہ یا شریف کا خون بتلایا گیا ہے چنانچہ فرزدق کا قول ہے ؎

ولو تشرب الكلبى المراض دماءنا   شفتها وذو الخبل الذي هو ادنف

اگر ہمارے خون سگ گزیدہ اور وہ لوگ جن کے لئے جنون ایک لازمی بیماری ہو پئیں تو انکو شفا ہو جائے یعنی ہم بادشاہ ہیں۔

عاصم بن قریۃ جاہلی بھی ذیل کے شعر میں جنون کا یہی علاج بتلاتا ہے۔

اور پھر عربوں میں بھی پھیل گیا ہو۔ جاہلیت عرب کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں بہت سے شعار، عادات، اور اطوار ایرانیوں سے منتقل ہو کر پھیل گئے تھے۔

(۷) سبرۃ بن عمر فقعسی کا شعر ہے۔

أتنسى دفاعي عنك إذ أنت مسلم — وقد سال من ذل عليك قراقر
ونسوتكم في الروع باد وجوهها — يخلن إماء والإماء حرائر

کیا تم کو یاد نہیں ہے کہ میں نے تم کو اسوقت بچایا تھا جب کہ تم دشمنوں کا شکار رہتے اور وادی قراقر میں تمھارا برا حال ہو رہا تھا تمھاری عورتوں کے چہرے جنگ میں کھلے ہوئے تھے اور لوگ انکو باندی خیال کر کے چھوڑ دیتے تھے۔

شارح تبریزی ان کی توضیح کرتا ہوا لکھتا ہے کہ جاہلیت میں شریف عورتیں جنگ وغیرہ میں اپنا چہرہ کھول دیتی تھیں اور دشمن انکو باندی سمجھکر قید نہیں کرتا تھا۔ عمرو بن معدیکرب بھی ذیل کے اشعار میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے

لما رأيت نساءنا — يفحصن بالمعزاء شدا
وبدت لميس كأنها — بدر السماء إذا تبدى

جب میں نے اپنے قبیلہ کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ سخت زمین میں دوڑ رہی ہیں۔

اور لمیس اسطرح سے یکایک ظاہر ہوئی کہ گویا چودھویں رات کا چاند نکلا ہے۔

شارح مذکور نے ان اشعار کی تشریح میں لکھا ہے کہ ان عورتوں نے یا تو باندی عورتوں کے تشبہ کے لئے تاکہ وہ قید سے محفوظ رہیں اور یا اس لئے کہ ان پر زیادہ رعب چھا گیا تھا، اپنے چہرے کھول دئے تھے جیسا کہ "کانہا بدر السماء" سے معلوم ہوتا ہے ذوالخرق طہوی بھی یہی کہتا ہے۔

ولما رأين بني عاصم — ذكرن الذي كن أنسينه
تواريه منا كن حرمنه — وأخفين ما كن أبدينه

جب ان عورتوں نے قبیلۂ بنی عاصم کو دیکھا تو انکو وہ بات یاد آگئی جس کو وہ بھول گئی تھیں

اسوقت انہوں نے اپنے اس عضو کو چھپا لیا جسکو انھوں نے ننگا کر رکھا تھا۔

اشنداری اپنی کتاب "معانی الشعر" میں اسکی تشریح اسطرح کرتا ہے کہ وہ عورتیں

قید ہوگئی تھیں اور اُنھوں نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر اپنے چہروں کو کھول رکھا تھا جب اُنھوں نے بنی عاصم کو دیکھا اور اُنکو اپنی رہائی کا یقین ہوا تو اُنھوں نے پھر حیا سے اپنے چہرے ڈھانک لئے

(۸) عنترہ کہتا ہے۔

ترکت جریة العمری فیہ ۔۔۔ شدید العیر معتدل سدید

فان یبرأ فلم انفث علیہ ۔۔۔ وان یفقد فحق لہ الفقود

میں نے جریہ عمری کو اس حالت میں چھوڑا کہ اسکے بدن میں ایک تیر پھل والا اور سیدھا تیر چبھا ہوا تھا اگر وہ چنگا ہوجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ میں نے اسپر جادو نہیں کیا تھا اور اگر وہ مرجائے تو اُسکے لئے تو مرنا ہی بہتر ہے۔

اِن دونوں شعروں میں دوسرا شعر عرب کے ایک دستور پر مبنی ہے اور وہ یہ تھا کہ ایام جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنے دشمن پر تیر مارتا تو وہ تیر پر منتر پڑھکر پھونک دیتا تھا اور اس سے وہ سمجھتا تھا کہ اگر دشمن کے بدن میں یہ تیر لگ گیا تو وہ کبھی جانبر نہیں ہوسکتا۔ شاعر اسی دستور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۹) عمرو بن معدیکرب کی بہن کبشہ کا شعر ہے۔

ارسل عبد اللہ اذحان یومہ ۔۔۔ الی قومہ لا تعقلوا لہم دمی

ولا تاخذوا منہم افالا و ابکرا ۔۔۔ واترک فی بیت بصعدة مظلم

جب عبد اللہ کی موت کا دن آیا تو اُسنے اپنی قوم کو کہلا بھیجا کہ تم لوگ میرے خون کی دیت نہ لینا تم لوگ مخالفوں سے جوان اور چھوٹے چھوٹے اونٹ نہ لینا اور مجھکو صعدہ کو کسی اندھیرے گھر میں چھوڑ دینا۔

صعدہ یمن کے ایک گاؤں کا نام ہے پہلے تین مصرعوں کا مطلب بالکل واضح ہے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ تم لوگ میری دیت نہ لینا بلکہ جسطرح سے ہوسکے قصاص کے لئے جد و جہد کرنا چوتھے مصرعہ کا ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ مجھکو صعدہ کے کسی تاریک مکان میں چھوڑ دینا۔ لاش کو کسی تاریک مکان میں رکھنے کے کیا معنی؟ یہ بھی ایک توہم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے خیال کے مطابق جبتک کسی مقتول کا انتقام نہیں لے لیا جاتا اسکی قبر تاریک رہتی ہے اور جب انتقام لے لیا جاتا ہے تو وہ روشن ہوجاتی ہے۔

(۱۰) جریر، قیس بن ضرار کے مرثیے میں کہتا ہے ؎

اظن انہملال الدمع لیس بمنتہ — عن العین حتی یضمحل سوادھا

فحق لقیس ان یباح لہ الحشیٰ — وان تعقر الوجناء ان خف زادھا

میرا خیال ہو کہ آنسوؤں کا تار آنکھوں سے اس وقت تک نہیں رک سکتا جبتک کہ انکی سیاہی نہ مٹ جائے۔ حق تو یہ ہو کہ قیس کے لئے وہ دل جو محفوظ مکان کے مثل ہو مباح کر دیا جائے یعنی اسکو غم و اندوہ کا شکار بنا دیا جائے اور بوجہ توشہ کی کمی کے ایک قوی موٹی تازی اونٹنی ذبح کر دیجائے۔

اس مرثیہ میں بھی ایک دستور کیطرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہو کہ جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی یا بادشاہ کی قبر سے گزرتا اگرچہ اسکے ساتھ بہت سے آدمی ہوتے لیکن وہ قبر کے پاس مردے کی جانب سے ضیافت کرتا تھا اور اُس سے یہ دکھلانا مقصود ہوتا تھا کہ مرنے کا فیض مرنے کے بعد بھی جاری ہے اور اگر آدمی اکیلا ہوتا تو قبر کے پاس اپنی اونٹنی کو اسکے پیر کاٹکر چھوڑ دیتا تھا اور اس سے صرف مردے کا احترام مقصود ہوتا تھا ربیعہ بن مکدم عرب میں بڑا نامور رئیس اور شہسوار گذرا ہے مورخین کا بیان ہے کہ اسکی وفات کے بعد جو شخص اسکی قبر سے گزرتا تھا اونٹنی یا اور دوسرے قسم کا کوئی چوپایہ مزور قبر کے پاس ذبح کرتا تھا یا کم سے کم اسکے پیر کاٹکر چھوڑ دیتا تھا تاکہ وہ چل نہ سکے حفص بن حجر کنانی اسکی قبر سے گذرا تو اُس نے سفر کی تکالیف کا لحاظ کر کے اپنی اونٹنی ذبح نہ کی اور اس کے بجائے اُس نے متوفی ربیعہ بن مکدم کا حسب ذیل مرثیہ کہا۔

لایبعدن ربیعۃ بن مکدم — وسقی الغوادی قبرہ بذنوب

نفرت قلوصی من حجارۃ حرۃ — بنیت علی طلق الیدین وھوب

لاتنفری یاناق منہ فانہ — شریب خمر مسعر لحروب

لولا السفار وبعد خرق مہمہ — لترکتھا تحبو علی العرقوب

ربیعہ بن مکدم کا نام ہمیشہ زندہ رہے اور صبح کو موسلا دھار برسنے والے بادل اسکی قبر کو سیراب کریں میری اونٹنی ان سنگلاخ پتھروں کو دیکھکر جو ایک سخی اور فیاض کی قبر میں لگے ہوئے تھے بھاگی لے میری اونٹنی اس سے نہ بھاگ کیونکہ وہ بہت بڑا شرابی اور جنگ وجدال میں مصروف رہنے والا آدمی تھا اگر سفر اور وسیع جنگلوں کی تکالیف کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنی اونٹنی کو اس قبر پر اس حالت میں چھوڑ آتا کہ وہ اپنے ٹخنوں کے بل گھسٹتی ہوئی چلتی۔

کہا جاتا ہے کہ ایام جاہلیت میں حفص بن احنف کنانی پہلا شخص تھا جس نے اس رسم کو پیدا کیا۔

(۱۱) حطیئہ کا شعر ہے ؎

قد ناضلوک فسلوا من کنائنہم مجداً تلیداً و نبلا غیر انکاس

ان لوگوں نے تجھ سے تیر اندازی کی اور اپنے ترکش سے موروثی بزرگی اور ایسے تیر نکالے جنکا پھل ٹوٹا ہوا نہ تھا۔

تبریزی حماسہ کی شرح میں کہتا ہے کہ فقرہ "مجداً تلیداً (موروثی بزرگی)" سے شاعر کی مراد وہ پیشانی کے بال ہیں جن کو عرب زمانہ جاہلیت میں کسی بڑے آدمی پر فتح پا کر اسکی پیشانی سے کاٹ لیا کرتے تھے اور ترکش میں رکھ دیتے تھے، لیکن ابن ابی الاصبع نے اپنی کتاب "بدیع القرآن" میں لکھا ہے کہ مجداً تلیداً و نبلا غیر انکاس کا عطف، عطف تفسیری ہے جاہلیت میں عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی اسیر کو فدیہ لیکر چھوڑتے، تو اسکو اپنے پاس سے ایک تیر دیتے تھے جس پر ایسے نشان ہوتے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ تیر فلاں قبیلہ کا ہے، اس اعتبار سے حطیئہ کی مراد یہ ہوگی کہ تو ایسا شخص ہے کہ جب تو اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے گیا تو انھوں نے اپنے ترکش سے وہ تیر نکالے جنکو تو نے انکو چھوڑتے وقت دیا تھا اور یہ گویا تیرے لئے موروثی بزرگی ہے جسکا وہ کبھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اسکا ثبوت ان تیروں سے ہو جاتا ہے جنکے پھل ٹوٹے ہوئے نہیں ہیں اس سے ممدوح کے لئے انتہا درجہ کی مدح اور مخالف کے لئے انتہا درجہ کی ہجو مقصود ہوتی ہے۔

(۱۲) سحیم بن مہند کا قول ہے۔

فکم قد شققنا من رداء محبّر ومن برقع عن طفلة غیر عانس

اذا شق برد شق بالبرد برقع دوالیک حتی کلنا غیر لابس

ہم نے بہت سی منقش چادریں اور بہت سے برقعے جنکو کمسن لڑکیاں پہنے ہوئی تھیں، پھاڑ ڈالی ہیں

جونہی کوئی چادر پھٹی تو دوسری طرف برقع پھٹا ہوا نظر آنے لگا یہاں تک کہ ہم سب ننگے ہوگئے۔

"شرح شواہد الجمل" میں منقول ہے کہ عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی مرد کسی عورت پر عاشق ہو جائے اور عورت مرد پر فریفتہ ہو جائے اگر دونوں کو محبت کو ہمیشہ قائم رکھنا منظور ہو تو مرد کو چاہیئے کہ وہ عورت کا برقع پھاڑ ڈالے اور عورت کو چاہیئے کہ مرد کی چادر پھاڑ ڈالے اور اگر ایسا نہیں کیا [illegible]

گھوڑے کے لئے اسکی آسائش و آرام کا بندوبست کرتے تھے اور رات کو سوتے وقت گھوڑے کو زین کسا ہوا اپنے پاس ہی رکھتے تھے اور اُسکی لگام اُنکے قریب ہی رہتی تھی جس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ ممکن ہے کہ کسی وقت کوئی دشمن یکایک حملہ کرے اور کوئی بُری حالت پیش آئے تو اسوقت یہ گھوڑا کام دے۔ اِس شعر میں اعشیٰ نعمان کی مدح اِن الفاظ میں کر رہا ہے کہ وہ خود اپنے گھوڑے کی آسائش کا ہر شام کو انتظام کرتا ہے اور فی الواقع اِس مدح کا ایک لفظ بھی بیکار نہیں ہے کیونکہ جاہلیت میں عربوں کے گھوڑوں کی آسائش کا خود انتظام کرنا باعث فخر خیال کیا جاتا تھا۔ صاحب "عقد فرید" کی رائے ہے اور دیار کا بھی ایک گروہ اس سے متفق ہے کہ یہ تعجب کی بات ہے شاعر بتاتا ہے کہ گھوڑے کی آسائش کا خود انتظام کرنا بادشاہوں کا کام نہیں ہے لیکن درحقیقت یہ غلطی ہے عرب اہل الرائے میں گھوڑے کی ضروریات کا خود انتظام کرنا ذریعۂ فخر ہے۔

(۱۵) ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

كفاك الله يا عصم بن كلاب　　[illegible] دهمتهم نيام

اذا مروا بحارث لم يعوجوا　　[illegible] العظلام

اے عصم تمکو خدا [illegible] تمہارے پاس [illegible] کے خواہشمند ہو کر آئیں تو تم اُنکی [illegible] انتظام [illegible] گرد و نواح میں ہو نہیں [illegible] کے کر شام ہو جاسے [illegible] تیرے گھر سے کبھی نہ واپس جائیں۔

اشاندانی [illegible] الشعر" میں لکھتا ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائیوں کے یہاں صدقہ مانگنے جاتا تو [illegible] ایک رسی بھی لیجاتا اور جب [illegible] کوئی بکری یا اونٹ ملجاتا تو وہ اسکو اس رسی میں باندھ کر لیجاتا تھا۔ یہاں پر شاعر ایک شخص کو جسکا نام عصم ہے، دعا دے رہا ہے کہ اے عصم تجھکو خدا اسقدر اونٹ اور بکریاں عطا کرے کہ جب تمہارے بھائی مفلس ہو جائیں اور وہ تیرے پاس اونٹ مانگنے آئیں تاکہ وہ اسکے ذریعہ سے پیٹ پالیں، تو تم انکو کافی اونٹ دیسکو اور تیرے [illegible] اونٹوں کی اتنی کثرت ہو کہ جب صدقہ

لینے والے تیرے پاس آئیں تو وہ اس خیال سے کہ تیرے پاس زیادہ اونٹ ہیں کبھی بغیر اونٹ لئے ہوئے واپس نہ جائیں ۔

(۱۶) ایک شاعر گدھے کی تعریف میں کہتا ہے ؎

تکلوذکی حیا مع یعیینہ فکانہ　　لما تمخط فی السحیل نقیب

جب وہ مادہ کے وقت اپنی ناک چھانکتا ہے اور اپنے ڈاڑھے کے جوڑوں کو موڑتا ہے تو وہ بالکل نقیب کتے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

نقیب کا اطلاق جاہلیت میں اس کتے پر ہوتا تھا جسکے حلقوم میں اسکا مالک پہلے سوراخ کر دیتا تھا کہ وہ جب بھونکے تو اسکی آواز کھلکر نہ نکلے ایسا کرنے سے غرض یہ ہوتی تھی کہ کوئی مسافر کتے کی آواز سنکر مکان تک نہ آجائے شاعر نے اس جگہ گدھے کے ہنہنانے کی اسی نقیب کتے کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اسکا بھی اشارہ کیا ہے کہ جس طرح سے کہ نقیب کتے کی آواز بسبب حلقوم کے سوراخ دار ہونے کے ضعیف ہوتی ہے اسی طرح سے اس گدھے کی ہنہناہٹ میں بسبب ناک جھاڑنے کے ضعف پیدا ہوتا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتا ہے کہ کتے کے حلقوم میں اس غرض سے سوراخ کرنا کہ غریب مسافر اسکی آواز سن نہ سکے بخیلوں کا کام تھا۔ اشنانذانی نے "معانی الشعر" میں ایک جگہ شاعر کا یہ قول نقل کیا ہے ؎

تجاوبن اذ برکن واللیل غاسق　　تعاوی منقوبات حیی محارب

اندھیری رات کا وقت تھا اور جب وہ اونٹ آرام کرنے بیٹھے تو انمیں کہ منہ سے آواز کرتا تھا جیسے کہ معلوم ہوتا تھا کہ محارب کے دونوں قبیلوں کے نقیب کتے بھونک رہے ہیں۔

اور قسطنطنی کی تشریح میں اس طرح کی ہے کہ "منقوبات" ان کتوں کو کہتے ہیں جنکے حلقوم میں قحط کے زمانے میں عرب اس لئے سوراخ کر دیتے تھے کہ مسافر اسکی آواز سن نہ سکے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ ان اونٹوں کی آواز اسقدر کمزور ہے کہ گویا وہ نقیب کتے ہیں۔

(۱۷) صمۃ بن عبداللہ قشیری کہتا ہے ؎

تلفت نحو الحی حتی وجدتنی وجعت من الاصغاء لیتا واخدعا

مین نے قبیلہ سے رخصت ہونے کے بعد اسکی طرف حسرت بھری نگاہوں سے بار بار دیکھا جسکی وجہ سے میری گردن اور شہ رگ مین درد پیدا ہو گیا۔

لیت گردن کی ایک جانب کو کہتے ہین اور اخدع گردن کی ایک موٹی رگ کا نام ہے ظاہر مین تو شعر کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے قبیلہ کیطرف اس قدر مڑ مڑ کر دیکھا کہ اسکی گردن مین درد پیدا ہو گیا، لیکن راغب اصفہانی "محاضرات" مین لکھتا ہے کہ یہ شعر بھی ایک دستور پر مبنی ہے اور وہ یہ تھا کہ عربون کے خیال کے مطابق اگر کوئی شخص سفر کو نکلے اور ایک دفعہ بھی مڑ کر اپنے گھر کیطرف کو دیکھ لے، تو اسکا سفر کبھی پورا نہو گا شاعر جب اس قبیلہ سے رخصت ہوا ہے جس مین اسکی معشوقہ تھی تو اس نے قصداً اسکی طرف مڑ مڑ کر دیکھنا شروع کیا اور اس سے شاعر نے یہی مقصد پیش نظر رکھا کہ وہ اپنا سفر پورا نہ کر سکے اور پھر لوٹ آئے۔

(۱۸) بشر بن ابی خازم کہتا ہے ؎

تظل مقالیت النساء یطأنہ یقلن الا یلقی علی المرء مئزرو

جن عورتون کے بچے زیادہ دن تک زندہ نہین رہتے، وہ اسکو روندتی ہین اور کہتی ہین کہ اس مرد پر ازار کیون نہین ڈالدیا جاتا۔

مقالیت، جمع مقلات، اُن عورتون کو کہتے ہین جنکی اولاد نہین جیتی۔ اس شعر مین جاہلیت کے اس خیال کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کے بچے زندہ نہ رہتے ہون کسی ایسے بڑے شخص کو جو فریب سے قتل کیا گیا ہو، روندے تو اُس کے بچے زندہ رہ سکتے ہین

(۱۹) متمم ابن نویرہ، اپنے بھائی مالک کے مرثیہ مین کہتا ہے ؎

لقد کفن المنہال تحت ردائہ فتی غیر مبطان العشیات اروعا

منہال نے اپنی تلوار کے نیچے ایک ایسے شخص کو کفن دیا جو زیادہ پیٹو نہین تھا اور اُس میں اسکے علاوہ خوبی بھی تھی کہ وہ دلیر تھا۔

رواہر کے معنی یہان پر تلوار کے ہین۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جس کا نام منہال تھا، شاعر کے بھائی مالک کو قتل کیا تھا اور اسکو کفن دیتے وقت اپنی تلوار اُس کے سینے پر رکھدی تھی، کیونکہ جاہلیت مین عرب کا دستور تھا کہ جب ان مین کا کوئی شخص کسی بڑے اور مشہور آدمی کو قتل کرتا، تو اُس کے سینے پر اپنی تلوار اسلئے رکھدیتا کہ اس کا قاتل پہچانا جائے۔ شاعر نے جو یہ بیان کیا ہے کہ منہال نے مالک کو اپنی تلوار کے نیچے کفن دیا، اس سے اُسکا صرف یہ واقعہ بیان کرنا نہین ہے۔ بلکہ اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مالک ایک بہت بڑا، اور معزز آدمی تھا۔

(۲۰) جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین مین کسی شاعر کا یہ شعر نقل کیا ہے ؎

فقات لها عین الفحیل تعیفا وفیهن رعلاء المسامع والحامی

مین نے اس کے لئے ایک بہت عمدہ اونٹ کی آنکھ مجبوراً پھوڑدی اور ان اونٹون مین بعض اونٹ ایسے بھی تھے جن کے بڑے بڑے اور لٹکتے ہوئے کان کاٹ لئے گئے تھے، اور بعض ایسے تھے جنکو بوجہ مُسن ہونے کے آزاد کر دیا تھا۔

اس شعر کی تشریح کرنے مین جاحظ نے عربون کے ایک دستور کا تذکرہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی کے اونٹون کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی، تو مالک ان مین سے عمدہ اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑدیتا، اور جب پھر ہزار تک کی نوبت پہنچتی تو اسکی دوسری آنکھ بھی پھوڑدیتا، یعنی اسکو بالکل اندھا کر دیتا۔ ایک دوسرا شعر بھی اس دستور کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

وهبتها وانت ذو امتنان تفقأ فيها اعين البعران

تو اس قابل ہو کہ تیرا شکریہ ادا کیا جائے۔ سکو اتنے اونٹ دئے کہ انمین سے نرون کی آنکھین پھوڑ دی جائین۔

ایک اور شاعر بھی اسکی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

[illegible] الاعين

[illegible]

(۲۱) عتبہ بن بجیر مازنی کہتا ہے ؎

ومستنبح بات الصدی یستتیہہ — الی کل صوت فہو فی الرحل جانح
فقلت لاہلی ما بغام مطیۃ — وسار اضافتہا لکلاب النوابح
فقالوا غریب طارق طوحت بہ — متون الفیافی والخطوب الطوارح

بہت سے اشخاص تھے جنہوں نے رات کو کتے کیطرح آواز نکالی اور مشتبہ آوازوں نے انکو ادہر ادہر پہرایا آخرکار انہوں نے میری ہی منزل کیطرف قدم اٹھایا میں نے گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کس اونٹنی کی آواز ہے اور کس شخص کی آواز سنکر میرے کتے بھونک رہے ہیں ان لوگوں نے کہا یہ کوئی غریب مسافر ہے جو زمانہ کی بے وفائی اور جنگل میں گم ہو جانیکی وجہ سے ہماری منزل کیطرف چلا آتا ہے۔

یہ اشعار بھی ایک دستور پر مبنی ہیں اور وہ یہ ہے کہ جاہلیت میں جب کوئی جنگل میں رات کو راستہ بھول جاتا اور یہ نہ معلوم ہوتا کہ آبادی کس مقام پر ہے تو وہ کتے کیطرح بولتا تھا، اگر کوئی مکان یا ڈیرہ قریب ہوتا اور اس جگہ کتے ہوتے تو اسکی آواز کو کتے کی آواز خیال کر کے بھونکنے لگتے اور مسافر اس مکان کی طرف جاتا جدہر سے آواز آتی۔

(۲۲) لبید کہتا ہے ؎

ولقد حمیت الحی تحمل شکتی — فرط وشاحی اذ غدوت لجامہا

میں نے قبیلہ کی حمایت کی اور جب میں صبح کو میدان جنگ میں جاتا تو میرے سلاح کو ایک تیز گھوڑی اٹھائی ہوئی تھی جسکی لگام میں نے اپنے گلے میں ڈال رکھی تھی۔

عرب کے سواروں کا قاعدہ تھا کہ بعض وقت وہ گھوڑے کی لگام کو بجائے اسکے کہ ہاتھ میں پکڑے رہیں اپنی گردن کے اردگرد لپیٹ لیتے تھے۔ اور یہ اسلئے کرتے تھے کہ اگر ہاتھ میں لگام پکڑے رہینگے تو مبادا کوئی ایسا وقت بھی آپڑے جس میں لگام ہاتھ سے چھوٹ پڑے۔ اسلئے اسبات کا اطمینان حاصل کرنیکے لئے وہ لگام کو اپنے گلے کے اردگرد لپیٹ لیتے تھے۔ زیاد بن حمل بھی اسی طرف تلمیح کرتا ہے ؎

لیست علیہم اذا یغدون اردیۃ — الا جیاد قسی النبع واللجم

جب وہ میدان جنگ کیطرف جاتے ہیں تو بجائے چادر اوڑھنے کے اپنی کمان کو حمائل کر لیتے ہیں اور اپنی گردن کے اردگرد کمانیں اور لگامیں

(۲۳) ایک اعرابی کا شعر ہے ؎

قلبت ثیابی والظنون تجول بی — وترمی برجلی نحو کل سبیل
فلایا بلای ما عرفت جلیتی — دا بصرت قصد الماجب بدلیل

جب میرے دل میں عجیب غریب خیالات پیدا ہوگئے تھے اور میں بھٹک بھٹک کر ہر راہ کیطرف جاتا تو میں نے اپنے کپڑے الٹے پہن لئے اور ایسا کرنے سے مجھکو تھوڑی ہی دیر میں ایک ایسا راستہ ملگیا جو رہنما کی ضرورت کا بھی نہیں

شہاب کی سرگذشت

بسلسلۂ گذشتہ

محمود "اگر میری دعا مقبول ہوتی تو میں تمھارے اس لمحۂ الوہیت گذر جانے کے بعد خدا سے التجا کرتا کہ الٰہی شہاب کو انھیں میں سے ایک سخت و سنگیں پیکر کی محبت میں اسقدر شدت کے ساتھ مبتلا کردے کہ وہ دیوانہ وار اُس پتھر کی مورت کے سامنے اپنی پیشانی کو مجروح جبیں سائی کرے، وہ فریاد کرے اور کوئی سننے والا نہ ہو، وہ دردِ محبت سے چیخ چیخ اٹھے اور کسی کو خبر نہ ہو، وہ رو رو کر ایک طوفان نوح برپا کردے لیکن کوئی اُس کے آنسوؤں کا پونچھنے والا نہ ہو، تاکہ میں تمھیں اسوقت نصیحت کروں کہ شہاب، حُسن کو صرف حُسن کے لحاظ سے چاہو، محبت کو صرف محبت کے لحاظ سے دیکھو، یہ بیقراری کیوں ہے، یہ اضطراب کس لیئے ہے، تمھارا ذوقِ نظر پورا ہو رہا ہے، تمھاری نگاہیں اچھی طرح آسودہ ہو رہی ہیں، پھر اور تمھیں کیا چاہیے۔ سچ بتاؤ شہاب کیا ہو اگر واقعی تمھیں کسی مجسمہ یا تصویر سے عشق ہو جائے۔ تم کیا کرو۔ کم از کم مجھے تو بڑا لطف آئے"

شہاب "افسوس ہے کہ جسطرح میں خدا نہیں ہو سکتا، اسی طرح تمھاری دعا بھی کبھی مقبول نہیں ہو سکتی، لیکن اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو بھی جائے اور میرا مقصودِ محبت تمھاری رائے میں صرف میرا اصلت ہی قرار پائے، تو میں یقیناً اس کو محبت نہ کہونگا بلکہ مواصلت اس لیئے کہونگا کہ مجھے اُس کی ضرورت ہے، میرا ایک جذبہ اُس سے پورا ہوتا ہے میں نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں جذبات شہوانیہ سے مبرا ہوں لیکن فرق یہ ہے کہ میں ایسے جذبات کو وہی کہتا ہوں جو وہ ہیں اور تم اُن کا نام محبت رکھتے ہو"

محمود "بہرحال تمھاری انشاء میں محبت ایک عقلائے مغرب کا نام ہے اور اس کا کہیں وجود نہیں [illegible] اگر ایسا نہ ہو یعنی اگر کوئی اپنے سے مل سکے تو [illegible] نہیں [illegible] غرضی ہے نکر ہی مافرب ہی کا

شہاب "افسوس ہے کہ تمھیں ابتک یہی خبر نہیں کہ محبت کب [illegible] پانے کی
مستحق ہے اور کب ناکام اور اس کا تعلق انسان کی زیست [illegible] اسکے
جذبات پرستش سے ہے، اگر ایک شخص شدائد محبت برداشت [illegible] دے تو میں
کبھی نہ کہونگا کہ اُسنے بڑا کام کیا یا اُس کی محبت کامیاب [illegible] لیکن اگر کوئی
شخص اپنے محبوب سے مل جانے کے بعد بھی محبوب و محب [illegible] ادب قایم رکھے
جو ہونا چاہیے تو میں کہونگا کہ وہ مفہوم محبت [illegible] اُس کی [illegible] ہے اور سہان تم نے
یہ کیا کہا کہ "میرے نزدیک اگر کوئی جان [illegible] یعنی کوئی شخص
اپنے محبوب سے ملجائے تو محبت ناقص ہے [illegible] محبت میں جان دینے کا
وقت تو وہی ہے جب محبت کامیاب ہوگیا [illegible] زیادہ ہلاک کر دینے
والی چیز کوئی اور ہو سکتی ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ الحمدللہ محبت کا ذوق مجھے حاصل
نہیں ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر [illegible] دشمنوں کے کان بہرے، کبھی مجھے کسی سے محبت
ہوگئی تو میں پناہ مانگونگا اُسوقت سے جب میرا محبوب بھی مجھ سے محبت کرنے لگے میرے
نزدیک رحم و لطف سے زیادہ صریح ظلم محبت کے معاملہ میں اور کوئی نہیں"

اختر جو شروع سے اس وقت تک دونوں کی گفتگو کو سن رہی تھی، اب بھی خاموش
تھی، ساکت تھی لیکن اب اُس کی نگاہیں سمندر کی موج کا مطالعہ نہیں کر رہی تھیں بلکہ
نیچی جھکی ہوئی کچھ سوچ رہی تھیں اس نے اپنے بائیں رخسار کی طرف ساری کے آنچل کو
کھینچ محمود و شہاب کی طرف سے اوٹ کر لی تھی تاکہ اُس کی صورت دیکھکر کوئی اسوقت
اسکے جذبات کو نہ معلوم کر سکے لیکن شہاب اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اختر کیا سوچ رہی ہے
اور اُس کا دل اسوقت کن جذبات سے لبریز ہے اس نے ایک لمحہ سکوت کرنے کے
بعد محمود سے کہا "خیر اس ذکر کو چھوڑ دو یہ اختلاف مٹ نہیں سکتا جب تک دنیا میں
عورت کا وجود باقی ہے اور سنو اپنی دعائیں تمہارے لئے بیکار صرف کرو کیونکہ میرے نزدیک
دنیا میں ہر عورت اس قابل ہے [illegible] جائے اور کوئی نہیں [illegible]
لحاظ سے کہ ایسا ہوتا ہے [illegible] چاہیے۔ ہاں تم نے مجھ سے پوچھا تھا

کہ تھیٹر چلوگے یا نہیں اس وقت میں خاموش ہوگیا تھا لیکن اب پوچھتا ہوں کہ لوگ وہاں کیوں جاتے ہیں اگر اس سے مقصود لہو و لعب ہی تو اک لغو حرکت ہی اور اگر اس سے مدعا وہاں جاکر فطرت انسانی کی مختلف حالتوں کا مطالعہ کرنا ہی تو سخت حماقت ہی کیونکہ تھیٹر سے زیادہ خلاف فطرت، خلاف حقیقت، خلاف واقعیت مناظر پیش کرنے کی جگہ اور کوئی نہیں۔ اس سے زیادہ ظلم فطرت پر کیا ہو سکتا ہی کہ ایک ہی عورت کو روز اک نئے مرد کی محبوبہ بننا پڑتا ہی جب کہ وہ شاید اُن میں سے کسی کو بھی نہیں یا کسی ایک کو چاہتی ہوگی اور اگر اُس کو مطلقاً کسی سے الفت ہی نہیں ہی تو وہ کیا خاک جذبات محبت کو سمجھے گی اور اُنھیں ادا کریگی۔

محمود "نہیں یہ مقصود نہیں کیونکہ ایک حد تک میں خود اس کو پسند نہیں کرتا لیکن میں..."

شہاب "(اُس جملہ کو پورا کرتے ہوے) یہ چاہتا ہوں کہ مس اختر کو دیکھوں اور غور کروں کہ وہ کیوں اسقدر مشہور ہیں"

محمود "ہاں بس یہی سمجھ لو"

شہاب "خیر، چونکہ موسیقی سے تمھیں خاص مناسبت ہی اور مجھے نقاشی و مصوری سے اس لیے چلا چلونگا تم اُن کا گانا سننا اور میں اُن کی صورت دیکھونگا کیونکہ میں نے سنا ہی کہ وہ نہایت حسین ہیں اور سخت دلکش اداؤں کی مالک ہیں"

اب شام کی تاریکی پھیل گئی تھی اور برقی روشنی ہو چکی تھی۔ اختر اپنے متعلق اس گفتگو کو نہ سُن سکی اور اپنی عرق آلود پیشانی لیے ہوے وہاں سے اٹھ گئی۔

(۵)

پیارے محمود، کیا اب نہ آؤگے، تم تو صرف ایک ہفتہ کے لیے کہہ گئے تھے اور آج پورے پندرہ دن ہوگئے۔ اگر تمکو جلد واپس آنا منظور نہ تھا تو مجھ سے کہہ جاتے۔ میں کیا تمھیں منع کر سکتی تھی، مجھے کیا اختیار تھا کہ کہتی "نہ جاؤ" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں آخر ایسا کیا کام ہی۔ صرف شہاب کی معیت میں اُن کے اصرار پر تم گئے تھے تو کیا جب تک وہ نہ آئینگے تم بھی نہ آؤگے۔ فرض کرو کہ وہ کبھی نہ آئیں تو پھر تم کیا کروگے۔ مجھے چھوڑ دوگے مجھ سے

کبھی نہ ملوگے۔ خدا جانے گھبرا کے بارہا ارادہ کیا کہ میں بھی آ جاؤں، لیکن جس بات کے لیے دل بے چین ہوتا ہی اُس کو کبھی نہیں پاتا۔ میں جانتی ہوں کہ نہیں جا سکتی، میں سمجھتی ہوں کہ تم تک نہیں پہونچ سکتی۔ لیکن جی ہی چاہتا ہی، دل اسی کے لئے بیقرار ہی تمھاری تحریرین بھی اتنی مختصر آتی ہیں کہ اُس سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہی کہ تم اچھی طرح ہو اور شاید خوش ہو اور مجھے پتہ نہین چلتا کہ وہاں کرکیا رہے ہو اور کب تک وہاں ٹھہرنے کا قصد ہی۔ رات دن کی سیر و تفریح سے تمھارا جی بھی نہین گھبراتا۔ مجھے بمبئی پر کیا کیا رشک آتا ہی کہ وہ ہر وقت تمھارے ساتھ ہی اور کسقدر غصہ ہی کہ وہ تمھارا دامن ہی نہین چھوڑتی، تمکو مجھ سے ملنے ہی نہین دیتی۔ دل میں خدا جانے کیا کیا وہم گذرتے ہین تمھارے نہ آنے سے عجیب عجیب باتین ذہن میں آتی ہیں، لیکن خدا جانے مجھے کیوں تمھاری محبت کا اسدرجہ یقین ہی کہ فوراً ہی تسکین بھی ہو جاتی ہی اور سمجھتی ہوں کہ تم اب آتے ہی ہوگے، تمھارا اب وہان جی نہ لگتا ہوگا۔ محبت بھی کیسی خود غرض ہی کہ مین چاہتی ہوں تم وہاں پریشان ہو جاؤ حالانکہ یوں تمھاری ادنےٰ سی تکلیف میرے لیے سوہان روح ہی۔ خدا کرے تم اس کے جواب میں مجھے یہ لکھو کہ فلاں تاریخ پہونچتا ہوں۔ تمھاری سکینہ

جس وقت شہاب و محمود ساحل سے ہوٹل واپس آئے تو محمود کو یہ تحریر ملی جس کو اسنے پڑھا اور پڑھتے ہی ایک خاص خیال میں مستغرق ہو گیا۔ شہاب سمجھ گیا تھا کہ سکینہ کا خط ہی اور یہ معلوم کر لینے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ اس کا مضمون کیا ہوگا کوئی ایسی مشکل بات نہ تھی۔ شہاب خود کبھی کسی سے سوال کرنے کا عادی نہ تھا اور جب تک دوسرا اُس سے کوئی ذکر نہ کرتا وہ اپنی طرف سے گفتگو کی ابتدا بہت کم اور صرف ضرورت کے مطابق کرتا۔ اس لیے اس نے کپڑے اتارنے کے بعد میز کے قریب کرسی گھسیٹ لی اور ایک انگریزی رسالہ جسے وہ بازار سے واپسی میں لیتا آیا تھا کھولکر دیکھنے لگا اُس کی عادت تھی کہ وہ تصویرین دیکھکر رسایل انگریزی کو پسند کرتا اور فرصت مین سب سے پہلے وہ اُنھین تصویروں کو ایک ایک کر کے دیکھتا اور کوشش کرتا کہ بغیر مطالعہ مضمون کے محض تصویر کا اندازہ دیکھکر سمجھ لے کہ کس خیال کی تصویر ہی اور کن جذبات سے متعلق ہی۔ بہت کم ایسا

ہوتا کہ اس کی رنگ آمیزی [illegible] تھی اور اس لئے وہ اپنے ذوق نقاشی کی خود ہی داد دلیا کرتا تھا
اس نے برقی شمع کے سامنے جو اس کے روبرو میز پر ایک سبز ریشمی فانوس کے
اندر قایم تھی سب سے پہلا صفحہ رسالہ کا کھولا اور اس [illegible] بالکل کھو گیا .... ایک دریا
اپنی پوری موج کے ساتھ جاری ہے اور نگاہ کو سوائے اُس سلسلۂ کوہ کے جو ایک طرف
ساحل کے منتہا سے شروع ہوتا ہے اور اُس وسیع ریگستان کے جو دوسرے ساحل کی ابتدا
ہے اور کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو اس منظر کی دلکش وحشت اور پُرسکون ویرانی
کی روح کو غارت کرنے والی ہو۔ چاند ایک پہاڑی کی چوٹی سے بلند ہوکر اپنی چادر سیمیں
پھیلا چکا ہے اور جس میں پانی کی موجیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس چادر کی شکنیں ہیں جنکو ہوا
نکالنا چاہتی ہے لیکن بجائے مٹنے کے وہ اور زیادہ بڑھتی جاتی ہیں۔ دریا میں ہچکولے
کھا کھا کر نیلوفر کے پھول کنارے آ لگے ہیں اور چکور اپنے پر پھیلائے ہوئے بیتابانہ
چاند کی طرف پرواز کو بلند کیئے جا رہا ہے۔ فطرت کے اس اچھوتے خلوت کدہ میں، قدرت کی
اس سادہ خوابگاہ میں ریگستان پہ تین جوان لڑکیاں شانہ و سر کھولے کھڑی ہیں اُنکے
ملبوس کا دامن ہوا میں اڑ رہا ہے اور اُن کے لانبے لانبے بالوں کے سیاہ پر جھونکی لہروں سے
چاندنی ہوا کے ساتھ مل مل کر کھیل رہی ہے۔ اسی وقت ننھا کیوپڈ اپنا تیر و کمان
سنبھالے ہوئے سامنے سے نظر آتا ہے جس کو دیکھ کر لڑکیاں سہم جاتی ہیں، باہم ایک
دوسرے سے خوف زدہ ہوکر لپٹ جاتی ہیں اور کیوپڈ ایک خاص شاہانہ انداز سے
پوچھتا ہے کہ۔

(اس سرزمین عشق و محبت میں کون اس وقت گستاخانہ پھر رہا ہے)

یہ تھا تصویر کا منظر جس کو دیکھ کر شہاب خدا جانے کس عالم میں پہونچ گیا اور وہ
بالکل بھول گیا کہ محمود ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو کیا کر رہا ہے، کس حال میں ہے۔ پورے
تیس منٹ اسی استغراق میں گذر گئے یہانتک کہ محمود نے تھک کر اُس سے پوچھا
کہ "شہاب کیا دیکھ رہے ہو؟"
شہاب نے چونک کر فوراً کتاب بند کر دی اور پھر کچھ سوچنے لگا۔ اُس [illegible]

اس وقت چمک رہی تھیں، اُس کے چہرہ پر اک خاص رنگ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اسپر کوئی غیر معمولی کیفیت طاری ہے۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد محمود اپنی جگہ سے اٹھا اور ارادہ کیا کہ شہاب کے سامنے سے رسالہ اٹھا کر خود دیکھے لیکن شہاب نے اُسے روک دیا اور بولا کہ

محمود تم اس وقت دیکھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ ممکن ہے فطرت تم سے برہم ہوجائے"

محمود" کیوں، کیا تم نے مجھے اسقدر گستاخ سمجھ لیا ہے۔ میں اور فطرت کی توہین کروں یہ تم پہلے شخص ہو جس نے میرے متعلق اس قسم کی رائے قائم کی اور شاید تمھاری زندگی میں بھی یہ پہلا موقعہ ہے کہ میری طرف سے ایسا اندیشہ تمھاری خاطر میں پیدا ہوا"

شہاب" جس وقت انسان اپنی کیفیات قلب سے مغلوب ہو جائے اُس وقت مناظر روحانی سے سروکار رکھنا غلطی ہے کیونکہ ایسی صورت میں قلب ہمیشہ روح پر غالب آجاتا ہے اور روح جس کی نزاکت اس امر کی بھی متحمل نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کوئی شکوہ یا تردید پیش کرے افسردہ و مضمحل ہوجاتی ہے اور میرے نزدیک اس سے زیادہ توہین فطرت کی اور کوئی نہیں ہوسکتی"

محمود" آپ کے ہاں قلب و روح الگ الگ دو ایسے مقام ہونگے کہ یہاں کی چیز وہاں اور وہاں کی یہاں نہ آسکتی ہوگی۔ مگر میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک حسیات قلب کا حد سے بڑھ جانا عین روحانیت ہے اور اس لیئے اگر کوئی شخص تاثرات قلبی سے سخت مغلوب ہوگیا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسپر چند بار روحانی طاری ہے اور اس لیئے اگر میں تسلیم بھی کرلوں کہ اس وقت تاثرات قلب سے مغلوب ہوں تو زیادہ مستحق دیکھنے کا ہوں نہ کہ تم جس کے سینہ میں قدرت دل رکھنا شاید بھول ہی گئی ہے"

شہاب" یہ تم نے بالکل صحیح کہا کہ قدرت نے میرے سینہ میں دل رکھا ہی نہیں اور شاید یہی سبب ہے کہ جو چند بات مرے اندر پیدا ہوتے ہیں وہ تمھارے جذبات سے بالکل جداہیں اور میں سمجھ سکتا ہوں کہ روح کیا چیز ہے اور اسکی ہیئت بیان کیا، جس کو اگر تم جانتے بھی ہو تو دانستہ آپ کے مطابق [illegible] اسکے ذریعہ [illegible] است محمود سے

گفتگو کرتی ہے۔ پھر ایک مسئلہ روحانی مین تمھارا قول زیادہ مستند ہوسکتا ہے یا میرا۔؟
ظاہر ہے کہ میری رائے زیادہ وقیع ہوگی اور اس لئے تمھیں عمل کرنا چاہیے اگر مین یہ کہتا ہون
کہ اس وقت یہ رسالہ نہ دیکھو"

محمود "جب تم تاثرات قلب سے آگاہ ہی نہیں تو تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ جذبات قلب
و روح میں اختلاف ہے"

شہاب "اس لئے کہ قلب و روح دو جدا جدا چیزیں ہیں اور چیزیں بھی ایسی ہیں جن میں
اختلاف جنس ہے اور اختلاف جنس مقتضی ہے اختلاف حد کا اس لئے جن الفاظ سے
دل کی تعریف (حد) بیاں کی جا سکتی ہے، انھیں الفاظ سے روح کی حقیقت کا اظہار نہیں
ہو سکتا۔ تم لوگ جو صرف قلب ہی کو روح سمجھتے ہو کیا جان سکتے ہو کہ کیسی سخت غلطی مین
مبتلا ہو اور تمھاری روحیں تم سے کسقدر آزردہ ہیں"

محمود "کیا کہوں شہاب میرے بس کی بات نہیں ورنہ میں تمھیں کہیں محبت میں مبتلا کر دیتا
اور پھر پوچھتا کہ کہئے قلب کا کیا حال ہے اس وقت روح پر کیا بن رہی ہے۔ تم کچھ کہتے
اور میں کہتا کہ یہ تو صرف قلب کا تاثر ہے روح کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، تم بگڑتے
اور میں خوش ہوتا، تم خفا ہوتے اور میں مسرور ہوتا۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا
اسلئے سنتا ہوں جو تم کہتے ہو اور برداشت کرتا ہوں جو سنتا ہوں۔ آزاد ہو۔ خلش سے
ناآشنا ہو، جس طرح چاہو حکیم بن لو، فیلسوف ہو جاؤ۔ محبت کرنے کا سلیقہ ہوتا تو پتہ چلتا
کہ دل جب تک مبتلا نہیں ہے سب کچھ ہے لیکن جہاں مبتلا ہوا پھر وہ خود کچھ نہیں ہے
یہانتک کہ وہ اپنی تپش کو بھی محبوب ہی کی تپش تصور کرتا ہے۔ یہ تو ساری ہوش کی باتیں
ہین کہ روح کیا ہے اور قلب کیا، اس کے تاثرات کیا ہیں اور اسکے کیا۔ وہ کب پیدا
ہوتے ہیں اور یہ کس وقت۔ لیکن جہاں یہ ہوش جاتا رہا پھر تو یہ خبر نہین ہوتی
کہ دل کہین تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا تو ...... وہ کہاں ہے۔ آہ شہاب اگر کبھی تم محبت
تو خدا جانے کیا ہو جاؤ"

اس لئے سمجھ سکتا ہوں کہ محبت کرنے کے بعد انسان عقلمند نہیں رہتا"

محمود" یہ سچ کہتے ہو کہ میں عقلمند نہیں ہوں اور نہ ہو سکتا ہوں - لیکن شاید یہ تمھیں سنکے حیرت ہوگی کہ میں اپنی بیوقوفی کو صد ہزار دانش و فراست کا عوض بھی دینا پسند نہیں کرتا اور اسپر مسرور ہوں"

شہاب" یہ صحیح ہے آخر تکمیل حماقت کا کوئی درجہ ہونا تو چاہئے - اگر کوئی ایسا نہ کرے تو سرخیل عشاق کیوں کر بنے"

محمود" خیر اس بحث سے کیا فائدہ - یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت یہ کیسے معلوم کر لیا کہ میں اپنی کیفیات قلب سے مغلوب ہوں اور حسن فطرت کا صحیح لطف نہ اٹھا کر میں اُس کی توہین کرنے والا ثابت ہوں گا"

شہاب" ایک عورت کی تصویر اکثر و بیشتر قلب ہی کو متاثر کرتی ہے اور سکینہ بھی شاید عورت ہی ہے"

محمود" شاید کیا معنے یقیناً سکینہ عورت ہے لیکن میں تمھارے اس دعوے کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں کہ عورت کی تصویر صرف قلب ہی کو متاثر کرتی ہے اور دماغ کو اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہی ہو تو بھی ممکن ہے کہ سکینہ اُن عورتوں میں نہ ہو کیونکہ تم نے اکثر و بیشتر کہہ کر ایسا ہونا ظاہر کیا ہے نہ کہ عام طور پر بغیر کسی استثنا کے"

شہاب" (مسکرا کر) ہاں اسکا بار ثبوت تمھارے اوپر ہے کہ سکینہ ان عورتوں میں نہیں ہے اور اسی لئے جب تک تم اسے ثابت نہ کر دوگے میں تمھیں کتاب نہ دیکھنے دونگا"

محمود" بتاؤ میں کیونکر ثابت کر سکتا ہوں یعنی کس طرح تم اس کا یقین کر سکتے ہو"

شہاب" خیر اچھا سنو - یہ بتاؤ کہ تم نے آج تھیٹر جانے کا قصد کیا تھا اور مجھے بھی مجبور کیا تھا - چلو گے یا نہیں؟"

محمود" بیشک"

شہاب" واقعہ یہ ہو کہ [illegible] تم سے کل حالات آج جواب [illegible]

اب اس سے زیادہ ثبوت مجھے اور کیا مل سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ سکینہ کی تحریر تمھارے جذبات روحانی میں تحریک پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ تاثر قلب کی صورت میں بھی کوئی شخص اُس سے جدا ہونا پسند نہ کریگا چہ جائیکہ تاثرات روحانی سے مغلوب ہونے کی حالت میں"

محمود۔ (ذرا پریشان ہوکر) نہ میں نے یہ کہا تھا کہ اسوقت میرا قلب متاثر ہو رہا ہے۔ نہ روح کی کیفیات کا ذکر کیا تھا۔ خود تمھیں نے فرض کرلیا کہ صرف میرا قلب متاثر ہے۔ اس لیے کتاب نہ دیکھنے دی کہ وہ عالم روحانیت سے متعلق تھی اور پھر آپ ہی تفسیر جاننے کا سوال کرکے یہ سمجھ لیا کہ میرا قلب بھی متاثر نہیں۔ چلو یہی سہی۔ اب تو کتاب دیکھنے دو چونکہ میں اسوقت تمھارے ہی خیال کے مطابق تاثراتِ قلبی سے بھی مغلوب نہیں ہوں۔

شہاب۔ اب میں تمھیں اس لیے نہ دکھاؤں گا کہ جب سکینہ کی تحریر بھی تمھارے قلب کو متاثر نہ کرسکی تو تم ایسے کہاں کے سخی ہو کہ محض ایک تصویر کو اپنی روح میں سے کچھ دیدوگے۔

محمود۔ دیکھو شہاب۔ خدا کے لیے مجھے اس حد تک مجبور نہ کرو کہ میں بالکل اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤں اور کسی دن تنگ آکر جان دیدوں۔ تمھارے اصرار سے میں یہاں صرف اسلیے آگیا تھا کہ شاید سکینہ کا خیال کچھ کم ہو جائیگا اور اس طرح میں مسئلہ نکاح کو کچھ دنوں کے لیے ملتوی کرکے غور کرسکونگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے یہاں آکر کوشش کی کہ اپنے جی کو سنبھالوں اور اپنے تئیں اسکی یاد سے زیادہ متاثر نہ ہونے دوں لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اب تمھیں مجھے ملامت کرتے ہو اور بُرا سمجھتے ہو۔ آخر تمھارا مقصد کیا ہے۔ مجھے نہ زندہ رہنے دیتے ہو نہ مرجانے کا۔ پھر میں آخر کس نوع کی زندگی بسر کروں میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ تم مجھسے چاہتے کیا ہو؟"

شہاب [illegible] بیقراری اور کبھی کبھی اس [illegible] کی بے چینی اور بیزاری [illegible]

محمود یہ [illegible] بے اختیار ہوکر اُٹھ بیٹھا اور [illegible] شہاب نے

[illegible] اُٹھائی [illegible] دیکھنے لگا [illegible]

[illegible] کھوانے کو [illegible] ...... ہوا [illegible]

[illegible] دیوار [illegible] شہاب

[illegible] تھا

اور اُس سے انتقام لینا چاہتا تھا بولا "کیوں میرے کھانے کو کیوں منع کر دیا"

شہاب "اس لئے کہ کھانا کھانے کے بعد تھیٹر جانا بیکار ہے"

محمود "اور جاتا کون ہے"

شہاب "میں اور میرے ساتھ تم"

محمود "میں تو نہ جاؤنگا"

شہاب "تو اور زیادہ قوی وجہ تمھارے کھانا نہ کھانے کی ہے کیونکہ جو شخص اس قدر مغموم ہو کر اپنی غذائے قلب ترک کر دے۔ اسکو غذائے جسمانی کی پرواہ کیا ہوسکتی ہے"

محمود نے جلکر برقی بٹن دبایا تاکہ خادم کو بلائے اور اپنے کھانے کے متعلق حکم دے کہ یہیں لاؤ۔ شہاب نے محمود کے اس انداز کو سمجھا اور خاموش رہا۔ لیکن جب خادم آیا تو شہاب نے ایک نگاہ محمود پر ڈالی اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس نگاہ میں کیا اثر تھا کہ محمود کی زبان سے کھانے کے متعلق ایک لفظ نہ نکلا۔ اور صرف برف آب لانے کا حکم دیکر اسکو رخصت کر دیا

اسمیں شک نہیں کہ محمود بسا اوقات شہاب کی باتوں سے اسقدر بیزار ہوجاتا تھا کہ وہ گھبرا کر دلمیں عہد کر لیتا تھا کہ اب اِس سے نہ ملونگا۔ لیکن خدا جانے شہاب کا کیا اثر تھا، وہ کیسی قوت مقناطیسی تھی جو محمود کو مجبور کئے ہوئی تھی اور وہ انتہائے غیض و غضب کی حالت میں بھی اُسکی مخالفت نہ کر سکتا تھا۔ محمود مغموم تھا، خاموش تھا۔ اور اُسکی حالت ہرگز اس قابل نہ تھی کہ وہ اسوقت کسی سیر و تفریح میں حصہ لے سکے لیکن جب ۹ کا وقت قریب آ گیا اور شہاب نے گاڑی طلب کر کے محمود کو کہا کہ چلئے تو وہ انکار بھی نہ کر سکا اور شہاب کے ساتھ ساتھ اسی طرح ہو لیا جیسے کوئی گلے میں زنجیر ڈالے ہوئے لیجا رہا ہو۔

تھیٹر ہال دیدہ برقی روشنی اور نیچے فرش کی سطح جگمگا رہا تھا۔ بمبئی کا بہترین حسن اور حسن کی بہترین خود آرائیاں، تہذیب و تمدن کے بہترین [illegible] کی بہترین زرکاریاں، جلوۂ زیبائی کی بے پناہ عشوہ باریاں، ناز و کرشمہ کی محشر خیز [illegible] جمال کی بے نیازیاں، آہ اُنہوں کی دلربائیاں، رنگین معطر ساریاں اور ان ساریوں کی [illegible] تھیٹر ہال جہاں محمود و شہاب پہونچے اور کسی نہ کسی طرح اس سیلاب تک [illegible] ہوتے ہوئے اپنی اُن کرسیوں تک پہونچے جنکو اُنھوں نے شام ہی کو اپنے لئے مخصوص [illegible] تھا پردہ اٹھا اور تماشہ شروع ہوا۔

باقی آئندہ   نیاز فتحپوری

کیا تم کو مجھسے محبت ہے؟

میں نے اُن سے پوچھا، اُس وقت جبکہ وہ، نہایت بے چینی کیساتھ دادخواہانہ انداز سے ہاتھوں کو جوڑے، ہوئے، اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی آنکھوں کو میریجانب اٹھائے۔ مجھسے کہہ رہے تھی "پیاری مجھپر رحم کرو"

میں نے اُسوقت اُن سے پوچھا "کیا تمکو مجھسے محبت ہے؟

ہائے اُن کو یہ نہیں معلوم کہ اُن کی حالت سے کہیں زیادہ، میں اُنکی محبت میں، تباہ وزار ہوں۔ میں اِس التجاے محبت اس التماس درد سے بیتاب ہوگئی، اور میں نے اُن سے بے اختیار پوچھا "کیا تمکو مجھسے محبت ہے؟

میرا جی چاہتا تھا میں اُن سے یہی پوچھے جاؤں، اور یہ بھی خواہش تھی کہ سچ سچ بات کہدوں، اپنی فتادہ حالت اُن پر ظاہر کردوں، مگر آہ کچھ نہ کہہ سکی، اور یہ پوچھکر، کیا تم کو —— مجھسے محبت ہے؟

اُن کے جوڑے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر میں تو بے اختیار رو پڑی!؟

ہائے مجھے کیا خبر تھی، کہ وہ مجھے، مجھسے سوا چاہتے ہیں!!

"خلیقی"

تلاشِ عیش

بسلسلۂ گذشتہ

دنیا میں نیا خیال معمولی چنگاری کی صورت ایک دماغ سے نکلتا ہے دوسرے دماغ اُسی سے آگ پکڑ کر مشتعل ہو جاتے ہیں ہر دماغ ان شعلوں کے حق میں ایندھن بننے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک عظیم آتش برپا ہو جاتی ہے اور اُس حقیر چنگاری کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں سے آئی تھی اور کہاں گئی۔ حسینہ نے جو چنگاری چھوڑی تھی اسکا بھی یہ ہی حشر ہوا کہ ملک میں ایک آگ لگ گئی۔ کوئی نہ جانتا تھا نہ جاننے کی کسی کو خواہش تھی کہ یہ آگ کس کی لگائی ہوئی ہے۔ دس برس کی لگاتار محنت اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسٹر طیب جی کا مسودۂ قانون متعلق طلاق امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پاس ہو کر ملک میں نافذ ہو گیا۔ اِس دس برس میں تین بار کونسل میں یہ پیش ہوا اور تینوں بار اس کی مخالفت ہوئی پہلی مرتبہ اس کی مخالفت میں حکام بھی شریک تھے صرف ایک مسلمان ممبر تھا جس نے اس کی تائید کی تھی باقی کل ہندو اور مسلمان ممبر اس کے خلاف تھے۔ دوسری بار ہندو ممبران نے کوئی رائے موافقت یا مخالفت میں نہیں دی تیسری بار حکام نے رائے دینے سے انکار کیا۔ صرف مسلمانوں کی کثرت رائے سے نامنظور ہوا۔ لیکن چوتھی مرتبہ مسلمانوں کی جانب سے کسی قسم کی مخالفت نہوئی اور بخیر و خوبی کونسل سے پاس ہو گیا۔ انسانی رائے ہر رنگ میں رنگی جا سکتی ہے صرف تدبیر اور صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ وہ انسان جو سوجھ بوجھ رکھتا ہے اور تحمل کے ساتھ مخالفت کا مقابلہ کر سکتا ہے وہ سوسائٹی کے راسخ سے راسخ اعتقاد اور مستحکم سے مستحکم خیال کو بدل دیسکتا ہے پچھلی صدی کے آخری حصہ میں سید احمد خاں کی تخریب مذہب کی تحریک کیونکر کامیاب ہوئی۔ اسلام کی روح اور اسکے بنیادی اُصول کو فنا کر دیا۔ در اسوقت تک شیدائے اسلام کہلائے جاتے ہیں اور جب وقت نام آتا ہے لوگ علیہ الرحمۃ کہنے کو تیار ہو جاتے ہیں

اس پاس شدہ قانون کی رو سے زوجہ بھی ناموافقت مزاج یا اسی قسم کے دوسرے وجوہ کی بنا پر عدالت میں طلاق حاصل کرنے کا دعویٰ کر سکتی ہے اور عدالت زوج اور زوجہ کے اعزا میں سے چند آدمیوں کی کمیٹی اس غرض سے مقرر کر سکتی ہے کہ دونوں کے مابین مصالحت کرائیں۔ مصالحت نہونے کی صورت میں عدالت مجبور ہے کہ عورت کو طلاق دلا دے لیکن اس حالت میں عورت موجل مہر پانیکی مستحق نہ ہیگی۔

حسینہ بمبئی میں صرف دو برس جاکر مسز صالح جی کے ساتھ رہی تھی پہلی بار قانون طلاق کا مسودہ جب کونسل سے نامنظور ہوا ہے تو وہ بمبئی ہی میں تھی اسوقت تک اس تحریک میں اسکا نام شریک تھا۔ ملامت کا طوفان جو ملک میں اسوقت برپا تھا اس کے تھپیڑے اسپر بھی لگے تھے لیکن دو برس کے بعد اسکی زندگی پھر بدلی۔ اسکے مقاصد کی تکمیل کا کام دوسروں کے ہاتھوں میں گیا اسنے نئے سرے سے اپنی نسوانی زندگی شروع کی

مولوی فریدالدین صاحب فالج میں مبتلا ہوئے اسکی اطلاع بلقیس نے اسکو دی حسینہ نے مولوی صاحب کو تار دیا کہ میں آپکو دیکھنے کیلئے آنا چاہتی ہوں کیا مجھے آپ اپنے گھر میں آنے دینگے۔

مولوی صاحب نے جواب دیا "بہت خوشی سے" حسینہ فوراً روانہ ہوئی اپنے میاں کے گھر جب آئی تو دیکھا کہ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا ہے۔ اسکے ماں اور باپ بلقیس کی ساس وغیرہ سب جمع ہیں۔ حسینہ پہلے کچھ جھجکی اور خیال کیا کہ یہاں نہ اتروں لیکن پھر سوچی چھپنا اور جھجکنا گو یہ بتی اور جرم کا اعتراف ہے میں نے کوئی جرم نہیں کیا میں کیوں کسی سے شرماؤں۔

جسوقت حسینہ کمرہ میں داخل ہوئی اسوقت بہت سی عورتیں اور مرد اعزا بیٹھے تھے مولوی صاحب پلنگ پر پڑے تھے۔ ایک ہاتھ اور ایک پیر بیکار تھا۔ دماغ صاف ہو چکا تھا لیکن زبان میں لکنت باقی تھی حسینہ سیدھی گئی اور مولوی صاحب کے پلنگ کے پاس ایک اسٹول رکھا تھا اسپر بیٹھ گئی۔ سب کی نگاہیں اسی کی طرف تھیں۔ اسکو دیکھنے میں لوگ اسقدر محو تھے کہ سب نے اسکے سلام کا جواب بھی اشارہ ہی سے دیا شاید لوگوں کو

حیرت اسکی بیباکی پر ہوا اسکا اسطرح آنا اور بے جھجک جاکر مولوی صاحب کے پلنگ کے پاس بیٹھ جانا شاید توقع کی خلاف ہو۔ حسینہ کی ماں سے نہ رہا گیا اُٹھ کے گئیں اور گلے لگا کر رونے لگیں۔ مولوی صاحب بھی زار زار رونے لگے حسینہ پر بھی اس غیر معمولی سماں کا بے انتہا اثر ہوا اُس کی بھی ہچکیاں بندھ گئیں لوگوں نے مولوی صاحب کو رونے سے منع کیا مگر ایسے وقت میں دل اختیار سے باہر ہوجاتا ہے رونا کسی کے روکے نہیں رُک سکتا۔ سب کو یہ خیال تھا کہ رونے دھونے کے بعد جب طبیعت ہلکی ہوجائیگی اور بات چیت شروع ہوگی تو حسینہ شوہر سے اپنی حرکات کی معافی مانگے گی یا کسی اور طریقہ سے اظہار ندامت کریگی۔ مگر حسینہ نے اس قسم کی کوئی بات نہ کی اور مولوی صاحب نے بھی مطلق کوئی تذکرہ نہیں چھیڑا بر خلاف اسکے یگانگت اور خلوص نہایت درجہ بے ریائی سے اس طرح ظاہر کیا کہ فوراً حسینہ سے اپنا کام لینے لگے۔ یہی کہ رومال اُٹھا دو۔ ہاتھ کھل گیا ہے۔ ڈھک دو۔ حسینہ نے بھی کسی قسم کا تکلف نہیں برتا فوراً اپنی کھلی پھرنے لگی یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھر کی بیوی کہیں مہمان گئیں تھیں آج واپس آئی ہیں۔

دو ایک روز بعد جب قصے چھڑے تو حسینہ نے اپنے خیالات جنکی بنا پر وہ واپس آئی تھی مولوی صاحب سے اور نیز دوسرے لوگوں سے بیان کیے اُس نے کہا کہ میں یہاں سے اسوجہ سے چلی گئی تھی کہ میرے اور مولوی صاحب کے درمیان موافقت مزاج نہ تھی۔ میں کمسن تھی میری طبیعت میں امنگ تھی ہر چیز کی خواہش تھی دل عیش و آرام ڈھونڈتا تھا چہل پہل سرور و طرب پر میں فدا تھی۔ ہنسنے بولنے کھیلنے کودنے کو دل چاہتا تھا۔ مولوی صاحب کی طبیعت میں لچک باقی نہیں رہی تھی اُنمیں کچھ تو قدرتی طور سے لطف زندگی حاصل کرنیکا مادہ نہ تھا اور زیادہ تر سن کی وجہ سے ان چیزوں سے نفرت ہوگئی تھی۔ میرا اُنکا جوڑ نہ تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بھی بات نہ تھی۔ مگر انھوں نے میرے ساتھ سلوک اسطرح کہ قید میں بند کر دیا اور کوئی بدسلوکی نہیں کی لیکن ایک جیتے جاگتے آدمی کو اسکے خلاف طبیعت مقید کرنا ہی کیا کم بدسلوکی تھی خیر اب میں نے دنیا کا تجربہ حاصل کیا۔ میری طبیعت میں بھی سن زیادہ ہونے سے اب تغیر ہوا۔ مجھے اب یہ معلوم ہوا کہ میرے اور اُنکے کوئی لڑائی تھی ہی نہیں صرف میرے اصول اور اُنکے

اصول کے درمیان جھگڑا ہے۔ میری اور اُنکی لڑائی پُرانے اصول اور نئی روح کی لڑائی ہے۔ میری ذات سے نہ اُنکو مخالفت ہے نہ انکی ذات سے کسی قسم کی مجھکو مخاصمت ہے دنیا کی نئی قوتیں پُرانی قوتوں سے مقابلہ کررہی ہیں ایک دوسرے کو زیر کرنیکی کوشش کررہی ہیں۔ میری اور مولوی صاحب کی یہی لڑائی ہے اور یہ میری اور اُنکی زندگی تک جاری رہیگی۔ اس جنگ کو ختم کرنا میرے اختیار میں ہے نہ اُن کے بس میں۔ اپنی پیدائش کی تاریخ نہ وہ بدل سکتے ہیں نہ میں بدل سکتی ہوں۔ میں نے جب اُنکی علالت کی خبر سنی تو میں نے ان معاملات پر غور کیا۔ اور میرے دل نے یہی کہا کہ مجھے وہاں جاکر اُن کی خدمت کرنا چاہیئے۔

مولوی صاحب علیل تھے انکو دنیا کی نئی اور پرانی قوتوں سے کوئی سروکار باقی نہ رہا تھا وہ اس خیال سے کہ بیوی نے خلاف توقع بُرے وقت میں ساتھ دینے کا قصد کیا اسدرجہ خوش ہوئے کہ اُنھیں کوئی شکایت بیوی سے نہ رہی جو لوگ بمقتضائے طبیعت دو شخصوں کی آپس کی لڑائی میں دلچسپی لیا کرتے ہیں اُنھوں نے مولویصاحب کو بیحیا اور بے غیرت بنانا شروع کیا اور حسینہ کو کہا کہ دیکھو کیسی چلتر باز ہے کہ جب دیکھا کہ میاں مرنے کو ہیں تو اُنکی جائداد لینے کے لئے گھر میں آبیٹھی اور اس دیدہ کو دیکھو کہ کسی طرح کی ندامت اور اپنے کئے پر پچھتانیکا ذکر تک نہیں۔

حسینہ نے حق زوجیت بہترین طریقہ سے شوہر کی خدمت کرنے میں ادا کیا اُسکو اس کام میں اسیقدر انہماک تھا جتنا کہ مسئلہ طلاق میں پہلے تھا۔ اسکا نتیجہ یہ تھا کہ مولوی صاحب بے انتہا خوش تھے اور ہر وقت دعائیں دیتے اور تعریفیں کیا کرتے تھے۔

حسینہ کے آنے کے بعد مولوی صاحب صرف دو سال زندہ رہے اور یہ دو سال بھی سلسلہ دار بیماری کے تھے اس زمانہ میں مسئلہ طلاق کے ساتھ جو دلچسپی حسینہ کو تھی اُسے وہ قائم نہ رکھ سکی بیماری کے کاموں کی مصروفیت میں ذہنی انہماک مشکل سے برقرار رہ سکتا ہے۔ افکار ذہنی کے لئے دنیا کے عملی کاموں سے فرصت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہ فرصت اس زمانہ میں اُسے نصیب نہ ہوئی۔ بہر حال اُسکے دلکو یہ اطمینان تھا کہ میں ایک اچھا کام کر رہی ہوں۔ اس لئے وہ خوش اور سچال تھی۔ مولوی صاحب کے انتقال نے دفعۃً یکبارگی خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ مولویصاحب

کے ساتھ حسینہ کو کسی قسم کی محبت نہ تھی بلکہ سوائے آخری دو سال کے برابر لڑائیاں رہی رہیں اور اب خود مختار اور جائداد والی بھی ہوگئی تھی جو چاہتی چین و عیش کرتی لیکن اسکے دلکو چین نہ تھا ذہنی افکار کا یک قلم بند ہو جانا اور کوئی علمی کام کا نہ ہونا اُسے پیسے ڈالتا تھا خلو دماغ انسان کے لئے ایک مصیبت ہے خاصکر جبکہ کوئی شخص ذہنی اعمال کی لذت اُٹھا چکا ہو حسینہ ذہنی انہماک کی وہ شان بھی دیکھ چکی تھی جسمیں علویت کے جلوے دماغ میں آنے لگتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسکا تعلق کسی ایسی ہستی سے ہونے لگا ہے جو پندار سے بالاتر ہے۔ ایسی لذتیں حاصل کئے ہوئے شخص کے لئے ذہنی سقوط ایک ناقابل برداشت تکلیف تھی۔

حسینہ نے مولوی صاحب کے چالیسویں کے روز محفل میلاد منعقد کی اور مولوی عبد الغفور صاحب کو بیان کرنے کے لئے بلایا۔ مولوی عبد الغفور صاحب بہت خوش بیان تھے لیکن انکی خوش بیانی اور تمام ذہنی طاقتیں شیعہ سنی کے مناظرہ میں صرف ہوتی تھیں شیعہ کو وہ عیسائی اور ہندو سے بدتر سمجھتے تھے اور اپنے خیال کے ثابت کرنے میں انتہائی کوشش فرمایا کرتے تھے شیعوں کو تو دائرہ اسلام سے خارج کر ہی دیا تھا جو لوگ تفضیلی مذہب رکھتے تھے اُنکی نجات کے بھی وہ قائل نہ تھے خدا کی رحمت اور برکت کو اُنھوں نے اہل سنت و جماعت کے حنفی مذہب گروہ کیلئے مخصوص کر دیا تھا۔ اور کسی جماعت کو وہ مستحق عنایات الٰہی کا نہیں سمجھتے تھے۔ بیان میلاد میں اُنھوں نے عذاب و ثواب کی ہیبت ناک اور خوشگوار تصویریں دکھلائیں۔ خدا کے قہر سے غریب جہلا کو اس طرح دہلایا اور ڈرایا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی جہنم کی تکالیف برداشت کیے ہوئے مولوی صاحب آرہے ہیں۔ اونچا گھٹنہ اور نیچی ڈاڑھی رکھنے والوں کے لئے جنت کے سبز باغ دکھلائے حسینہ کی طبیعت مولوی صاحب کے بیان سے بجائے شگفتہ ہونے کے نہایت کلفت ہوئی اُسے یہ معلوم ہوا کہ اُسکے دل و دماغ کو کسی نے شکنجہ میں رکھکر کس دیا ہے۔ طبیعت بہت ہی بیحظ ہوئی بلقیس سے کہنے لگی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو کچھ سنا ہے اُسے کسی طرح بھلا دوں جی الٹا جاتا ہے بڑی اُیسی چیز کھا کے جسطرح استفراغ پر طبیعت آمادہ ہوتی ہے یہی حالت میری ہو رہی ہے جو کچھ سنا ہے دل چاہتا ہے اسے نکالدوں“

بلقیس۔ بیوی تمہاری طبیعت بہت نازک ہوگئی ہے۔

حسینہ۔ نزاکت کی بات نہیں ہے۔ میں اچھی طرح بیان نہیں کرسکتی بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اچھے کام کرنے کی تحریک بغیر خوف اور ڈر کے نہیں ہوسکتی۔ انکو ہر چیز ڈراونی اور خوفناک ہی نظر آتی ہے۔ انکا خدا انکے پیچھے ڈنڈا ہی لئے کھڑا رہتا ہے۔

بلقیس:۔ مولویصاحب نے تو وہ ہی بیان کیا جو کتابوں میں لکھا دیکھا ہے۔ اسمیں ان کی بیچاری کی کیا خطا ہے۔

حسینہ۔ نہ معلوم مجھے کیا ہے کہ کتابی باتوں سے میرا دل نہیں بھرتا۔ جو لوگ کتابیں زیادہ پڑھتے ہیں انمیں سوچ اور فکر کا مادہ کم ہو جاتا ہے جسطرح مشینوں سے ہاتھ کا ہنر جاتا رہا اسی طرح کتابوں کی وجہ سے ذہن کند ہوگئے۔

بلقیس یہ تمنے خوب کہا تم تمام علوم کو بیکار کئے دیتی ہو۔

حسینہ۔ نہیں یہ میرا مطلب نہیں ہے۔ علوم کو اور کتابوں کو میں بیکار نہیں سمجھتی مگر اتنا میں ضرور کہوں گی کہ سوچ اور فکر کا مادہ بہت کم ہوگیا ہے۔ اور باتوں کو تو میں نہیں جانتی مذہبی باتوں میں تو مجھے مسئلے بنانے سے نفرت ہے۔

بلقیس۔ یہ تمنے بالکل الٹی بات کہی۔ مذہب ہی میں تو کتابی باتوں کی ضرورت ہے کیونکہ خدا اور رسول کے احکام سوائے اسطرح کے اور کسطرح معلوم ہوسکتے ہیں۔

حسینہ۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا اور رسول کے احکام ماننے کے لئے تو تم تیار ہو لیکن خدا اور رسول کے قریب جانے سے ڈرتی ہو۔

بلقیس۔ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی۔ خدا اور رسول کے قریب جانا کیسا؟

حسینہ۔ قریب جانا یہ کہ ان سے اپنا رشتہ قائم کرنا ان سے ہدایت لینا؟ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ جو خدا اور رسول کی ہدایت چاہتا ہے اسکو براہ راست ہدایت ملتی ہے۔

بلقیس۔ خدا اور رسول کہنے کے لئے آگئے ہیں۔

حسینہ۔ بیشک جو بلاتا ہے [illegible] کہنے کے لئے آگئے ہیں خدا کے احکام کی تلاش تو اسقدر [illegible] مگر خدا کی تلاش نہیں کی جاتی۔

بلقیس - تو یہ کہو کہ تم صوفی بن رہی ہو۔

حسینہ - میں ان لقبوں کے نہیں قائل ہوں مجھے ان سے سخت نفرت ہی صوفی ووفی کیسے میں انسان ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے خدا سے واسطہ رکھے میں اسی سے واسطہ رکھنا چاہتی ہوں اور کچھ بھی نہیں سمجھے مولوی صاحب کا بیان اسوجہ سے برا معلوم ہوا کہ انھوں نے خدا کو جو بنا دیا انکا مطلب یہ تھا کہ اُسے تم جانو نہیں [illegible] خالی ڈرتی رہو جیسے ایک بڑی ساس سے بہو ڈرتی رہتی ہے۔

بلقیس - اچھا اب مجھے یاد آیا ممبئی جانے کے پیشتر ایک روز تم اکیلی بیٹھی یوجا کر رہی تھیں تو تمنے خدا ہی کو دیکھا ہوگا۔

حسینہ - کیا بات تم نے یاد دلائی دل لوٹ گیا - بس میں یہی چاہتی ہوں کہ جو کچھ میں نے اسدن دیکھا تھا۔ اکثر دیکھا کروں۔

بلقیس تمنے کیا دیکھا تھا کچھ بیان تو کرو۔

حسینہ - وہ بیان کرنے کے قابل ہی نہیں - اگر بیان میں آسکتا تو میں بھی کتابیں نہ لکھ ڈالتی۔

بلقیس - تو اب تمھارے ولی ہونے میں کیا بات باقی رہگئی - گر یہ کیا بات ہی کہ حضرت موسیٰ تو اسکی تجلی دیکھکر غش کھا کے گر پڑے تم ہوش میں رہیں - تمھارا درجہ بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔

حسینہ - اسکی تجلی کیا صرف ایک ہے لاانتہا تجلی کے اقسام ہیں - تم دیکھ لو اور اُس کے بعد اس طرح کی باتیں بناؤ تو میں جانوں -

بلقیس حسینہ کو بنانے کی کوشش کرتی تھی مگر حسینہ پر اسکا مطلق اثر نہوا وہ نہایت ہی سنجیدگی سے باتیں کرتی رہی - آخرکار اسکا اثر بلقیس پر بھی ہوا وہ بھی سنجیدہ ہو کر باتیں کرنے لگی اسکو بھی یقین ہوگیا کہ حسینہ نے بیشک ایسا کچھ دیکھا ہے جسنے اسکے دل کو پلٹ دیا -   (باقی آئندہ)   [illegible]

ذات

ماہ فروری کے تمدن میں عنوانِ بالا پر ایک مضمون شایع ہو چکا ہے جو ان چند سطور کے لکھنے کا محرک ہوا۔ میرے لائق دوست، قاضی محمود حسن صاحب اسرائیلی نے اپنے سلسلۂ مضمون کی ایک کڑی یہ قرار دی ہے "ذات" کا وجود کن نقصانات کا موجب ہوا۔ اسکے تحت میں جو اظہار خیالات کیا گیا ہے شبہ نہیں کہ اس سے ہمارے بعض برادران وطن کو غلط فہمی پیدا ہو اور وہ اپنے واجب التعظیم واضع قوانین مذہبی پر ناجائز اور دلشکن حملہ تصور کریں۔ اسلئے میں بطور ضمیمہ و تکملہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے لائق دوست کو اس اظہار خیال سے صرف امر واقعی بیان کرنا مقصود ہے نہ کسی قوم کی دل شکنی ذاتوں کے رسمی تعینات سے جو خرابیاں فی زماننا وقوع میں آئیں۔ اور ترقی کی سدراہ نہیں۔ ان کو تمام اہل ہند متفقہ طور پر محسوس کرتے اور تسلیم کر چکے ہیں۔ لیکن اس ناگوار تحدید کو منو جیسے بیدار مغز واضع قوانین کی اصولی غلطی پر محمول کرنا خالی از اعتساف نہیں۔ کیونکہ اس خلاف قیاس تعین کو اگر مذہباً اصول واجب التعمیل قرار دیا جائے تو ہندوستان کا وہ قدیم زمانہ جو مذہبی پابندی کے عروج و کمال کا زمانہ تھا کوئی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا جو ایسے اصول کے کلیتہً مخالف ہوتی۔ مورخین ہند سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ شدر کا بلحاظ اپنے طبعی میلان اور فطری قابلیت سے بلا تعرض وہ مرتبہ حاصل کر لیتا تھا۔ جو بڑے سے بڑے برہمن کو میسر ہوسکتا ہے۔ پرماتما بھگتی۔ ... یم۔ اور تپشیا وغیرہ اوصاف حسنہ جس میں پائے جاتے تھے۔ وہ بلا لحاظ قومیت یکساں طور پر واجب التعظیم ہوتا تھا۔ اسی طرح ایک برہمن زادہ جہاں تماتر اپنے دل میں ازل آور شجاعت و لبالت کا ولولہ رکھتا تھا۔ اور فطرۃً فنون سپاہ گری کیطرف مائل ہوتا تھا۔ اعلیٰ فوجی عہدہ کا امتیاز پاتا تھا۔ آریہ ورت میں صدیوں یہ عملدرآمد جاری رہا ہے چنانچہ منو رشی سے بہت زمانے کے بعد پرتر ... نشٹ رامائن کے جلیل القدر مصنف مہارشی بالمیکی گذرے ہیں جو بلحاظ اپنے آبائی پیشے کے سوپ بنانے والے شدر تھے۔ لیکن اُن کے ... [illegible]

باوجود شدر ہونے کے اوصاف جہانداری و کشورکشائی سے متصف تھا اور اس کے بعد اسکی اولاد بھی کھتری کہلائی۔ سری کرشن جی اور انکے بھائی بلرام جی ذات کے اہیر تھے جنکے بچپن کا زمانہ اپنے ہمقوم دہقانی لڑکوں کے ساتھ کھیلنے اور گائے بھینس چرانے میں گذرا۔ مگر جب ہوش سنبھالکر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور فطری جوہر کھلے تو سندیپن رشی کے آشرم میں جانے لگے اور پھر جو رتبہ پایا سب پر روشن ہے۔ انکی بہن کی شادی ارجن چھتری برن سے ہوئی۔ اور خود انکی شادی راجہ رکمن کی دلاری کنیا سے ہوئی۔ اسیطرح ویدآ بیاس چھتری تھے اور رشی کہلائے۔ ویدوں کی تالیف و ترتیب انہی کی ذات بابرکات کا نتیجہ ہے۔ ویدانت شاستر انھیں کے زور قلم کا نمونہ ہے۔ ان کی اولاد بھی برہمنوں میں مل جل گئی۔ آجکل کے راج شاہی بنئے چھتریوں کی اولاد ہیں۔ مگر مدتوں سے ویشیوں کا کام انجام دیتے ہیں۔ پس اگرچہ ہم اہل ہنود کی ذات بندی کے فلسفے سے نابلد محض بھی کیوں نہوں۔ جب بھی متذکرۂ بالا موٹی موٹی باتوں سے کبھی انکار نہیں کرسکتے۔ اور یہی کھلی ہوئی مثالیں منورشی کو ہر الزام اور تہمت سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔ یہاں اسقدر اور اضافہ کردینا بیمحل نہوگا کہ آریہ متقدمین میں دو قسم کی کتابیں پائی جاتی ہیں ایک شاستر دوسری سمرتی اول الذکر کے قوانین میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا برخلاف موخرالذکر کے کہ اسمیں جو اصول و قواعد منضبط ہیں وہ زمانے کی ارتقائی رفتار کے تحت میں مصلحت وقت کے مطابق تقدیم و تاخیر یا کم و بیش ترمیم و تبدیل قبول کرسکتے ہیں۔ میرے نزدیک ہمارے ملک کی خرابی اور خستہ حالی اس قسم کی ذہنی کوتاہ اندیشیوں سے وابستہ نہیں اور نہ کسی خاص اصول کی کمی پر مبنی ہے۔ بلکہ اسکا اصلی سبب ہی غفلت اور جمود و خمود کی کیفیت ہے جو ہر قوم اور ہر فرقے پر قانون تجدد ادوار کے تحت میں ایک عروج کے بعد طاری ہوجاتی ہے۔ ہندوستانیوں کو عروج اور ترقی اسی حالت میں حاصل ہوسکتی ہے جب کہ وہ اپنے اسلاف کے قائم کردہ اصول کو مد نظر رکھکر ضرورت کے مطابق اُن کی اصلاح کرتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جائیں۔

نثار احمد خاں از کلکتہ

واٹرلو

(لارڈ بائرن)

رات کے وقت نعرۂ خوشی بلند ہو رہے تھے۔

بلجیئم کے دارالخلافت میں حسن کے جلوے اپنی قوت دلبری و دلربائی دکھا رہے تھے اور شجاعت

بہادری کے دیوتا خوشیاں منا رہے تھے۔

چمکتے ہوئے چراغوں کی روشنی مہ جبیں حسینوں اور بہادر سپاہیوں پر پڑ رہی تھی۔

ہزارہا دل فرطِ انبساط سے اچھل رہے تھے

راگ شروع ہوا اور ساتھ ہی دلفریب و سحر آگیں آنکھوں سے پرکیف اشارہ بازیاں ہونے لگیں۔

ہر طرف مسرت جلوہ نما تھی لیکن . . . . . .

یکایک ایک کرخت آواز کانوں میں آئی

"کیا تم نے بھی اسکو سنا؟" "نہیں"! "شاید تیز ہوا ہے!

"یا کوئی بڑی گاڑی کسی اونچی سڑک پر تیزی سے جا رہی ہے۔"

رقص کئے جاؤ۔ خوشی میں فرق نہ آنے دو۔

تمام رات جشن ہونا چاہیئے کیونکہ جوانی کے سرشار نشہ اور فرطِ انبساط ذرا ان کی تاریک گھڑیوں کو دنیا سے معدوم کر دیگا

لیکن سنو! ایک اور آواز سنائی دیتی ہے سخت آواز گویا بادلوں سے ٹکرا رہی ہے۔

آواز اور قریب آتی ہے! زیادہ صاف طور سے سنائی دیتی ہے پیشتر سے زیادہ خوفناک ہے۔

ہتھیار سنبھالو! وہ! وہ! توپوں کی ہولناک آواز ہے!

بہادر سپاہی جانباز گھوڑوں پر جلدی سے سوار ہو گئے۔

اسپ صبا رفتار مجمع لشکر۔ جنگی گاڑیاں!

نہایت سرعت کیساتھ روانہ ہوئے اور میدانِ جدال و قتال میں شامل ہو گئے دور کی توپوں کی آواز

اور قریب کے نقاروں نے سپاہیوں کو میٹھی نیند سے بیدار کر دیا۔

شہر کے باشندے میٹھی نیند سے جنکی آنکھیں ملی ہوئی تھیں اور حیرت زدہ ہو کر چلائے کہ غنیم سر پر آگیا

گذشتہ دوپہر کے وقت سپاہی زندگی میں محو تھے۔

شام کو حسینانِ جہاں آرا کے ساتھ ساغر چل رہا تھا۔

منظر نوروز

۲۳ مارچ ۱۹۱۸ء کو نواب نصیر الممالک بہادر عارف قنصل دولت علیہ ایران کے ہاں دولتکدہ پر جشن نوروز باری کے ضمن میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں یہ نظم بھی پڑھی گئی۔

آغاز فصل گل ہے مستی فزا ہوا ہے — ہنگام دور دل ہے ہنگامہ عیش کا ہے

بلبل نشید خواں ہے اُف جوش سبزہ و گل — نوروز کا سماں ہے گلشن ہرا بھرا ہے

نغمے تو بلبلوں کے، اکثر سنے ہیں ہم نے — یہ طرز ہی جدا ہے یہ رنگ ہی نیا ہے

رنگ چمن سراسر دلچسپ و دلنشیں ہے — بوئے سمن برابر جانبخش جانفزا ہے

گل کی کرشمہ سازی، تصویر دلنوازی — نرگس کی دیدہ بازی آئینہ وفا ہے

باد سحر نے چھیڑا، اب خواب ناز کیسا؟ — صحن چمن کا سبزہ بیگانہ آشنا ہے

شیریں نوائیوں سے بلبل ہے شورش افگن — رنگیں ادائیوں سے گل طاقت آزما ہے

آفت فشاں اشارے خاطر نشیں نظارے — نرگس کی انکھڑیوں میں شوخی ہے یا حیا ہے

شوخی ہو خواہ تمکیں حسن ادا ہیں دونوں — جو غنچہ ہے وہ خودبیں جو گل ہے خود نما ہے

گیسوے مشک بو پر الجھی ہے سنبل تر — مشکیں سواد یکسر گلزار کی فضا ہے

وہ ابر گھر کے آیا، وہ رنگ عیش چھایا — وہ غنچہ مسکرایا، وہ پھول ہنس رہا ہے

بالائے سبزۂ تر شبنم ہے جلوہ گستر — تاروں سے جیسے چرخ اخضر گویا سجا ہوا ہے

کب رنگ باغ ایسا چشم فلک نے دیکھا — سورج مکھی کا منہ کیا خورشید دیکھتا ہے

طاؤس [illegible] — کیا جلوہ دلربا ہے کیا چال فتنہ زا ہے

سامان ذوق عرفاں گلشن میں سب مہیا — لو ایک راز پنہاں فطرت کا برملا ہے

خورشید کی تجلی، اعجاز حسن سوزی — شبنم کا نقد ہستی، سرمایۂ فنا ہے

پرواز رنگ بلبل، وارفتگی کا نقشہ — انداز خندۂ گل، اک برق [illegible] ہے

[illegible] ہے سراپا آئینہ دار کس کا — نور نگاہ نرگس [illegible] حیرت لقا ہے

راز ازل کا جویا [illegible] — [illegible] آشنا ہے

بجلی کی لمعہ کاری، تفسیر بیقراری — بادل کی قطرہ باری، تفسیر ماجرا ہے
ساقی! دم کرم ہے، چشم کرم خدارا! — جو دم ہے مغتنم ہے، فرصت گریز پا ہے
مجھسے جو لڑ گئی ہے، متوالی آنکھ تیری — نیت بگڑ گئی ہے توبہ کا اب خدا ہے
جز نقدے پرستی! کیا ہے عیار ہستی — مستی بڑھا کہ مستی، ہستی کی کیمیا ہے
نیرنگ دور گردوں، کیوں وجہ گردش سر — دور شراب گلگوں، اس درد کی دوا ہے
ذوقِ فنا کی مستی، تڑپا رہی ہے دل کو — ظالم خمار ہستی، اندوہ جانگزا ہے
بس ہو چکا تغافل، دے بھر کے ساغر مُل — کیوں غمزہ ہائے بیجا کیوں ناز نارو ا ہے
ساغر بکف ہے لالہ، رشک نشاط کبتک — لا شیشہ و پیالہ، فکر مآل کیا ہے
جھونکے صبا کے آئیں، کیف طرب بڑھائیں — ہاں شغل میکشی کا گلزار میں مزا ہے
مینا ہے مست قلقل، یا نغمہ زن ہے بلبل — گویا چمن میں طوطی رندوں کا بولتا ہے

عارف کی انجمن میں یہ رعب کے ترانے
پھولے پھلے چمن میں، بلبل غزل سرا ہے

ابوالصواب رعب قریشی انصاری

ادب آموز

بھروسا کیا کرے اسکا کوئی فانی یہ عالم ہے — زیادہ ہے یہاں رنج و الم عیش و طرب کم ہے
کہ یہ بجلیاں ہر دم ہے جبتک دم میں دم تیرا — بھروسا کیا ہے دم کا یہ سمجھ لو دم کوئی دم ہے
نکونامی یہاں رہتی ہے اور نامی نہیں رہتا — نہ کسریٰ ہے نہ اب حاتم نہ اسکندر نہ اب جم ہے
ہے شر شیطان میں جسمیں ہو شر انسان نہیں ہرگز — بشر بے شر اگر ہو [illegible] ہو ابن آدم ہے
زباں کے زخم کا ملکن [illegible] زبان ہی سے — بے زخم و تشتر [illegible]
جہاں تک ہو دیکھئے ادنی کو اعلی کو غرض سبکو — زیادہ [illegible] بہت [illegible]
سخاسے ملک دینار کا سارتبہ حاصل کر — کہ مسلک کے یہاں درہم نہیں ہے [illegible]
نہیں ہے کام کی وہ زندگی جسمیں ہو بدنامی — [illegible] عالم نام رستم [illegible]

بنا دیتی ہی نامی فقر کی دولت بھی انساں کو
کہ مشہور زمانہ نام ابراہیم ادہم ہی

نہ آتی موت تو اپنی خوشی سے کب کوئی جاتا
مگر یہ عالم فانی عجب دلچسپ عالم ہی

اٹھانا منت دوناں نہ دوناں کے لئے ہرگز
اگر حلوا ئے بھی ذلت سے ملے سمجھو اسے سم ہی

جہاں کل جمع یاران سر پل باگل و مل تھے
وہ جلسہ آج درہم ہی وہ مجلس آج برہم ہی

نکلتا ہی وہ دشمن دوست ہم جس کو سمجھتے ہیں
سبب اسکا یہ ہی جھوٹی محبت ہم میں باہم ہی

سحر کو آفتاب آجائیگا اے بے خبر سر پر
کہ شب کو بستر گل پر نہیں تو گل پہ شبنم ہی

کوئی رستم سے پوچھے کیوں اجل نے جیت لیا تجھکو
کدھر تیری گئی طاقت کہاں تیرا وہ دم خم ہی

نتیجہ کار بد کا ہی بدی کچھ شک نہیں اس میں
جزا نیکی کی نیکی ہے یہی قول مسلم ہی

فنا ہو جاؤ باقی میں کہ ہو تم کو بقا حاصل
جسے تم قطرہ کہتے ہو ملا جب یم میں وہ یم ہی

بحکم ما خلقت الجن والانس آیۂ ناطق
ہوا ثابت خدا کی ہر طرح طاعت مقدم ہی

غم عقبے نہیں کل کیا خدا کو منہ دکھاؤ گے
نہیں غم ہی تو دنیائے دنی کا رات دن غم ہی

تو چاہے تو گدا کو شاہ اور شہ کو گدا کر دے
تری قدرت میں دم مارے خدایا کس میں یہ دم ہی

زمیں تیری فلک تیرا بشر تیرے ملک تیرے
تو ہی رزاق مطلق ہے تو ہی خلاق عالم ہی

قناعت جسکو حاصل ہی تو سب کچھ پاس ہی اسکے
قناعت بھی تو اک نعمت ہی یہ نعمت بھی کیا کم ہی

روا جو حاجتیں مخلوق کی کرتا ہے تا امکاں
وہ دنیا میں معزز ہی وہ عقبے میں مکرم ہی

اسی کا قلب ہی بے غل اسیکا ہی مصفا دل
زباں پر جسکی نام اللہ کا ہر لحظہ ہر دم ہے

نہیں ہی دوستوں کی کچھ کمی جب تک ہو زر پاس
برا وقت آگیا تو کوئی مونس ہی نہ ہمدم ہی

ذہین [illegible] خاطر ہیں
خوشی ہو تو خوشی کس کو اگر غم ہی تو کیا غم ہی

ذہین

[illegible] خط و کتابت کے وقت [illegible] ضرور تحریر فرمایئے ورنہ عدم تعمیل
[illegible]

غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

چلے جب ہم رہِ اُلفت میں مشتاقِ جفا ہوکر
ملے ایک ایک قدم پر آشنا نا آشنا ہوکر

نہ نکلا کوئی ارماں سوزِ زخمِ تیغِ ادا ہوکر
بسر کی ہمنے اپنی زندگی دردآشنا ہوکر

نگاہِ لطف سے کیوں اتنی امیدیں بڑھ جاتی ہیں
جیئے گا کسطرح کوئی سراپا مدعا ہوکر

یہ اقبال ادا ناز ہی حد کرامت تک
حکومت کی دیارِ دل میں تمنے بیوفا ہوکر

ذرا اے کس مپرسی تو زلیخا سے خبر کر دے
کہ یوسف بک رہے ہیں جنس بازارِ وفا ہوکر

شرر اڑنے لگے جب سانس لی سوزِ محبت میں
تمنائے عاشقی دل رہگیا اک آبلا ہوکر

جوابِ جادۂ مقصد تھا اسکا ہر نفس گویا
مٹا دی اپنی ہستی دوست پر جسنے فدا ہوکر

محبت میں ستمکش زندگانی کچھ تو کام آئی
کیا خوش ہمنے اپنے دشمنِ جاں کو فنا ہوکر

کسے ڈھونڈیں ہجومِ شوق کی عقدہ کشائی کو
کہیں کا بھی نہ رکھا ہمکو تم نے بیوفا ہوکے

ترے وارفتہ کی دیوانگی ہے عین دانائی
بھلا بیٹھا زمانے کو محبت آشنا ہوکر

جفائے ناروا ہو یا ادائے لطفِ پنہاں ہو
رہینگے واقعات عشق آخر آئینا ہوکر

خدائی پھر گئی پھر تے نہ دیکھا چشمِ جاناں کو
بڑی راحت اُٹھائی ہمنے پابندِ وفا ہوکر

نہاں جو قطرۂ خوں دلمیں تھا مجموعۂ ہستی
شروعِ غم میں نکلا آنکھ سے موجِ فنا ہوکر

الٰہی کیا دعا مانگوں مرا قاصد پلٹ آئے
کس آفت میں نہ جانے رہ گیا ہے مبتلا ہوکر

انھیں جذبات آ جائے مرے خوابِ جوانی کی
مجھے کوشش کوئی نالہ پلٹ آئے رسا ہوکر

بتا دو تمکو اس حسنِ عمل سے کیا ملا محشر
بظاہر رند مشرب اور بباطن پارسا ہوکر

حضرت [illegible]

[illegible]

قفس میں ہو دل بلبل شہید فرقت گل
خزاں نے جو نہ کیا ہو وہ اب بہار کرے

قرار جاں کے لئے اُسنے شیوہ تسکیں
کبھی جو اور کیا ہو تو اختیار کرے

شب وصال ہے کوتاہ ناز یار دراز
ہجوم شوق سے کہدو کہ اختصار کرے

شکایت اُسکے تغافل کی اسقدر نہ کروں
کہیں وہ پھر نہ مجھے ملکے شرمسار کرے

قریب ہے کہ ترے گیسوئے دراز کی بو
نسیم باغ ہوائی کو مشکبار کرے

گذر چلی ہے تمنا کی حد سے دشواری
کہاں تک اب اور بیترا کوئی انتظار کرے

وہ اب یہ چھیڑ سے کہتے ہیں "میرے غم کو تجھے
جو بیقرار کیا ہے نہ بیقرار کرے"

میں کس خوشی سے دل و دیدہ فرش راہ کروں
اگر وہ ترک ادھر بھی کبھی گذار کرے

خدا سے اب یہ دعا ہے کہ جلد بار مراد
کہیں تلافی مافات روزگار کرے

فزوں ہیں حد سے ترے جور بے حساب کے داغ
نہیں شمار کراؤں نہ تو شمار کرے

ہوا کے پیام ہمارا ابھی اے نسیم دکن
خدا تجھے طرب افروز غم شکار کرے

ملے جو اس سے تو کہنا کہ "تیرے شوق کا راز
کہاں تلک دل حسرت نہ آشکار کرے"

حضرت دل شاہجہانپوری

تونے او مہر درخشاں وہ چمک پائی ہے
ذرہ ذرہ ترے جلوہ کا تماشائی ہے

حامل مہر و وفا صبر و شکیبائی ہے
اُف اگر منہ سے نکل جائے تو رسوائی ہے

تھی ترے حسن کو کیا اہل نظر کی حاجت
اک تماشہ کے لئے انجمن آرائی ہے

پیرہن پھاڑ لیں غنچے تو وہ زینت ٹھہرے
ہم گریباں کریں چاک تو رسوائی ہے

کہتی ہے بیخودی شوق ہجوم غم میں
جس جگہ تم ہو وہی گوشہ تنہائی ہے

ضبط گریہ جو کیا خون کے آنسو ٹپکے
پردہ داری میں بھی اک طرح کی رسوائی ہے

دست گلچیں حوادث سے کھلا یہ عقدہ
پھول کھلنے کے لئے باد بہار آئی ہے

گھر یہ قسمت سے ملا ہے تو سزاوار بھی ہو
جیتے مرتے کے ترے دل میں جگہ پائی ہے

حسرت و شوق و تمنا سے ہے آرائش دل — اپنی قسمت میں بھی انجمن آرائی ہے

مژدۂ وصل ہے یا وہم و خیال اے قاصد — یہ مرے کانوں میں کدھر سے صدا آئی ہے

خود بخود چاک ہوئے جاتے ہیں پیراہن گل — کچھ اس انداز سے گلشن میں بہار آئی ہے

جمع ہیں چند خیالات پریشاں دل میں — کنج زنداں میں بھی انجمن آرائی ہے

ہم بھی دیکھیں تو سہی اپنی حفاظت کیوں کر — تم نے کیا چھیڑ سر راہ پڑی پائی ہے

عشق میں مر کے جئیں گے یہی ہے شان عشق — آج ہم نے لب جاناں کی قسم کھائی ہے

کاش ہوتا مری بگڑی کا بنانے والا — وہ جفاکیش جو مصروف خود آرائی ہے

تھا کسی اور ہی دھن میں ترا بیمار فراق — سر اٹھایا تو یہ دیکھا کہ قضا آئی ہے

جی کے خوش کرنے کو اشکوں ہی سے دامن بھر لو — اے اسیران قفس فصل بہار آئی ہے

کنج مرقد سے مجھے سب نے ڈرا رکھا تھا — دیکھتا کیا ہوں کہ اک گوشۂ تنہائی ہے

یہ قفس کیا قفس تن کے بھی ٹکڑے اڑ جائیں — ہم سے آ تا کوئی کہدے کہ بہار آئی ہے

جب رہیں حضرت دل آپ حضور دلدار
خاموشی میں بھی تو اک قوت گویائی ہے

ریویوز

نظربند لیڈروں کی تصاویر۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ دفتر سنٹرل بیورو فتحپوری دہلی اور دفتر اخبار جمہور کلکتہ میں مخدومان ملت مسٹر محمد علی و شوکت علی صاحبان کی تصاویر برائے فروخت موجود ہیں۔ یہ تصاویر کیبنٹ سائز پر دو قسم کی ہیں۔ بروما ئیڈ کی تصویر کی قیمت دو روپیہ اور تصویر درجہ دوئم کی قیمت ایک روپیہ چار آنہ ہے ہمیں بتایا گیا ہے کہ ان تصاویر کی فروخت سے جو روپیہ وصول ہوگا وہ نظربندوں کے فنڈ میں دیا جائیگا۔ ہمیں اسکا بھی علم ہے کہ منیجر صاحب قومی کتب خانہ بڑا کولوٹولا اسٹریٹ کلکتہ نے خاص اہتمام سے مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی کی تصویر تیار کرائی ہے جسکی قیمت عا روپیہ ہے۔
اکثر مسلمان عرصہ سے اپنے مسلم نظربند لیڈروں کی تصاویر کے شائق تھے اور ان

فدایانِ ملت کی تصاویر حاصل کرنے کے لئے متعدد خطوط ہمارے پاس بھی بغرض استفسار آئے تھے۔ آج ہم ناظرینِ تمدن کو اطلاع دینے کے قابل ہیں کہ فدایان ملت کی تصاویر مندرجہ بالا مقامات پر دستیاب ہو سکتی ہیں۔ یہ تصاویر قلیل تعداد میں تیار کرائی گئی ہیں۔ اسلئے خریداری کی طرف جلد توجہ ہونی چاہیئے۔

طبی گزٹ۔ اس نام کا ایک ماہوار رسالہ ہمارے پاس بغرض ریویو آیا ہے یہ دہلی سے زیر ادارت جناب حکیم ڈاکٹر [illegible] حسین صاحب انچارج شفاخانہ سرکاری لال کنواں (دہلی) سے بہ سرپرستی جناب حکیم ناظر الدین احمد خان صاحب خلف الرشید جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خان صاحب مرحوم دہلی نکلنا شروع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے طبقہ کے مشہور افراد میں سے ہیں اور سرکاری ملازمت میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ہم حکیم ناظر الدین احمد خانصاحب اور ڈاکٹر صاحب کو اس رسالہ کے اجرا پر مبارکباد دیتے ہیں جس کے متعلق انکے طبقہ کے بعض ممتاز حضرات نہایت عمدہ رائے رکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس رسالہ نے ایک احتیاج کو پورا کر دیا ہے۔ اسکے مقاصد اور اغراض حسب ذیل ہیں۔

(ا) طب اور ڈاکٹری کے متعدد شعبوں پر بحث کرنا تاکہ وید اور طبیب ایک طرف اور ڈاکٹری دوسری طرف جدید تحقیقات اور قدیم اصول علاج الامراض سے مستفید ہو سکیں۔

(ب) طب اور ڈاکٹری کے طریقہ ہائے علاج میں مختلف فیہ مسائل پر محققانہ نظر ڈالنا اور تبصرہ کرنا

(ج) طب اور ڈاکٹری سے باشندگان ہند کو علاج سے اسطرح نفع پہنچانا جو اہل ہند کی قدرتی اکتسابی عادی ضرورتوں کے مناسب حال ہو۔

(د) دواسازی عطاری کیمیائی ادویہ کی ترکیب کے متعلق علمی معلومات بہم پہنچانا۔

(ر) دیسی جڑی بوٹیاں نباتی معدنی (ان ڈی جی نس ڈرگس) کی پیدائش اور نشو و نما کے متعلق مفرد اور مرکب صورت میں تحقیقات مزید کر کے پبلک اور حکومت کے روبرو پیش کرنا۔

(ہ) حفظان صحت کے جزئیات و کلیات پر تفصیلی نظر ڈالنا اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے خواص و عوام کو قابل عمل ہدایت کرنا۔

۲

زمانہ

اردو کا بہترین رسالہ

اڈیٹر دیا نراین نگم بی۔ اے

نمبر۱- گذشتہ سولہ برس سے مسلسل ملک کی علمی خدمت کر رہا ہے۔

نمبر۲- مین ملک کے نامور انشاپردازون اور اردو کے مسلم الثبوت اساتذہ کے مضامین شایع ہوتے ہین۔

۳- کے ہر نمبر مین مختلف مباحث پر مفید اور قابل دید مضامین درج ہوتے ہین۔

- کسی خاص قوم یا فرقہ یا مذہب کا طرفدار نہین ہے بلکہ اسکو ملک کی عام بہبودی مذاق سلیم کی ترقی اور معلومات کی اصلاح منظور ہے۔

زمانہ کی تیسوین جلد جنوری ۱۹۱۸ء سے شروع ہوتی ہے آپ بھی اس پرچہ سے خریداری شروع کیجئے۔

عہ روپیہ سالانہ مع محصولڈاک بذریعہ وی پی منگائیے یا پہلا پرچہ قیمت طلب کیجئے۔

زمانہ

اردو کا بہترین رسالہ

جو

۱۹۰۳ء سے ابتک برابر اردو کی علمی خدمت کر رہا ہے

ہرماہ کا پرچہ آخر ماہ تک شایع ہوجاتا ہے۔

قیمت سالانہ للعہ   نمونہ کا پرچہ ۱۲

پاینیر الہ آباد: زمانہ ہندو مسلمانوں کے لئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کرنا چاہتا ہے اور دونوں جماعتوں کے مشہور انشاپردازان و شعرا کی امداد حاصل کرتی ہے۔

اودھ اخبار لکھنؤ: اردو رسائل مین اسنے اپنے قابل قدر مضامین کے لحاظ سے بہت بڑی ترقی کی ہے۔

ہندوستان لاہور: زمانہ اردو کے رسالوں میں چوٹی کا رسالہ تسلیم کیا گیا ہے۔

بھارت متر کلکتہ: زمانہ کے ہر نمبر مین دو چار غور سے پڑھنے کے لائق مضامین ہوتے ہین۔

زمانہ کے اعلی دلچسپ اور مفید مضامین کی چاردانگ ہند مین شہرت ہے جنوری ۱۸ء کا پرچہ شایع ہوچکا ہے۔ اسی نمبر سے آپ بھی خریداری شروع فرمائیے۔

بچے اور ارزاں لوہے سے بیش قیمت فولاد ہزار گونہ زیادہ کارآمد ہے۔